جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

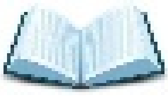

اسم الکتاب: فضائل دعوت اور اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں؟

تأليف : .... ☎ فضيلة الشيخ رضاء الله الباجوري

الطبع .... الاول سنه 1447ھ بمطابق 2025

تنضید: ابو منقاد رضاء الله بن الحاج خان بادشاه حفظه الله عنه

النّاشر : ..... مدرسة ترتیل القرآن شریف آباد باجوڑ پاکستان

دیباچہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ، وَنَسْتَعِیْنُہٗ، وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّآ إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ. یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ [1] یَا أَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِي خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِہٖ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیبًا [2] یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِیدًا * یُصْلِحْ لَکُمْ أَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوبَکُمْ ۗ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیمًا [3]

امابعد!

دعوت الی اللہ تعالیٰ ایک جلیل القدر عمل ہے۔

اس کا مقام ومرتبہ انتہائی بلند وبالا ہے۔

یہ عمل اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب کرنے والے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے۔

ہمارے اسلاف نے اس کی اہمیت اور قدر و منزلت کو جانا، سمجھا اور اس کی خاطر خوب جدوجہد اور کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دعوتِ دین کے اہتمام کے سبب وہ سعادت مند ہوئے، خلافتِ زمین کے مستحق قرار پائے، عزت وشرف نے ان کے قدموں کو چوما اور مولائے کریم کی عنایت سے ان کی وجہ سے مشرق و مغرب میں انسانوں کی ایک عظیم تعداد خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوئی۔

لیکن ہمارے زمانے کے مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت دعوتِ دین کے بارے میں لاپرواہی، کوتاہی اور غفلت کا شکار ہے۔

دعوت کے متعلق ان کے اس طرزِ عمل کے متعدد اسباب میں سے شاید ایک اہم سبب یہ ہے، کہ وہ اس عظیم عمل کے فضائل ہی سے آگاہ نہیں یا انہوں نے آگاہ ہونے کے باوجود تجاہل عارفانہ کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

رب علیم وحکیم پر بھروسہ کرتے ہوئے خود اپنے آپ کو جھنجھوڑنے، غافل لوگوں کو بیدار کرنے، تجاہل عارفانہ کرنے والوں کو تنبیہ کرنے، بے خبر

لوگوں کو آگاہ کرنے اور دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کی ہمت افزائی اور تقویت کے ارادے سے دعوت کے فضائل کے متعلق یہ کتاب تالیف کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مولائے کریم اس کو میرے لیے، اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مفید بنائے۔ إِنَّہٗ سَمِیْعٌ مُّجِیْبٌ ۔

کتاب کی تیاری میں پیش نظر باتیں:

اپنے مولائے کریم کے فضل وکرم سے کتاب کی تیاری میں درج ذیل باتوں کا اہتمام کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱: کتاب کے لیے بنیادی معلومات کتاب وسنت سے حاصل کی گئی ہیں۔

۲: احادیث شریفہ غالباً ان کے اصلی مراجع سے نقل کی گئی ہیں۔

صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث سے منقولہ احادیث کے متعلق علمائے امت کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔[1]

۳: آیاتِ شریفہ اور احادیثِ کریمہ سے استدلال کرتے وقت حضراتِ مفسرین اور محدثین کرام کی تفاسیر اور شروح سے مقدور بھر استفادہ کیا گیا ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ جمیعًا خیر الجزاء عن الإسلام والمسلمین۔

۴: مراجع ومصادر کی فہرست میں ان کے متعلق تفصیلی معلومات ذکر کر دی گئی ہیں، تاکہ ان سے مزید استفادہ کرنے میں آسانی رہے۔

کتاب کا خاکہ:

رب رحمن ورحیم کی توفیق سے کتاب کی تقسیم حسب ذیل انداز سے کی گئی ہے:

پیش لفظ:

اصل کتاب:

دعوت الی اللہ تعالیٰ کے فضائل کے متعلق تیئس باتیں

[ہر بات مستقل عنوان اور نمبر کے تحت]

حرف آخر:

خلاصہ کتاب اور اپیل

شکرودعا:

بندہ پُر تقصیر اپنے رب قادر و مقتدر کا شکر گزار ہے، کہ ان کی رحمت بے پایہ سے اس موضوع کے متعلق کام کا آغاز ہوا اور انہی سے عاجزانہ التماس ہے، کہ

[1]صحیحین کی احادیث کے متعلق علمائے امت کے اقوال ذکر نہ کرنے کا سبب یہ ہے، کہ ان کی صحت پر اجماع امت ہے۔(ملاحظہ ہو: مقدمة النووی لشرحه علی صحیح مسلم ص ۱۴؛ ونزہة النظر فی توضیح نخبة الفکر للحافظ ابن حجر ص ۲۹)۔

میرے والدہ گرامی قدر کی قبروں پر ان گنت اور بے شمار رحمتیں نازل فرمائیں، کہ انہوں نے اولاد کی تربیت کے لیے مقدور بھر کوشش کی۔ان کے دلوں میں دعوتِ دین کی محبت کا بیج بونے کے لیے محنت کی۔﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾

اپنی اہلیہ اور اولاد کے لیے دعا گو ہوں، کہ انہوں نے میری مصروفیات کا خیال رکھا اور مقدور بھر خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو میری اور تمام مسلمانوں کے اہل وعیال کو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیں اور ہم سب کو اور ہمارے اہل وعیال کو دین حق پر چلنے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مخلصانہ بار آور خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین یا رب العالمین۔

مولائے کریم اس کتاب کو میرے لیے اور سب قارئین کرام کے لیے ذریعہ نجات بنائیں۔إِنَّهُ سَمِيعٌ مُّجِيبٌ ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔

★★★

ابو عطاء المنعم بن الحاج خان بادشاہ حفظه الله ورعاه وجعل الجنة مثواه ۔10 جمادی الثانی ۔1447ھ ۔2025۔۔1 دسمبر۔یوم الاحد

-۱-

گروہِ رسل علیہم السلام کا مشن دعوتِ دین

مخلوق میں سے اعلیٰ وافضل حضراتِ انبیاء اور گروہِ رسل علیہم السلام ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ﴾[1]

[ترجمہ: فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق کے رتبوں میں سے سب سے بلند وبالا مرتبہ رسالت ونبوت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں میں سے رسولوں کا چناؤ فرماتا ہے۔'' [2] شیخ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''ساری مخلوق میں سے رسول سب سے زیادہ برگزیدہ ہوتے ہیں۔'' [3]

دعوتِ دین کی شان وعظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ مولائے عزوجل نے انبیاء اور رسولوں کے اسی برگزیدہ اور عالی مرتبت گروہ کو خیر کی دعوت دینے، نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے لیے مبعوث فرمایا۔

ا: اس بات کے چند دلائل:

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔ انہی میں سے چار آیات شریفہ درج ذیل ہیں:

ا: ارشادِ ربانی:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[1]

[ترجمہ: ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا، کہ (لوگو!) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو]

علامہ زمخشری رقم طراز ہیں: "ہر ایک امت میں اللہ تعالیٰ نے رسول مبعوث فرمایا، جو انہیں خیر کا حکم دیتا اور شر سے بچنے کی تلقین کرتا اور [خیر] اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور [شر] طاغوت کی اطاعت کرنا ہے۔" [2] **اسدف**

۲: ارشادِ ربانی:

﴿وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ﴾[3]

[ترجمہ: اور کوئی امت ایسی نہیں، کہ اس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو]

۳: ارشادِ ربانی:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا﴾[4]

[ترجمہ: رسول خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے، تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب بڑا باحکمت ہے]

۴: ارشادِ ربانی:

﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ﴾[1]

[ترجمہ: اور ہم رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں، کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں]

ب: اس بارے میں بعض علماء کے اقوال:

علمائے امت نے اس بارے میں بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں ان میں سے تین کے اقوال درج کیے جا رہے ہیں:

ا: امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"دعوت الی اللہ تعالیٰ رسولوں اور ان کے پیروکاروں کا مشن ہے۔" [2]

۲: شیخ محمد رشید رضا رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

"خیر کی دعوت دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اگرچہ مصائب اور خدشات سے اٹا پڑا ہے، لیکن یہی انبیاء، رسولوں اور سلف صالحین کا ثابت شدہ طریقہ ہے۔ ان میں سے کتنے نبی اور صدیق اس راہ میں قتل کیے گئے اور وہ تمام شہداء میں سے افضل قرار پائے۔" [3]

۳: سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"گروہ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق کی راہنمائی کرنے والا تھا، وہ ہدایت کے امام تھے اور سب جن وانس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرما کر بندوں پر عنایت وشفقت فرمائی، ان کے ذریعے راہِ حق کو واضح کیا، صراطِ مستقیم کو اجاگر کیا، تاکہ لوگوں کے لیے حق خوب آشکارا ہو جائے۔" [1]

دعوتِ دین کی شان وعظمت سمجھنے کے لیے صرف یہی ایک بات بہت کافی ہے، کیونکہ گروہ انبیاء اور جماعتِ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے اعلیٰ وافضل ہے اور عرش عظیم کے مالک رب العالمین نے جس مشن کی خاطر انہیں مبعوث فرمایا، وہ مشن یقیناً دیگر تمام کاموں سے اعلیٰ وافضل اور بلند وبالا ہو گا۔

مولائے رحیم وکریم ہمیں اس عظیم مشن کی خاطر بھرپور جدوجہد کرنے والوں میں شامل فرمائے۔ آمین یاحي یاقیوم۔

-۲-

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن دعوتِ دین

ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب نبیوں کے امام اور تمام رسولوں کے قائد ہیں۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ کی حمد کا جھنڈا آپ ہی کے دست مبارک میں ہو گا۔ سارے حضراتِ انبیاء آدم سے لے کر عیسیٰ علیہم السلام تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے۔[2] دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دعوتِ حق کی عظیم ذمہ داری سونپی۔

قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ کی بعثت کا مقصد دعوت اِلی اللہ تعالیٰ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی فریضہ کو سرانجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سی آیات کریمہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم ذمہ داری کو پورا فرمایا۔ ذیل میں چند آیات کریمہ کو تین عناوین کے ضمن میں پیش کیا جارہا ہے:

ا: دعوتِ دین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت: اس بات پر دلالت کرنے والی چار آیات کریمہ درج ذیل ہیں:

ا: ارشادِ ربانی:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾[1]

[ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا]

۲: قول رب العالمین ہے:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾[2]

[ترجمہ: ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث کیا ہے اور جہنم والوں کے بارے میں آپ سے پوچھا نہیں جائے گا]

۳۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾[1]

[ترجمہ: بہت بابرکت ہے وہ ذات، جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا، تاکہ وہ سب جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بن جائے]

۴: ارشادِ ربانی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾[2]

[ترجمہ: اے نبی! یقیناً ہم آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا، ڈرانے والا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بھیجا ہے] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ﴾ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: "یعنی حکم الٰہی کی تعمیل میں آپ مخلوق کو اپنے رب کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔" [3]

شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''﴿بِإِذْنِهٖ﴾ [یعنی اس کے اذن کے ساتھ] سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف دعوت دینے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور دعوت کے کٹھن اور پر خطر ہونے کے باوجود اسے آپ کے لیے آسان فرمادیا ہے۔''
[4]

ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فریضہ دعوت ادا کرنے کا حکم الٰہی:

ذیل میں اس بارے میں چھ آیات شریفہ ذکر کی جارہی ہیں:

۱: ارشادِ ربانی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾[1]

[ترجمہ: اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، پہنچادیجیے۔

اگر آپ نے [یہ] نہ کیا، تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا۔

بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا]

۲: ارشادِ ربانی:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ﴾[2]

[ترجمہ: اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان کے ساتھ بہترین طریقے سے جدال کیجیے]

۳: ارشادِ ربانی:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ﴾[3]

[ترجمہ: پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، مضبوطی سے جم جائیے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے۔]

۴:ارشادِ ربانی:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾[1]

[ترجمہ: پس آپ قرآن کے ذریعے میری وعید سے ڈرنے والے کو سمجھاتے رہیے]

۵:ارشادِ ربانی:

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾[2]

[ترجمہ: سو آپ سمجھاتے رہیے، کہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں، نہ دیوانے]

۶:ارشادِ ربانی:

﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾[3]

[ترجمہ: پس آپ نصیحت کر دیجیے، کہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں]

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضہ دعوت سر انجام دینا:

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فریضہ دعوت کماحقہ ادا فرمایا۔

خود اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اس بات کی شہادت دی ہے۔ایسی ہی آیات کریمہ میں سے تین درج ذیل ہیں:

ا:ارشادِ رب العالمین ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[4]

[ترجمہ: اور یقیناً آپ تو انہیں راہِ راست کی طرف دعوت دے رہے ہیں]

۲: فرمان باری تعالیٰ:

﴿اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰٮهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ﴾[1]

[ترجمہ: جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جنہیں وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برُے کام سے منع کرتے ہیں]

۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت الی اللہ تعالیٰ کا فریضہ سب مقامات، اوقات اور حالتوں میں سر انجام دیا۔ ہر قسم کے لوگوں کو دعوتِ حق پہنچانے کی مقدور بھر کوشش کی۔

اسی مقصد کی خاطر تا حدِ استطاعت تمام شرعی اسالیب اور وسائل استعمال فرمائے۔ امت کو راہِ حق پر لانے کے بارے میں آپ کی تڑپ اس قدر شدید تھی، کہ خدشہ تھا، کہ ان کی راہِ حق سے دوری کے افسوس میں آپ اپنی جان ہلاک کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

﴿فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ﴾[2]

[ترجمہ: سو آپ کی جان ان پر حسرتوں کی وجہ سے نہ جاتی رہے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی آگاہ ہے]

بات کا خلاصہ یہ ہے، کہ دعوت الی اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کی سر انجام دہی کے لیے اپنے حبیب و خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمائے، انہیں دعوتِ حق دینے کا حکم دیا اور انہوں نے اسی عظیم فریضہ کے ادا کرنے کی خاطر اپنی ساری توانائیاں، قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر دیں۔[1]

-۳-

انبیاء علیہم السلام کا لوگوں کو معلّمِ خیر بننے کا حکم

دعوتِ دین کی شان و عظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اس فریضہ کو صرف خود سر انجام دینے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ اپنی امت کے لوگوں کو بھی اس عظیم عمل کے کرنے کا حکم دیا۔

اس بات کی دلیل:

اسی بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾[2]

[ترجمہ: کسی انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت دے۔

یہ لائق نہیں، کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب، حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے، کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ [وہ تو کہے گا، کہ] تم ربانی بن جاؤ، اس لیے، کہ تم کتاب سکھایا کرتے تھے اور اس لیے، کہ تم خود پڑھا کرتے تھے۔]

آیت کریمہ سے استدلال:

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے لوگوں کو﴿رَبّٰنِيّٖنَ﴾بن جانے کا حکم دیا کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیت شریفہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''رسول لوگوں سے یہ کہتا: ''ربانیین بنو''[1] اور کسی شخص کے [رَبَّانِی] بننے کے لیے تین خصلتوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) خیر سیکھے۔

(۲) سیکھی ہوئی خیر پر عمل کرے۔

(۳) وہ دوسروں کو خیر سکھلائے۔

اس بارے میں امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''[رَبَّانِی] کا لفظ ایسے شخص پر دلالت کرتا ہے، جو علم حاصل کرے، اس پر عمل کرے اور دوسروں کو خیر کی باتوں کی تعلیم دے۔'' [2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے: ''سلف کا اس بات پر اجماع ہے، کہ کوئی عالم اس وقت تک [رَبَّانِی] کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ حق کو پہچان نہ لے اور اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ اسے آسمانوں کی بادشاہتوں میں [عظیم] کے لقب سے

پکارا جاتا ہے۔"[1] خلاصہ کلام یہ ہے، کہ دعوتِ دین کی شان و عظمت اجاگر کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے نہ صرف خود یہ فریضہ سر انجام دیا، بلکہ اپنی امتوں کو بھی اسے ادا کرنے کا حکم دیا۔

-۴-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کا شعار دعوت الی اللہ تعالیٰ

دعوتِ دین کی عظمت و رفعت کو بیان کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ رب العزت نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کا شعار قرار دیا ہے۔

اس بات کی دلیل:

مولائے کریم نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[2]

[ترجمہ: آپ کہہ دیجیے: یہ میری راہ ہے۔ میں اور میری اتباع کرنے والے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں]

آیت کریمہ سے استدلال:

علمائے امت نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں دعوت الی اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کو خوب واضح کیا ہے۔

ذیل میں ان میں سے تین حضرات کے اقوال پیش کیے جا رہے ہیں:

ا: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "اللہ تعالیٰ جن وانس کی طرف اپنے مبعوث کردہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے، کہ وہ لوگوں کو خبر دے دیں، کہ ان کی راہ یہ ہے یعنی ان کا طریقہ، دستور اور سنت اس بات کی دعوت دینا ہے، کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ان کی یہ دعوت بصیرت، یقین اور برہان پر مبنی ہے، اسی طرح ہر وہ شخص جو ان کا پیروکار ہے، وہ بھی اسی بات کی دعوت بصیرت اور عقلی اور شرعی دلائل کی بنیاد پر دیتا ہے۔" [1]

ب: امام ابن قیم نے تحریر کیا ہے: "معنی خواہ یہ ہو، کہ میں اور میری پیروی کرنے والے دعوت الی اللہ تعالیٰ بصیرت پر دیتے ہیں یا

﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾[2]

پر وقف ہو اور پھر بات کی ابتدا ﴿عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾[3] سے ہو، دونوں اقوال کا مقصود ایک ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا، کہ وہ اس بات کی خبر دے دیں، کہ ان کی راہ دعوت الی اللہ تعالیٰ ہے، پس جس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، وہ راہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بصیرت پر ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں میں سے بھی ہے۔

جس کسی نے اس کے سوا کسی اور بات کی دعوت دی، وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر ہے اور نہ ہی بصیرت پر۔ ایسا شخص آپ کے تابع داروں میں سے بھی نہیں۔ دعوت الی اللہ تعالیٰ رسولوں اور ان کے تابع دار لوگوں کا مشن ہے اور وہ رسولوں کی امتوں میں ان کے جانشین ہیں اور دوسرے لوگ ان کے پیروکار ہیں۔" [1]

ایک اور مقام پر مذکورہ بالا آیت کریمہ ذکر کرنے کے بعد حضرت امامؒ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح معنوں میں پیروکار وہی ہے، جو کہ بصیرت کی بنیاد پر اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے، جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت دیا کرتے تھے۔

اسی قسم کے لوگ حقیقت میں رسولوں کے جانشین ہیں اور دوسرے لوگوں کی بجائے ان کے حقیقی وارث ہیں۔ وہی وہ اہل علم ہیں، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا علم و عمل، ہدایت و ارشاد اور صبر و جہاد کے اعتبار سے حق ادا کیا اور یہی لوگ صدّیق ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں میں سے اعلیٰ و افضل ہیں اور ان سب کے سردار اور امام (حضرت) صدیق اکبر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴾[2]

[ترجمہ: اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں: نبیوں، صدّیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ ہو گا اور ان کی رفاقت اچھی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا] اللہ تعالیٰ نے سعادت مند لوگوں کے مراتب بیان فرمائے اور وہ چار ہیں، سب سے پہلے تمام لوگوں میں سے عالی مرتبت حضرات ذکر فرمائے، پھر علی الترتیب بعد کے مرتبے والے لوگوں کا ذکر فرمایا اور یہی چار درجات والے لوگ اہلِ جنت ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایسے لوگوں میں شامل فرمائے۔[1] آمین یا رب العالمین۔

ج: شیخ عبد الحمید بن بادیس رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

" دعوت الی اللہ تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ ہونے کے ذکر ہی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ ان کے پیروکاروں پر لازم ہے، کہ یہ ان کی بھی راہ ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مقتدا، پیشوا اور ان کے لیے بہترین نمونہ ہیں، لیکن ان پر اس فریضہ کی تاکید اور اس کے ادا کرنے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے تقاضوں میں سے ہونے اور اس کے بغیر اتباع مکمل نہ ہونے کو اجاگر کرنے کی خاطر اس بات کی صراحت کی گئی، کہ ﴿أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى﴾

[ترجمہ: میں اور میری اتباع کرنے والے پورے یقین کے اور اعتماد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔]

لہٰذا مسلمانوں پر انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ بات لازم ہے، کہ وہ دعوت الی اللہ تعالیٰ کا فریضہ سرانجام دیں اور یہ کہ ان کی دعوت دلیل و برہان اور ایمان و یقین پر مبنی ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مطابق ہو۔[2]

-۵-

بہترین بات والوں کی ایک صفت دعوت الی اللہ تعالیٰ

دعوتِ دین کی قدر و منزلت کے بارے میں ایک بات یہ ہے، کہ یہ کام ان لوگوں کے اوصاف میں سے ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے [بہترین قول والا] قرار دیا ہے۔

اس بات کی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾[1]

[ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے، کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں]

آیت کریمہ کا معنی:

آیت کریمہ میں موجود استفہام نفی کے معنی میں ہے [2] اور آیت کریمہ کا معنی یہ ہے: اس شخص سے بھلی بات کسی کی نہیں، جس میں دعوت الی اللہ، عمل صالح اور عزت و افتخار سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے تین اوصاف ہوں۔[3]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "اس سے عمدہ کوئی چیز نہیں، اس کی راہ سے زیادہ روشن اور کوئی راہ نہیں اور اس کے عمل سے زیادہ ثواب والا اور کوئی عمل نہیں۔"[1]

آیت کریمہ کا شمول:

یہ آیت شریفہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے، جس نے دعوتِ دین دی، نیک عمل کیے اور اپنے مسلمان ہونے کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا، خواہ وہ شخص زمانہ ماضی میں تھا یا اب موجود ہو یا زمانہ مستقبل میں پایا جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "صحیح بات یہ ہے، کہ یہ آیت عام ہے، جیسا کہ امام عبد الرزاق نے معمر رحمہما اللہ کے حوالے سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

اور پھر فرمایا: "یہ اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ شخص ہے، یہ اللہ تعالیٰ کو اہلِ زمین میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کی اور اسی کی طرف لوگوں کو بلایا اور خود اس دعوت کے مطابق نیک عمل کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، یہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ [2]ہے۔" [3]

آیت کریمہ کے حوالے سے داعی کی فضیلت:

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی اشاعت اور سنت کی طرف دعوت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں: "یہ ان اعمال میں سے ہے، جو سب سے افضل و اعلیٰ ہیں اور جن کا بندے کے لیے دنیا و آخرت میں نفع سب سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾" [1]

دعوت الی اللہ کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر حضرت امامؒ نے لکھا ہے:

یہ بندے کا سب سے زیادہ عزت و قدر والا اور افضل مقام ہے۔[2]

ب: آیت شریفہ کی تفسیر میں شیخ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "یہ درجہ کامل تو صدّیقوں کا ہے، جنہوں نے اپنے اور دوسرے لوگوں کے نفوس کی تکمیل کے لیے محنت کی اور رسولوں کی کامل وراثت بھی ان کے حصے میں آئی۔" [3]

آیت کریمہ میں دعوت الی اللہ کو پہلے لانے کی حکمت:

آیت کریمہ میں دعوت الی اللہ تعالیٰ کو دوسری باتوں سے پہلے ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ قاشانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "دعوت حق کو اس لیے پہلے ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے، علاوہ ازیں دعوت کا تقاضا یہ ہوتا ہے، کہ (داعی کو) علمی اور عملی کمال حاصل ہو، وگرنہ دعوت درست نہ ہو گی۔" [1]

علم و عمل والے معلم کی شان و عظمت:

اس بارے میں ذیل میں حضرت فضیل اور امام ابن قیم رحمہما اللہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

ا: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے کہا: "علم و عمل والے معلم کو آسمانوں کی بادشاہی میں [کبیر] کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔" [2]

شیخ مبارکپوری رحمہ اللہ اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں: "معنی یہ ہے کہ آسمانوں والے اس کی شان و عظمت کی بنا پر اسے [کبیر] کے لقب سے پکارتے ہیں، کیونکہ اس میں علم، عمل اور تعلیم کی تین خوبیاں اکٹھی ہو گئیں۔" [3]

ب: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

"علم حاصل کرنے، اس کے مطابق عمل کرنے اور اسے سکھلانے کو آسمانوں کی بادشاہت میں [عظیم] کے نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔" [4]

اللہ تعالیٰ کے دین، عبادت اور محبت و معرفت کی طرف دعوت دینے والوں کے متعلق امام رحمہ اللہ ہی رقم طراز ہیں۔"

"یہ لوگ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہیں اور اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اس کے ہاں سب سے بلند و بالا اور اونچی شان و عظمت والے ہیں۔" [5]

اے مولائے کریم! اپنی عنایت و نوازش سے ہمیں، ہمارے اہل و عیال اور بہن بھائیوں کو ایسے لوگوں میں شامل فرما دیجیے۔

آمین یا ذا الجلال والإکرام۔

-٦-

علم و عمل والے معلّم کا عمدہ زمین کی مانند ہونا

دعوت الی اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم و عمل والے معلّم کو ایسی صاف ستھری اور پاکیزہ زمین سے تشبیہ دی ہے، جو بارش کے پانی سے سیر اب ہو کر گھاس پھوس اگا کر لوگوں کو فیض یاب کرتی ہے۔

اس بارے میں حدیث شریف:

امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا۔ وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللهِ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ، فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ"[1]

"اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا، وہ زمین پر نازل ہونے والی بہت زیادہ بارش کی طرح ہے۔ زمین کا ایک حصہ صاف ستھرا تھا۔ اس نے پانی قبول کیا (یعنی پانی سے سیر اب ہوا) اور بہت زیادہ مقدار میں گھاس پھوس اگایا اور کچھ پتھریلی زمین تھی، اس نے پانی روکا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے لوگوں کو نفع دیا۔

انہوں نے اس سے [خود] پیا اور [مویشیوں کو] پلایا اور کھیتی باڑی کی۔ کچھ بارش ایسے زمینی حصوں کو پہنچی، جو چٹیل تھے۔ انہوں نے نہ ہی پانی [اپنے اندر] روکا اور نہ ہی کچھ اگایا۔ پس یہی اس شخص کی مثال ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو خوب سمجھا اور اس [شریعت] سے فیض پایا، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا، اس نے علم حاصل کیا اور سکھلایا اور [یہی] اس شخص کی مثال ہے، جس نے اس سے اعراض کیا اور جس ہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا، اسے قبول نہیں کیا۔"

شرح حدیث:

ا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کی شرح میں امام قرطبی رحمہ اللہ اور دیگر علماء سے نقل کیا ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لائے ہوئے دین کو عام بارش سے تشبیہ دی ہے، جو کہ لوگوں پر ان کی شدید ضرورت کے وقت نازل ہوتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

سامعین کو مختلف قسموں والی زمین سے تشبیہ دی۔لوگوں میں سے علم و عمل والا معلّم ایسی پاکیزہ زمین کی مانند ہے،جو بارش سے سیر اب ہو کر خود فیض یاب ہوئی اور کھیتی اگا کر دوسروں کو فیض یاب کیا۔[1]

ب:امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث شریف سے ان حضرات کی شان و عظمت پر استدلال کیا ہے،جن میں علم،عمل اور دعوت الی اللہ تعالیٰ کی تینوں صفات بیک وقت پائی جاتی ہیں۔انہوں نے تحریر کیا ہے:

ہدایت اور علم کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم فرمایا ہے:

پہلا طبقہ:رسولوں کے وارثین اور انبیاء کے جانشین ہیں:یہ وہ لوگ ہیں،جو کہ دین پر علم،عمل اور دعوت الی اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے ایمان لائے ہیں۔

رسولوں کے حقیقی معنوں میں پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں اور وہ اس عمدہ زمین کی مانند ہیں،جو خود پاک ہوئی،پانی قبول کیا اور بڑی مقدار میں گھاس پھوس اگائی۔

پانی سے یہ زمین خود مستفید ہوئی اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور یہی وہ لوگ ہیں،جنہوں نے بصیرتِ دین اور قوتِ دعوت کو اپنے اندر جمع کیا۔

اسی وجہ سے یہ لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارثین قرار پائے۔

ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ﴾[2]

[ترجمہ:اور ہمارے بندوں ابراہیم،اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا[لوگوں سے]ذکر کرو،جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے]

"یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں آنکھوں والے،کہ آنکھوں ہی سے حق کا ادراک اور پہچان ہوتی ہے اور قوت ہی سے حق کی تبلیغ،نفاذ اور اس کی طرف دعوت کا کام سر انجام پاتا ہے۔"[1]

صحیح بخاری میں عنوانِ حدیث:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر درج ذیل عنوان قائم کیا ہے:

[باب فضل من عَلِمَ وَعَلَّم][2]

-۷-

حکمت والے معلِّم کا قابل رشک ہونا

دعوت الی اللہ کی شان و عظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کو قابلِ رشک قرار دیا ہے، جسے حکمت عطا کی گئی ہو اور وہ دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

اس بارے میں حدیث شریف:

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً، فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا، وَيُعَلِّمُهَا"[1]

"دو کے سوا کسی اور پر حسد [یعنی رشک] کرنا درست نہیں: [ایک] وہ شخص، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال عطا فرمایا اور پھر اسے راہ حق میں خوب خرچ کرنے کی قوت سے نوازا گیا اور [دوسرا] وہ شخص، جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور اس کی تعلیم دیتا ہو۔"

حدیث شریف کے متعلق چھ باتیں:

حدیث شریف کے حوالے سے اس مقام پر درج ذیل چھ باتوں کا ذکر کرنا شاید مناسب ہو:

۱: لفظ [حسد] سے مراد:

حدیث شریف میں موجود لفظ [حسد] سے مراد رشک ہے۔

ا: امام ابن منیرؒ نے تحریر کیا ہے: "یہاں [حسد] سے مراد رشک ہے۔"[2]

ب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "[حسد] سے مراد یہ ہے، کہ صاحب نعمت کے بارے میں تمنا کرنا، کہ اس کی نعمت نہ رہے، لیکن حدیث میں لفظ[حسد] سے مقصود رشک ہے اور اس کے لیے یہ لفظ مجازی طور پر استعمال کیا گیا ہے اور یہاں معنی یہ ہے، کہ دوسرے شخص کے پاس موجود نعمت جیسی نعمت کے حصول کی خواہش کرنا، لیکن یہ تمنا نہ ہو، کہ وہ اس سے چھین لی جائے اور اس بات کی رغبت کرنے کو[منافسة] کہا جاتا ہے اور اگر یہ نیکی میں ہو تو قابل تعریف ہے۔

اسی بارے میں[اللہ تعالیٰ کا ارشاد]﴿فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾[1] ہے اور اگر یہ گناہ کے کام میں ہو، تو قابلِ مذمت ہے اور اسی بارے میں﴿وَلَا تَنَافَسُوْا﴾[2] ہے۔"[3]

۲: مال خرچ کرنے اور علم سکھلانے کی ترغیب:

اس حدیث شریف میں دو باتوں کی ترغیب دی گئی ہے: راہ حق میں مال خرچ کرنا اور علم سکھلانا۔

امام طیبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "حدیث کا مقصود[راہِ خیر میں]مال خرچ کرنے اور علم سکھلانے کی ترغیب دینا ہے۔"[4]

۳: دونوں کاموں کی عظمت:

اس حدیث میں مذکورہ بالا دونوں خصلتوں کی شان و عظمت اجاگر کی گئی ہے۔ اسی کے متعلق ذیل میں تین علمائے امت کے اقوال ملاحظہ فرمایئے:
ا: امام ابن منیرؒ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: حدیث پاک کا مقصود رشک کے بلند ترین مرتبہ کو ان دو خصلتوں میں محصور کرنا ہے۔

گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ دو ایسی یقینی اور قطعی عظیم نیکیاں ہیں، کہ جن کے متعلق رشک کیا جاتا ہے یا بالفاظِ دیگر ان دو اعمال کے سوا کوئی اور عمل ایسا نہیں ہے، کہ اس کے اجر و ثواب کے یقینی حصول کی بنا پر اس کے متعلق رشک کرنے کی اس قدر شدید تاکید ہو۔[1]

ب: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو آگاہ فرمایا، کہ دو خصلتوں کے سوا کوئی اور خصلت اس قابل نہیں، کہ کوئی شخص اس کی بنا پر کسی پر رشک کرے اور وہ دو خصلتیں یہ ہیں:

لوگوں کے ساتھ علم اور مال کے ساتھ احسان کرنا[یعنی انہیں علم سکھلانا اور مال دینا]ان دو کے مقابلے میں دیگر باتوں میں لوگوں کا فائدہ معمولی اور تھوڑا ہے۔[2]

ج: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا: ان دو کاموں کے علاوہ کسی اور بات میں ان سے عظیم یا اعلیٰ رشک نہیں۔"[3]

۴:لفظ[حسد]استعمال کرنے کی حکمت:

رشک کی بجائے لفظ[حسد]استعمال کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام طیبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

ان دو نعمتوں کے بارے میں لفظ[حسد]استعمال کرنے سے مقصود یہ ہے، کہ اگر ان کے حصول کی خاطر قابلِ مذمت طریقہ اختیار کرنا بھی پڑے، تو کر لیا جائے اور جب ان کی اہمیت اور حیثیت اس قدر زیادہ ہے، تو پھر قابلِ تعریف انداز سے[ان کے حصول کی کوشش]کیسی[عظمت والی]ہو گی؟

یہ دونوں خصلتیں سب باتوں سے زیادہ بلند و بالا اور قدر و منزلت والی ہیں اور جس شخص میں یہ دونوں صفات جمع ہو جائیں، وہ بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔[1]

۵: صحیح ابن حبان میں عنوانِ حدیث:

امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[ذِكْرُ إِبَاحَةِ الْحَسَدِ لِمَنْ أُوتِيَ الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهَا النَّاسَ][2]

[اس شخص کے متعلق رشک کا جواز، جسے حکمت عطا کی گئی اور وہ لوگوں کو اس کی تعلیم دے]

٦:شرح نووی میں عنوان حدیث:

امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی تین احادیث پر، جن میں سے ایک حدیث یہی ہے، درج ذیل عنوان لکھا ہے:

[بَابُ فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ، وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً مِنْ فِقْهٍ أَوْ غَيْرِهِ، فَعَمِلَ بِهَا وَعَلَّمَهَا][3]

[اس شخص کی فضیلت کے بارے میں باب، جو قرآن پر عمل کرے اور اس کی تعلیم دے اور اس شخص کی فضیلت کے متعلق، جو حکمت یعنی دین کی سمجھ وغیرہ حاصل کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کی تعلیم دے۔]

اے مولائے رحیم و کریم! ہم ناکاروں، ہمارے اہل و عیال اور بہن بھائیوں کو ان دونوں خصلتوں کا وافر حصہ نصیب فرمائیے۔ آمین یاحي یاقیوم۔

-۸-

عباد الرحمن کی متقی لوگوں کا امام بنائے جانے کی دُعا

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ رحمن کے بندوں کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ انہیں متقی لوگوں کا امام بنائے۔

دلیل:

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾[1]

[ترجمہ:اور جو لوگ کہتے ہیں، کہ اے ہمارے رب!تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقی لوگوں کا پیشوا بنا]

آیت کریمہ سے استدلال:

حضرات مفسرین رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق عباد الرحمن یہ دعا اس لیے کرتے ہیں، تاکہ وہ لوگوں کے لیے [قدوہ] بن جائیں، لوگ نیکی کے کاموں میں ان کی پیروی کریں اور وہ ان کے برابر اجر وثواب حاصل کریں۔ ذیل میں اسی بارے میں چھ مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمایئے: ا:امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:''ہمیں امام بنا، ہم اپنے پہلے لوگوں کی اقتدا کریں اور بعد میں آنے والے لوگ ہماری پیروی کریں۔''[1]

ب:امام ابن عربی رحمہ اللہ نے تحریر کیا:''اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ سے مراد یہ ہے، کہ ہمیں قدوہ بنا۔''[2]

ج:علامہ قرطبی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:''یعنی [ہمیں] قدوہ [بنا] لوگ خیر میں ہماری اقتدا کریں۔''[3]

د:علامہ غرناطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:''یعنی نمونہ، کہ متقی لوگ ہماری اقتدا کریں۔''[4]

ھ:حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، سدی، قتادہ اور ربیع ابن انس رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ کی تفسیر میں بیان کیا: ''[ہمیں] امام [بنا]، کہ خیر کی باتوں میں ہماری اقتدا کی جائے۔''[5]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بھی تحریر کیا ہے، کہ ان کے علاوہ دیگر علمائے امت نے آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے:

"ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنادیجیے، کہ ہم دوسروں کو دعوتِ خیر دیں۔ انہوں نے اس بات کو پسند کیا، کہ ان کی عبادتوں کے ساتھ ان کی اولادوں اور آئندہ نسلوں کی عبادتیں مل جائیں اور ان کی ہدایت کا نفع دوسروں تک پہنچ جائے اور یہ بات ان کے لیے زیادہ ثواب اور بہتر انجام والی ہے۔

یہ بات صحیح مسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کردہ حدیث سے (بھی) ثابت ہے، (جس میں) انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ، أَوْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ"[1]

"جب ابن آدم فوت ہوجاتا ہے، تو تین صورتوں کے سوا اس کی نیکیوں کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے: نیک اولاد، جو اس کے لیے دعا کرے یا علم، جس کا نفع اس کے بعد ہو یا صدقہ جاریہ۔"[2]

و: شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: انہوں نے جس طرح اپنے ازواج[3] اور نسل کے لیے توفیق اور خیر کا سوال کیا، اسی طرح انہوں نے نعمتِ ایمان سے بہرہ ور ہونے کے بعد اپنے متعلق اللہ تعالیٰ سے التجا کی، کہ انہیں نمونہ خیر بنادے، تاکہ متقی لوگ ان کی پیروی کریں۔

ان کی اسی التماس میں یہ دعا بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کے قبولِ اسلام کا سبب بنائے اور لوگ ان کے ذریعے راہِ ہدایت پر آئیں۔[4]

-۹-

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی فرضیت

دعوتِ دین کی اہمیت کو واضح کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر فرض قرار دیا ہے اور یہ بات مسلمہ ہے، کہ فرائض کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے، بلکہ وہ تمام برگزیدہ کاموں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

"وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ"[1]

"جن باتوں سے بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سے کوئی چیز میرے ہاں ان اعمال سے زیادہ پسندیدہ نہیں، جو کہ میں نے اس پر فرض کیے ہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرائض سب سے محبوب اعمال ہیں۔"

علامہ طوفی رحمہ اللہ نے فرمایا: "فرائض کے ذریعے قربِ [الٰہی] کا حصول سب سے عظیم عمل ہے، کیونکہ حکم کے مطابق ان کے ادا کرنے میں تعمیلِ ارشاد، حکم دینے والے کا احترام، تابعداری کے ذریعہ اس کی تعظیم، عظمتِ ربوبیت کا اظہار اور بندگی کی ذلت کا اقرار ہے۔"[2]

فرضیتِ دعوت کے دلائل:

کتاب وسنت میں دعوت الی اللہ تعالیٰ کی فرضیت کے بہت زیادہ دلائل ہیں۔ انہی میں سے تین ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں:

ا: ارشادِ رب العالمین:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[1]

[ترجمہ: اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو، جو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں]

آیت کریمہ سے استدلال:

اس آیت کریمہ میں [صیغہ امر] کے ذریعے مسلمانوں کو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے اور صیغہ امر [لام امر] ہے، جو فعل مضارع پر داخل ہوا ہے اور وہ [ولتکن] ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "[ولتکن] میں لام [لام الامر] ہے۔"[2] شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "﴿ولتكن منكم أمة﴾ کا صیغہ وجوب کا صیغہ ہے اور یہ امر پر دلالت کرنے کے لیے (افعلوا) [3] سے زیادہ صریح ہے۔"[4] اور صیغہ امر، جیسا کہ علمائے امت نے بیان کیا ہے، وجوب پر دلالت کرتا ہے۔[1]

۲: دعوت الی اللہ تعالیٰ کی فرضیت کی دوسری دلیل امام بخاری رحمہ اللہ کی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کردہ حدیث ہے، کہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً"[2]

"اگر میری طرف سے تمہیں ایک آیت بھی پہنچے، تو اسے [دوسروں تک] پہنچا دو۔"

حدیث شریف سے استدلال:

اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو یہ حکم دیا ہے، کہ دین کی جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان تک پہنچے، وہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں، اگرچہ وہ بات صرف ایک آیت ہی ہو۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح حدیث میں تحریر کیا ہے: ''وَلَوْ آيَةً'' یعنی ظاہری علامت، یہ بات بطور مبالغہ ارشاد فرمائی گئی اور اس سے مقصود یہ ہے، کہ تم تک میری طرف سے پہنچنے والی بات کوئی عمل ہو یا اشارہ یا اسی طرح کی کوئی اور بات بھی ہو (تم اسے آگے نقل کر دو)۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں (اگرچہ ایک آیت ہی ہو) فرمایا، تاکہ ہر سننے والا جو سنے، خواہ وہ بات کتنی تھوڑی ہو، فوراً آگے نقل کر دے، تاکہ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا سارا دین امت تک منتقل ہو جائے۔''[1]

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے حوالے سے ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث کی بجائے آیت قرآنی کے پہنچانے کا ذکر فرمایا، تاکہ لوگوں کے لیے یہ حقیقت واضح ہو جائے، کہ جب قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے لینے کے باوجود اس کے دوسروں تک پہنچانے کی تاکید اس قدر شدید ہے، تو احادیث کو پہنچانے کی تاکید کس قدر زیادہ ہو گی۔[2]

۳: دعوت الی اللہ تعالیٰ کی فرضیت کے بارے میں ایک اور دلیل وہ حدیث ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟" ''کیا تمہیں معلوم ہے، کہ یہ کون سا دن ہے؟''

-یہاں تک- کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" ''کیا میں نے پیغام (الٰہی) پہنچا دیا ہے؟'' قَالُوا: "نَعَمْ" ''انہوں نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' آپ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ"[3]

''اے اللہ! گواہ ہو جائیے۔ (یہاں) موجود شخص غیر حاضر کو پہنچا دے۔

کتنے لوگ، جنہیں بات پہنچائی جاتی ہے، خود سننے والوں سے بات زیادہ سمجھنے والے ہوتے ہیں۔''

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ سننے والوں کو حکم دیا، کہ وہ اسے غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔

حدیث شریف کے متعلق قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہما:

ایک دوسری روایت میں ہے، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّهَا لَوَصِيَّتُهُ إِلٰى أُمَّتِهِ: ''فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ"[1]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو یہی وصیت ہے، کہ:''

موجود لوگ غیر حاضر لوگوں تک [آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات] پہنچادیں۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے، کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا [امت کو وصیت] سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری ارشاد گرامی: "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" تھا۔[2]

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تاکید کی غرض سے قسم کھا کر بات کی ابتداء کی۔[3]

فوائد حدیث بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے:

''حدیث سے معلوم ہونے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ علمِ دین کی تبلیغ فرضِ کفایہ ہے اور بعض لوگوں کے حق میں فرضِ عین ہو جاتی ہے۔''[1]

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے دعوتِ دین کو امت پر فرض قرار دیا ہے اور بلاشک وشبہ یہ بات اس کی شان وعظمت اور رفعت ومنزلت پر دلالت کرتی ہے۔

-۱۰-

بہترین امت ہونے کا ایک سبب دعوتِ دین

اللہ عزوجل نے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین امت قرار دیا ہے۔ امت کے اس اعزاز کو پانے کے اسباب میں سے ایک یہ بیان فرمایا، کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

اس بات کے بعض دلائل:

اس بات کے دلائل میں سے تین درج ذیل ہیں:

۱: ارشاد رب العالمین:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾[1]

[ترجمہ: تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے، کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو]

آیت کریمہ سے استدلال:

اس آیت کریمہ میں مولائے کریم نے یہ بیان فرمایا ہے، کہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[خیر الامم][2] ہے اور اس عظیم الشان مقام و مرتبہ پانے کا سبب یہ ہے، کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاتی ہے۔ اس بارے میں ذیل میں چار علمائے امت کے اقوال ملاحظہ فرمایئے:

ا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾کی تفسیر میں بیان فرمایا: "خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ، تَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ، حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ "[3]

"(تم) لوگوں کے لیے بہترین لوگ (ہو)، تم انہیں گردنوں میں زنجیریں ڈالے لاتے ہو، یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔"

ب: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا: "تم اس شرط کے پورا کرنے کی صورت میں بہترین امت ہو، کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔"[1]

ج: قاضی ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لیے یہ مقرر کردہ شان و عظمت وہ حاصل کرتا ہے، جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی شرائط پوری کرتا ہے۔"[2]

د: علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: "جان لو، کہ یہ نئی بات ہے اور اس کا مقصود امت کے خیر الامم ہونے کی علّت بیان کرنا ہے، جس طرح، کہ تم کہتے ہو:

زید سخی ہے، لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے، انہیں پہناتا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے کام کرتا ہے[3]۔"[4]

۲: ارشادِ ربانی: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾[5]

[ترجمہ: اور ہم نے اسی طرح تمہیں بہترین امت بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں]

آیت کریمہ سے استدلال:

اس آیت کریمہ میں مولائے عزوجل نے اس بات کی خبر دی ہے، کہ اس نے امت اسلامیہ کو بہترین امت بنایا، تاکہ وہ دوسری امتوں پر دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے گواہی دیں، جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کی خاطر ان پر گواہ ٹھہرایا گیا۔

اس بارے میں ذیل میں دو مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

ا: شیخ قاسمی رحمہ اللہ نے آیت کریمہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے:

"اس آیت کی مانند ارشادِ [باری] تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ [یعنی اور اسی طرح تمہیں بہترین امت بنایا]

﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ] امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ۔"[1]

شیخ قاسمی نے یہ بھی لکھا ہے: آیت کی [تفسیر] میں مجاہد رحمہ اللہ کا بیان بھی اس معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے: [ان کا بیان ہے]: تاکہ تم دیگر امتوں یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں کے خلاف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گواہ بن جاؤ۔"[2]

اور تم یہ گواہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی حقانیت کے متعلق اس طرح دو، کہ لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دو، نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دعوت کی روح اور جان ہے۔[1]

ب: شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: اور [اَلنَّاسِ][2] کا لفظ عام ہے اور اس سے مراد گزشتہ اور موجودہ سب امتوں کے لوگ ہیں اور آیت کریمہ میں مذکورہ شہادت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔ دنیا میں تکمیلِ شہادت کے تقاضوں میں سے ایک بات یہ ہے، کہ دوسری امت کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، تاکہ یہ دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے قائم مقام ہو جائے اور اعراض کرنے والوں کے خلاف اہلِ ایمان کی گواہی پوری ہو جائے۔[3]

۳: اسی بارے میں ایک اور دلیل وہ حدیث ہے، جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت درّہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ: "ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔

اس شخص نے دریافت کیا: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟" "یارسول اللہ! لوگوں میں سے سب سے اچھا کون ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"خَيْرُ النَّاسِ أَقْرَؤُهُمْ، وَأَتْقَاهُمْ، وَآمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَأَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ "[4]

"بہترین شخص وہ ہے، جو سب سے زیادہ قرآن کریم پڑھے، سب سے زیادہ متقی ہو، سب سے زیادہ نیکی کا حکم دینے والا، سب سے زیادہ برائی سے روکنے والا اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔"

اس حدیث میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی خبر دی ہے، کہ سب سے زیادہ نیکی کا حکم دینا اور سب سے زیادہ برائی سے روکنا ان اوصفِ حمیدہ میں سے ہے، جن کی وجہ سے بندہ بہترین لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

مولائے کریم اپنے فضل وعنایت سے ہم سیاہ کاروں کو ایسے لوگوں میں شامل فرمائے۔ آمین یا ذالجلال والإکرام۔

-۱۱-

حصولِ کامیابی کی ایک شرط دعوتِ دین

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی رفعت ومنزلت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی اور کامرانی کی شرائط میں سے ایک شرط قرار دیا ہے۔

اس بات کے بعض دلائل:

کتاب وسنت کی متعدد نصوص اس بات پر دلالت کناں ہیں۔

انہی میں سے چار درج ذیل ہیں:

۱: ارشادِ ربانی:

﴿وَالْعَصْرِ ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[1]

[ترجمہ: زمانے کی قسم! یقیناً تمام انسان البتہ بہت بڑے خسارے میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی]

سورت سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس بات کی خبر دی ہے، کہ تمام لوگ بہت بڑے خسارے میں ہیں اور اس خسارے سے صرف وہی لوگ بچیں گے، جن میں چار اوصاف ہیں:

ایمان، عملِ صالح، حق بات کی وصیت کرنا، صبر کی وصیت کرنا۔ اور تیسرے وصف [حق بات کی وصیت کرنا] سے مراد نیک اعمال کرنے کا حکم دینا اور ناجائز کاموں سے روکنا ہے۔[2] علمائے امت نے اس سورت کی تفسیر میں اس حقیقت کو خوب آشکارا کیا ہے۔

ذیل میں ان کے کچھ اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں:

ا: امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے کہا:

''﴿وَالْعَصْرِ﴾[3] ہمارے رب تبارک و تعالیٰ نے قسم کھائی ہے ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾[1] انہوں نے بیان فرمایا، کہ سارے انسان [خسارے میں ہیں]، پھر استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا﴾[2]

پھر بات کو یہیں ختم نہیں کیا، یہاں تک کہ فرمایا ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾[3] پھر بات کو یہاں ختم نہیں کیا، بلکہ فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾[4] پھر بات کو اسی مقام پر نہیں چھوڑا، بلکہ مزید فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[5] اور یہ چاروں شرطیں [خسارے سے بچاؤ کے لیے] ان پر مقرر کی ہیں۔''[6]

ب: قاضی ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

''جو شخص زندگی بھر حق و صبر کی تلقین کرتا رہے اور خود بھی اس کے مطابق عمل کرے، وہ تو خسارے میں نہیں اور [ایسے شخص نے] اپنے لیے ساری خیر کو جمع کرلیا۔'' [7]

ج: علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اس میں شدید وعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے، کہ وہ خسارے میں ہیں، سوائے اس شخص کے جس میں چار باتیں ہوں: ایمان، عملِ صالح، حق بات کی وصیت کرنا، صبر کی وصیت کرنا اور یہ سورت اس بات پر دلالت کناں ہے، کہ نجات ان چاروں باتوں کے اکٹھے ہونے سے وابستہ ہے۔ جس طرح ہر مکلف شخص اپنے لیے کچھ اعمال کرنے کا پابند ہے، اسی طرح دوسرے لوگوں کے کچھ واجبات بھی اس کے ذمہ ہیں اور انہی میں سے: [انہیں دین کی دعوت دینا، نصیحت کرنا، نیکی کا حکم دینا، بدی سے روکنا اور ان کے لیے وہی پسند کرنا، جو اپنے لیے پسند کرے] شامل ہیں۔'' [1]

د: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اس [یعنی زمانے] کے ساتھ قسم کھائی ہے، کہ یقیناً انسان خسارے اور بربادی میں ہے

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خسارے سے مستثنیٰ قرار دیا، جو اپنے دلوں کے ساتھ ایمان لائے اور جوارح کے ساتھ اعمال کیے۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ نیکیوں کے کرنے کا حکم دیا اور محرّمات سے بچنے کی تلقین کی ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور مصائب، آفات اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنا پر آنے والی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین کی۔'' [2]

اعمال صالحہ پر[تواصي بالحق]اور[تواصي بالصبر]کے عطف کی حکمت:

[تواصي بالحق]اور[تواصي بالصبر]دونوں اعمال صالحہ میں شامل ہیں، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کے ذکر کرنے کے بعد ان دونوں کا ذکر فرمایا۔اس کی حکمت کی بارے میں ذیل میں دو مفسرین کی تحریریں ملاحظہ فرمایئے:

ا:شیخ محی الدین شیخ زادہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "[تواصي بالحق]اور[تواصي بالصبر]کا اعمالِ صالحہ میں شامل ہونے کے باوجود الگ مستقل طور پر ذکر کرنا،ان دونوں کی شان وعظمت آشکارا کرنے کے لیے ہے۔"[3]

ب:شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"[تواصي بالحق]اور[تواصي بالصبر]کا اعمالِ صالحہ پر عطف[عام پر خاص کے عطف]کے ضمن میں آتا ہے اور اس کا مقصود ان دونوں کی اہمیت کو نمایاں کرنا ہے،کیونکہ بسا اوقات اس خیال کی بنا پر،کہ عمل صالح تو وہ ہے،جو بندہ خود کرے،ان دونوں سے غفلت برتی جاتی ہے،اس عطف کے ساتھ اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے،کہ مسلمان کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے،کہ وہ دوسروں کی رہنمائی کرے،ان کو دعوتِ دے،حقائقِ ہدایت کی تعلیم دے اور صحیح عقائد سمجھائے۔[1]

۲:دعوت دین کے کامیابی کے شرائط میں سے ہونے کی دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[2]

[ترجمہ:اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو،جو بھلائی کی طرف دعوت دے،نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں]

آیت کریمہ سے استدلال:

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین صفات کا ذکر فرمایا ہے:دعوت الی الخیر،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور پھر اس بات کی خبر دی،کہ ان تینوں صفات والے ہی کامیاب وکامران ہیں۔

علامہ قاسمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "یعنی﴿وَاُولٰٓئِكَ﴾یعنی دعوت دینے والے،نیکی کا حکم دینے والے،برائی سے روکنے والے﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾وہ اپنے اعمال اور اپنے پیروکاروں کے اعمال کے اجر وثواب کے ساتھ کامیاب ہیں۔" [1]

﴿اَلْمُفْلِحُوْنَ﴾سے مراد:اس سے مراد... جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے... وہ لوگ ہیں،جنہوں نے اپنی مراد کو پالیا اور جس چیز سے بھاگے،اس کے شر سے نجات حاصل کرلی۔[2]

دعوتِ دین کے شرائط کامیابی میں سے ہونے کی تاکید:

اس کے متعلق ایک بات یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی کو دعوتِ خیر دینے والوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کے ساتھ مختص کردیاہے اور اس کی دلیل یہ ہے، کہ آیت کریمہ میں ﴿أُولَٰئِكَ﴾ مبتدا اور ﴿ٱلْمُفْلِحُونَ﴾ خبر کے درمیان ضمیر فصل ﴿هُمُ﴾ لائی گئی ہے اور یہ ضمیر اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ [ٱلْفَلَاح] آیت کریمہ میں مذکورہ تینوں کام کرنے والے لوگوں کے ساتھ مختص ہے۔

اس بارے میں علمائے امت کی تصریحات میں سے تین درج ذیل ہیں:

ا: علامہ ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے تحریر کیاہے: "اس [آیت شریفہ] میں یہ بیان کیا گیاہے، کہ کامیابی اور کامرانی مذکورہ بالا صفات والے لوگوں کے ساتھ مختص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾" [1]

ب: قاضی ابو سعود رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "[ہم] ضمیر فصل ہے، جو کہ خبر اور صفت کے درمیان تمیز کرتی ہے، نسبت کی تاکید کرتی ہے اور مسند کے مسند الیہ کے ساتھ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔" [2]

ج: علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے لکھاہے: "﴿هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾ یعنی کامیابی انہی کے ساتھ مختص ہے۔" [3]

کامیاب لوگوں میں شامل حضرات:

اس بارے میں شیخ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ نے تحریر کیاہے: "اس گروہ میں علم و تعلیم سے منسلک حضرات، خطباء اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والے، لوگوں کو نمازیں قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور دیگر شرعی امور سرانجام دینے کا حکم دینے اور برائیوں سے منع کرنے والے محتسب حضرات شامل ہیں۔ ہر وہ شخص جو دعوتِ خیر دے، خواہ اس کی دعوت عام لوگوں کے لیے ہو یا خاص لوگوں کے لیے، اس کی نصیحت عام ہو یا خاص، اس آیت کریمہ میں داخل ہے۔" [4]

۳: دعوتِ دین کا کامیابی کی شرائط میں سے ہونے کی تیسری دلیل ارشادِ رب العالمین ہے:

﴿وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ أُولَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ ٱللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ﴾[1]

[اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔

یہی لوگ ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب کمال حکمت والا ہے۔ ان ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے [ایسی] جنتوں کا وعدہ فرمایا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ محلات کا، جو کہ ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی [ان] سب سے بڑی [چیز] ہے، یہی زبردست کامیابی ہے۔]

آیت کریمہ سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کریمہ میں درج ذیل پانچ صفات ذکر فرمائی:

۱: اہل ایمان کا دوست ہونا۔

۲: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل سر انجام دینا۔

۳: نماز قائم کرنا۔

۴: زکوٰۃ ادا کرنا۔

۵: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا۔

اور ان صفات والوں سے درج ذیل دو وعدے فرمائے:

ا: دنیا میں انہیں اپنے فضل و رحمت سے نوازے گا اور اس کا ذکر بایں الفاظ فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[1]

ب: آخرت میں انہیں جنتوں میں داخل فرمائے گا اور ان پر راضی ہو جائے گا اور اس کا بیان بایں الفاظ کیا گیا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾[2]

پھر مولائے کریم نے یہ بات بتلائی، کہ مذکورہ بالا پانچ صفات والے اہل ایمان کا دنیا و آخرت میں یہ اجر و ثواب حاصل کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے اور یہ بات بایں الفاظ بیان کی گئی: ﴿ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾[3]

اسی بارے میں قاضی ابو سعود رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "﴿ذٰلِکَ﴾ کے ساتھ مذکورہ بالا اجر و ثواب کی طرف اشارہ ہے اور ﴿ذٰلِکَ﴾ میں دوری کا معنی ان کو ملنے والے اجر و ثواب کی عظمت اور فخامت پر دلالت کناں ہے۔

﴿ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ [وہی عظیم کامیابی ہے] دنیوی سازو سامان کا حاصل ہو جانا، جنہیں لوگ کامیابی شمار کرتے ہیں، کامیابی نہیں، کیونکہ وہ سب چیزیں فانی اور زوال پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ آخرت کی معمولی سی نعمت کے مقابلے میں مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔" [1]

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ﴿ہُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: "(یہ عظیم کامیابی اس لیے ہے)، کیونکہ انہوں نے اپنی ہر مراد کو حاصل کر لیا، ہر ناپسندیدہ چیز ان سے دور ہوگئی اور ان کے سارے معاملات عمدہ اور بھلے ہوگئے۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے التجا ہے، کہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمادے۔" [2] آمین یا حي یا قیوم۔

۴: دعوت الی اللہ تعالیٰ کے نجات پانے اور کامیابی کے حصول کی شرائط میں سے ہونے کی چوتھی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرات ائمہ احمد، بخاری اور ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَثَلُ الْمُدْہِنِ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَھَمُوْا سَفِیْنَۃً، فَصَارَ بَعْضُھُمْ فِيْ أَسْفَلِھَا، وَصَارَ بَعْضُھُمْ فِيْ أَعْلَاھَا، فَکَانَ الَّذِيْ فِيْ أَسْفَلِھَا یَمُرُّوْنَ بِالْمَاءِ عَلَی الَّذِیْنَ فِيْ أَعْلَاھَا، فَتَأَذَّوْا بِہٖ، فَأَخَذَ فَأْسًا، فَجَعَلَ یَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِیْنَۃِ، فَأَتَوْہُ، فَقَالُوْا: "مَالَکَ؟" قَالَ: "تَأَذَّیْتُمْ بِيْ، وَلَا بُدَّ لِيْ مِنَ الْمَاءِ۔" فَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ أَنْجَوْہُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَھُمْ، وَإِنْ تَرَکُوْہُ أَھْلَکُوْہُ وَأَھْلَکُوْا أَنْفُسَھُمْ" [1]"

اللہ تعالیٰ کی حدود میں مداہنت کرنے والے اور ان میں واقع ہونے والے کی مثال لوگوں کی ایک ایسی جماعت کی طرح ہے، کہ انہوں نے کشتی میں [اپنی اپنی جگہ کے تعین کی خاطر آپس میں] قرعہ اندازی کی۔ کچھ لوگوں کو نچلی منزل میں جگہ میسر آئی اور بعض کو بالائی منزل میں۔

نچلی منزل والے پانی لینے کی غرض سے بالائی منزل والوں کے پاس سے گزرتے، تو وہ تنگی محسوس کرتے۔

اس [نچلی منزل والوں میں سے ایک شخص] نے کلہاڑا پکڑا اور کشتی کی زیریں جانب سوراخ کرنا شروع کر دیا۔

وہ [بالائی منزل والے] اس کے پاس آئے اور کہنے لگے] "تجھے کیا ہوا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "تم نے میری وجہ سے اذیت محسوس کی ہے اور میرا پانی کے بغیر گزارہ نہیں۔"

پس اگر انہوں نے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا(یعنی کشتی میں سوراخ کرنے سے روک دیا)،تو انہوں نے اسے [غرق ہونے سے]بچالیااور اپنے آپ کو بھی بچالیااور اگر انہوں نے اسے چھوڑ دیا،تو انہوں نے اسے ہلاک کر دیااور خود اپنی جانوں کو بھی برباد کر دیا۔"

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

"فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ ،فَمَنَعُوهُمْ ،نَجَوْا جَمِيعًا،وَإِنْ تَرَكُوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا" [1]

"اگر انہوں نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر انہیں منع کر دیا،تو سارے نجات پا جائیں گے اور اگر انہیں چھوڑ دیا،تو سارے غرق ہو جائیں گے۔"

شرح حدیث:

ا:امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدود اللہ میں مداہنت کرنے والے کو بالائی منزل والوں کے ساتھ اور انہیں توڑنے والے کو نچلی منزل والوں سے تشبیہ دی ہے،حدود اللہ کی بے حرمتی کرنے کو کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

انہیں روکنے کو ان کے ہاتھوں کو تھامنے اور کشتی میں سوراخ کرنے سے باز کرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔دونوں کے لیے اس روکنے کے فائدے کو فریقین کے غرق ہونے سے بچنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔[حدود اللہ پامال کرنے والے کے]چھوڑنے کو سوراخ کرنے والے کو چھوڑنے سے تشبیہ دی ہے۔مداہنت کرنے والوں کے نہ روکنے کے گناہ کو دونوں گروہوں کی تباہی وبربادی سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ تباہی وبربادی سے نجات پانے اور کامیابی کے حصول کی شرائط میں سے ایک بات یہ ہے، کہ فساد بپا کرنے والے کو فساد سے روکا جائے،وگرنہ نیک لوگ بھی اس کے ساتھ ہی ہلاک ہو جائیں گے۔

ب:علامہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

"حدیث کا معنی یہ ہے، کہ اگر لوگوں نے فاسق کو فسق سے روکا،تو عذاب الٰہی سے فاسق اور دوسرے لوگ بچ جائیں گے اور اگر انہوں نے اسے گناہ ہی میں رہنے دیا اور اس پر حد قائم نہ کی،تو ان پر عذاب نازل ہو گا اور وہ اس[کے گناہ]کی نحوست کے سبب ہلاک ہو جائیں گے اور ارشاد باری تعالیٰ:﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً﴾[2]

سے بھی یہی مراد ہے۔" [3]

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ متعدد نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تباہی وبربادی سے بچاؤ اور کامیابی کے حصول کے لیے دعوت الی اللہ تعالیٰ ایک بنیادی شرط ہے،اور یہ بات بلاشبہ دعوت دین کی شان وعظمت کو اجاگر کرتی ہے۔

-۱۲-

نصرتِ امت کا سبب دعوتِ دین

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، کہ کسی کی مدد اسباب کے ساتھ کرے یا ان کے بغیر، لیکن اس نے اپنی حکمت کی بنا پر امت کی نصرت کو کچھ اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔

انہی اسباب میں سے ایک یہ ہے، کہ امت اپنے رب تعالیٰ کے دین کی دعوت و جہاد کے ذریعے مدد کرے اور رب قدوس ان کی مدد کرے اور یہ بات بلاشک وشبہ دعوت کی قدر و منزلت اجاگر کرتی ہے۔

اس بات کے دلائل:

اس بارے میں متعدد دلائل میں سے دو درج ذیل ہیں:

ا: ارشادِ ربانی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾[1]

[اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرو گے، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا] **آیت کریمہ کی تفسیر:** علمائے امت نے آیت کریمہ کی تفسیر میں اس بات کو خوب وضاحت سے بیان کیا ہے۔

ذیل میں ان میں سے تین کے اقوال پیش کیے جا رہے ہیں: ا: علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

"اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے، تو وہ کافروں کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ان پر فتح نصیب فرمائے گا۔" [1]

ب: شیخ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے، کہ وہ اقامتِ دین، اس کی طرف دعوت اور اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد کریں اور ان کی اس ساری کد و کاوش کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

اگر انہوں نے ایسے کیا، تو وہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا، یعنی صبر و طمانیت اور استقلال کے ساتھ ان کے دلوں کو تقویت بخشے گا، ان کے جسموں کو قوتِ صبر سے نوازے گا اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔

سچے وعدے والے رب کریم کا وعدہ ہے، کہ جو بھی اپنے اقوال وافعال کے ذریعے اس کی مدد کرے گا، وہ ضرور اس کی مدد کرے گا اور نصرت و تائید کے اسباب، ثابت قدمی وغیرہ اس کے لیے آسان کردے گا۔" [2]

ج: شیخ شنقیطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"اہل ایمان کے اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے سے مراد یہ ہے، کہ وہ اس کے دین اور کتاب کی مدد کریں، اس کے کلمہ کی سربلندی، احکام کی تعمیل، نواہی سے اجتناب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ شریعت کی لوگوں پر حکمرانی کی خاطر سعی و کوشش اور جہاد کریں۔" [3]

۲: دعوتِ دین کے نصرتِ امت کے اسباب میں سے ہونے کی دوسری دلیل رب ذوالجلال کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾[1]

[ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ (بھی) ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑے غلبے والا ہے]

تفسیر آیت کریمہ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ﴿وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، جو اس کے نبی اور دین کی مدد کرے گا۔[2]

نصرتِ الٰہی کے وعدے کے متعلق تنبیہات:

اس آیت کریمہ کے حوالے سے دین کی مدد کرنے والوں کے لیے نصرتِ الٰہی کے وعدے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے درج ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

ا: یہ وعدہ اس مولائے کریم کی طرف سے ہے، جو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اس نے خود اپنے متعلق فرمایا:

﴿وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ﴾[3]

[ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا] ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾[4]

[ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا] یہ تو اس رحمن ورحیم رب کا وعدہ ہے، جو قول و گفتار میں سب سے زیادہ سچا ہے۔

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾[1] [ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہو گا؟]

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾[2] [ترجمہ: یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ، جو سراسر سچا ہے اور کون ہے، جو اپنی بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو؟] یہ تو اس قادر مطلق کا وعدہ ہے، جو اپنا عہد کو سب سے زیادہ پورا کرنے والا ہے۔

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾[3] [ترجمہ: اور کون ہے، جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنا عہد کو پورا کرنے والا ہو؟]

یہ تو اس رب ذوالجلال کا وعدہ ہے، جس کا وعدہ حق وصدق کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اس نے خود ہی فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾[4] [ترجمہ: یاد رکھو، کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے] ب: اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کی تاکید [لام تاکید] سے فرمائی۔

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ میں ﴿لَيَنْصُرَنَّ﴾ کے شروع والا [لام] لام توکید ہے اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق یہ جملہ حذف شدہ قسم کا جواب ہے اور آیت کریمہ کا معنی یہ ہے: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس کی مدد ضرور کرے گا، جو اس کی مدد کرے گا۔[1]

اور جیسا کہ مسلمہ بات ہے، کہ قسم کھانے سے بات کی تاکید ہوتی ہے۔

ہمارے مولائے کریم کا تاکید کے بغیر بھی وعدہ قطعی، اٹل اور حتمی ہوتا ہے۔ پھر جب اس کے ساتھ قسم ہو، تو وہ کس قدر پختہ، ٹھوس اور مضبوط ہوگا؟ ج: بسا اوقات وعدہ کرنے والا شخص ایفائے عہد کا پختہ عزم رکھتا ہے، لیکن کسی رکاوٹ کی بنا پر اسے پورا نہیں کر پاتا، لیکن اللہ تعالیٰ وہ ہے، کہ اس کے ارادے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اس نے خود فرمایا: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾[2] [ترجمہ: جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾[3]

[ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ، جو ارادہ کرے، اسے کر کے رہتا ہے] ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[4]

[یقیناً اس کی شان تو یہ ہے، کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، تو اسے اتنا فرما دیتا ہے، کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے]

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾[5] [ترجمہ: درحقیقت اللہ تعالیٰ، جو چاہے، حکم کرتا ہے۔]

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾[1] [ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے، کوئی اس کا حکم ٹالنے والا نہیں۔]

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾[2] [ترجمہ: وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے روبرو) جواب دہ ہیں] اللہ تعالیٰ نے نصرت دین کرنے والے لوگوں کی مدد کے متعلق اپنا وعدہ ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑے غلبے والا ہے] اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ساتھ ان تمام شکوک و شبہات اور احتمالات کی بیخ کنی فرمادی، جو وعدہ الٰہی کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹوں کے متعلق ذہنوں میں پیدا ہو سکتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ سب سے قوی اور سب پر غالب ہے، تو ان کے وعدے کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ کیسے بن سکتا ہے؟

قاضی ابو سعود رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

''﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مراد پوری کرنے پر قوی ہے اور اس کی مراد میں سے یہ بھی ہے، کہ نصرتِ دین کرنے والوں کی مدد کی جائے (عَزِيزٌ) کوئی اس کے ارادے کی تکمیل کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی رکاوٹ بن سکتا ہے۔'' [3]

د: دنیا نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو پورا ہوتے دیکھا۔

سلف صالحین نے رب ذوالجلال کے دین کی مدد کی، تو اس نے انہیں سرفراز اور سربلند کیا اور ان کے دشمنوں کو ذلیل اور خوار کیا۔

قاضی ابو سعود رحمہ اللہ نے اس بارے میں تحریر کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کی تکمیل فرمائی، مہاجرین اور انصار کو عرب کے سرداروں، عجم کے کسراؤں، روم کے قیصروں پر غالب فرمایا اور سب کی زمینوں اور گھروں کا انہیں مالک بنادیا۔'' [1]

اور اگر آج مسلمانانِ عالم اپنے رب کریم کے دین کی مدد کریں گے، تو وہ ضرور ان کی نصرت و تائید فرمائے گا۔ انہیں دنیا میں غلبہ و اقتدار عطا فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کو ذلیل اور خوار کرے گا۔ اے مولائے رحمن و رحیم! امت کو اپنے دین حق کی خدمت کی توفیق عطا فرمایئے اور امت کو اس ذلت اور رسوائی سے نجات دیجیے، جو مشرق و مغرب میں اس پر مسلط ہو چکی ہے۔ آمین یا ذا الجلال والإکرام۔

-۱۳-

اللہ تعالیٰ اور مخلوق کا معلّمِ خیر پر درود

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ مالک الملک، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر درود بھیجتے ہیں۔

اس بات کی دلیل: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

''ذُكِرَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ: أَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالآخَرُ عَالِمٌ۔''

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو دو اشخاص کا ذکر کیا گیا: ایک عابد اور دوسرا عالم۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَضْلُ الْعَالِمِ [1] عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ "

"عالم کی عابد پر اسی طرح فضیلت ہے، جس طرح تم میں سے سب سے کم حیثیت والے شخص پر میری فضیلت ہے۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالأَرَضِينَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا، وَحَتَّى الْحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ" [2]

"یقیناً اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے، یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر درود بھیجتی ہے۔"

حدیث شریف کے حوالے سے آٹھ باتیں:

اس بارے میں ذیل میں آٹھ باتیں پیش کی جا رہی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

ا: عابد پر عالم کی فضیلت کا سبب:

اس حدیث شریف سے عابد پر عالم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے، کہ عبادت گزار کا نفع اس کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے اور عالم کا فیض اس کی اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی شرح میں تحریر کیا ہے:

"[إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ] نیا جملہ ہے اور یہ عالم اور عابد کے درمیان عظیم فرق کو بیان کرتا ہے۔

عابد کا نفع اس کی ذات تک محدود رہتا ہے اور عالم کا نفع مخلوقات تک پہنچتا ہے، یہاں تک کہ چیونٹی بھی اس سے فیض یاب ہوتی ہے۔" [1]

۲: اللہ تعالیٰ کے درود کے معانی:

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر درود کے علمائے امت نے ایک سے زیادہ معانی بیان کیے ہیں۔ ان میں سے تین معانی درج ذیل ہیں:

ا: فرشتوں کے روبرو ان کی تعریف کرنا:

امام ابو العالیہ رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

"صَلَاةُ اللّٰهِ ثَنَاؤُهُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ" [2]

"اللہ تعالیٰ کا درود یہ ہے، کہ وہ فرشتوں کے روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔"

اللہ اکبر! اس بندے کی شان و عظمت کے کیا کہنے، کہ رب العالمین فرشتوں کے سامنے اس کی تعریف فرمائے اور وہ عمل کس قدر عالی مرتبت ہو گا، جس کی بدولت بندہ خاکی اس عظیم الشان اعزاز کا مستحق قرار پائے!

ب: بندے کا تزکیہ فرمانا:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "وَصَلَاةُ اللّٰهِ لِلْمُسْلِمِيْنَ هُوَفِي التَّحْقِيْقِ تَزْكِيَتُهُ إِيَّاهُمْ" [1]

"یقیناً مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے درود کا معنی یہ ہے، کہ وہ ان کا تزکیہ فرمادیتا ہے۔"

وہ شخص کتنے بخت والا ہے، کہ اس کا تزکیہ علیم و خبیر رب ذوالجلال فرمادے اور اس تزکیہ کا سبب بننے والے عمل کی شان و عظمت بارگاہ الٰہی میں کس قدر ہو گی!

ج: بندوں پر رحمت نازل فرمانا:

امام ابوعبیدہ قاسم بن سلام ہروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "فَهُوَ مِنَ اللّٰهِ الرَّحْمَةُ" [2]

"وہ [درود] اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہے۔"

۳: مخلوق کے درود سے مراد:

تعلیمِ خیر دینے والے پر فرشتوں اور دیگر مخلوق کے درود بھیجنے سے مراد یہ ہے، کہ وہ اس کے گناہوں کی معافی کا سوال کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"وَمِنَ الْمَلَائِكَةِ هِيَ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ، كَمَا هِيَ مِنَ النَّاسِ" [1]

"فرشتوں کی جانب سے اس [درود] سے مقصود ان کا دعا اور استغفار کرنا ہے، جس طرح کہ لوگوں کی طرف سے بھی اس [درود] سے یہی مراد ہے۔"
اس معنی کی تاکید اس حدیث سے ہوتی ہے، جسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مُعَلِّمُ الْخَيْرِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْبِحَارِ" [2]

"خیر کی تعلیم دینے والے کے لیے ہر چیز استغفار کرتی ہے، حتیٰ کہ سمندروں میں مچھلیاں بھی۔"

۴: فرشتوں کا حکمِ الٰہی سے درود بھیجنا:

یہ بات مسلمہ ہے، کہ فرشتے امرِ الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾[1] [ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں [فرشتوں کو] جو حکم دیتا ہے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے، [بلکہ] جو حکم دیا جاتا ہے، بجالاتے ہیں] تو جب فرشتوں کی معلّمِ خیر کے لیے دعا ربِ عزوجل کے حکم سے ہے، تو پھر ان شاء اللہ اس کی قبولیت میں شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔[2]

۵: چیونٹی اور مچھلی کے ذکر کا سبب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بری مخلوقات میں سے چیونٹی اور بحری مخلوقات میں سے مچھلی کا ذکر فرمایا اور شاید اس میں یہ اشارہ ہے، کہ تعلیمِ خیر دینے والے پر درود بھیجنے میں برّی اور بحری سب مخلوقات شریک ہوتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی "حَتّٰی النَّمْلَۃَ فِی جُحْرِہَا، وَحَتَّی الْحُوتَ "کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: ان دونوں (چیونٹی اور مچھلی) کا ذکر خشکی اور پانی کی ساری مخلوقات کو شریک کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔[3]

٦: مخلوق کا حکمِ الٰہی سے درود بھیجنا:

برّی اور بحری مخلوقات تعلیمِ خیر دینے والے کے لیے دعا اپنی مرضی سے نہیں کرتی، بلکہ اللہ مالک الملک کے حکم سے کرتی ہیں اور جب صورت حال یہ ہو، تو ان کی دعاؤں کی قبولیت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی

-۷-

: مخلوق کے درود کی حکمت:

تعلیمِ خیر دینے والے پر آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کے درود بھیجنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

جب معلّمِ خیر کی تعلیم مخلوق کی نجات، سعادت اور ان کے تزکیہ نفوس کا سبب بنی، تو اللہ تعالیٰ نے اسی جنس اور قسم کا صلہ عطا فرمایا، کہ اسے اپنے، اپنے فرشتوں اور اہل زمین کے درود کا مستحق قرار دیا، جو کہ اس کے لیے موجبِ نجات، باعثِ سعادت اور سببِ فلاح بنا۔

علاوہ ازیں جس طرح معلّم خیر رب تعالیٰ کے دین اور اس کے احکام کے غلبہ کی خاطر کوشاں تھا، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی لوگوں کو خبر دینے والا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اور آسمانوں اور زمینوں والوں کے درود کا مستحق ٹھہرایا، تاکہ اس کے ذریعے اس کی عظمت کا اظہار ہو، اس کی تکریم ہو اور آسمان وزمین کی مخلوق کے درمیان اس کی تعریف وتوصیف کا چرچا ہو۔[1]

-۸-

: تائید حدیث میں قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہما:

اس حدیث کی تائید بعض آثارِ صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: ''یہی بات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "عُلَمَاءُ ہٰذِہِ الْأُمَّۃِ رَجُلَانِ: فَرَجُلٌ أَعْطَاہُ اللّٰہُ عِلْمًا، فَبَذَلَہُ لِلنَّاسِ، وَلَمْ یَأْخُذْ عَلَیْہِ صَفَدًا، وَلَمْ یَشْتَرِ بِہِ ثَمَنًا، أُولٰئِکَ یُصَلِّي عَلَیْہِمْ طَیْرُ السَّمَاءِ، وَحِیْتَانُ الْبَحْرِ، وَدَوَابُّ الْأَرْضِ، وَالْکِرَامُ الْکَاتِبُوْنَ۔

وَرَجُلٌ آتَاهُ عِلْمًا فَضَنَّ بِهِ عَلَى عِبَادِهِ ,وَأَخَذَ بِهِ صَفَدًا وَاشْتَرَى بِهِ ثَمَنًا ,فَذَلِكَ يُلْجَمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ" [1]

"اس امت کے علماء دو قسموں کے ہیں: ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم عطا فرمایا، اس نے لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور اس کے عوض نہ تو عطیہ قبول کیا اور نہ ہی اس کا معاوضہ لیا۔ اس قسم [کے علماء] پر آسمان کے پرندے، سمندر کی مچھلیاں، زمین کے چوپائے اور [لوگوں کے اعمال] لکھنے والے معزز [فرشتے] درود بھیجتے ہیں۔ اور دوسرا شخص وہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم دیا، اس نے بندوں کو اس کی تعلیم دینے میں بخل کیا، اس کے عوض عطیہ لیا، اس کا دام وصول کیا، ایسے شخص کو روز قیامت آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔"

-۱۴-

ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچانے والے کے لیے دعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دعوتِ دین کی قدر و منزلت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے لیے شاداں و فرحاں رہنے اور اس پر رحمتِ الٰہی کے نزول کی دعا کی ہے، جو آپ کی بات سن کر دوسرے شخص تک پہنچائے۔

اس بارے میں دو دلائل:

ا: تروتازگی کی دعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں خیف کے مقام پر کھڑے ہوئے اور کہا:

"نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَبَلَّغَهَا ,فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ ,وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ" [1]

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے، جس نے میری بات کو سنا اور اسے آگے پہنچا دیا۔ کتنے ہی حاملین فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کتنے ہی حاملین فقہ اس شخص تک [دین کی بات] پہنچاتے ہیں، جو ان سے بڑا فقیہ ہوتا ہے۔"

سیّد الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے یہ دعا کس قدر عظیم الشان ہے اور اس دعا کے حصول کا سبب کس قدر آسان اور سہل ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو سننا اور دوسرے تک پہنچانا۔

اس بارے میں ہماری کوتاہی کتنی زیادہ ہے اور دعائے مبارک سے محرومی کی صورت میں ہمارا خسارہ کس قدر عظیم ہے!

دعائے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد:

اس عظیم دعا کے مقصود کے متعلق بعض علمائے امت کے اقوال درج ذیل ہیں:

ا: امام خطابی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی: ''نَضَّرَ اللّٰہُ'' سے مقصود تر وتازگی کی دعا ہے۔

''نَضَّارَۃٌ'' سے مراد نعمت اور رونق ہے۔'' [1]

ب: حافظ منذری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''(نَضَّرَ) کا معنی تر وتازگی کی دعا ہے اور (نَضَّارَۃٌ) سے مراد نعمت، رونق اور خوبصورتی ہے۔

اس دعا کا مقصود یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ اسے حسن وجمال اور زینت عطا فرمائے۔'' [2]

ج: امام ابن قیم رحمہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

[نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَئًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا، وَحَفِظَھَا، وَبَلَّغَھَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرُ فَقِیْہٍ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ہُوَ أَفْقَہُ مِنْہُ]

امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں تحریر کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سننے، سمجھنے، یاد کرنے اور اسے آگے پہنچانے والے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی ہے اور یہی علم کے مراتب ہیں: اس کا پہلا اور دوسرا مرتبہ علم کا سننا اور سمجھنا ہے، تیسرا مرتبہ اس کی حفاظت کرنا اور اسے یاد رکھنا ہے، تاکہ بھول جانے سے علم ختم ہی نہ ہو جائے، چوتھا مرتبہ اس کی تبلیغ کرنا اور اسے امت میں پھیلانا ہے، تاکہ امت میں اس کی اشاعت کا مقصد پورا ہو جائے۔ وہ [علم] زمین میں دفن شدہ خزانے کی مانند ہے، جس سے خرچ نہ کیا گیا ہو۔

جب تک علم سے خرچ نہ کیا جائے، اس کی تعلیم نہ دی جائے، اس کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے، لیکن جب اس سے خرچ کیا جائے، تو خرچ کرنے کی بنا پر اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

جس نے یہ چاروں کام سرانجام دیے، وہ اس نبوی دعا کا مستحق قرار پایا، جس میں جمال ظاہری اور باطنی دونوں ہیں، کیونکہ ''اَلنَّضْرَۃٌ'' وہ تروتازگی اور حسن ہے، جو ایمان کے آثار، باطنی تروتازگی، دل کی خوشی اور مسرت اور اس سے لطف اندوز ہونے کے سبب چہرے پر آجاتا ہے، یہ فرحت و شادمانی چہرے کو رونق دیتی ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرحت و سرور اور چہرے کی تروتازگی کو اپنے اس ارشاد گرامی میں جمع کر دیا ہے:

﴿فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾[1]

[ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی] تروتازگی ان کے چہروں پر ہوگی اور سرور ان کے دلوں میں۔ بلاشبہ نعمتوں کا حصول اور دل کی خوشی چہرے پر تازگی ظاہر کرتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے:

﴿تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ﴾[1]

[آپ ان کے چہروں ہی سے نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے] خلاصہ کلام یہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو جس شخص نے سنا، سمجھا، یاد کیا اور اسے [دوسروں تک] پہنچایا، تو اس کے چہرے پر یہ تروتازگی ہوگی اور یہ اس شرینی، رونق اور سرور کا نتیجہ ہوگی، جو اس کے قلب اور اور باطن میں پائی جائے گی۔[2]

اے ہمارے مولائے کریم! ہم ناکاروں اور ہماری اولادوں کو دنیا و آخرت میں اس تروتازگی سے محروم نہ رکھنا۔ إِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ۔

د: امام سیوطی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن جابر نے بیان کیا: یعنی [حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ]

اللہ تعالیٰ اسے تروتازگی، خوبصورتی، صاف رنگ اور حسن و جمال کا لباس پہنا دیتا ہے یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتوں کی وجہ سے چہروں پر ظاہر ہونے والی تروتازگی تک پہنچا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً﴾[3] [انہیں تازگی پہنچائی] نیز فرمایا: ﴿تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ﴾[4]

[آپ ان کے چہروں ہی سے نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے]" [5]

ھ: علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ اس حدیث پر تعلیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"حدیث طلب کرنے، اسے یاد کرنے اور اس کی تبلیغ کا اس مبارک دعا سے فیض یاب ہونے کے سوا اور کچھ فائدہ نہ بھی ہو، تو اس دعا کا حصول ہی بہت

بڑا فائدہ اور غنیمت ہے اور دنیا و آخرت کی عظیم خوش بختی اور سعادت ہے۔" [1]

اے رب! ذوالجلال! اس مبارک دعا سے ہمیں، ہمارے اہل و عیال، بہن بھائیوں اور مسلمانوں کو وافر حصہ نصیب فرما۔

إِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعْوَاتِ.

صحیح ابن حبان کی ایک اور روایت:

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ" [2]

"اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے، جس نے ہم سے حدیث سنی، پھر اسے جیسے سنا، ویسے ہی پہنچادیا، کتنے ہی لوگ جن تک حدیث پہنچائی جاتی ہے سننے والوں سے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔"

اس روایت کا عنوان:

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر درج ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

[ذِكْرُ إِثْبَاتِ نَضَارَةِ الْوَجْهِ فِي الْقِيَامَةِ مَنْ بَلَّغَ لِلْمُصْطَفَى سُنَّةً صَحِيحَةً كَمَا سَمِعَهَا][1]

[مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ صحیحہ کو جیسے سنا، ویسے پہنچانے والے کے لیے [روزِ] قیامت چہرے کی تروتازگی کا ثبوت]

۲: رحمتِ الٰہی کی دعائے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں دعائے رحمت کی ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو سنے، یاد کرے اور دوسرے شخص کو پہنچادے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے کہا:

"دوپہر کے وقت کے قریب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مروان کے ہاں سے تشریف لائے، تو میں نے [اپنے دل میں] کہا:"

اس [مروان] نے کوئی بات دریافت کرنے کی غرض سے انہیں بلا بھیجا ہو گا۔" میں ان [زید رضی اللہ عنہ] کی جانب اٹھا اور ان سے اس بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: "اس نے ہم سے ان باتوں کے متعلق استفسار کیا، جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھی تھیں۔"

[پھر یہ حدیث پڑھی]

"رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنِّي حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ...الحديث" [2]

"اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے، جو مجھ سے حدیث سنے، اسے یاد کرے، یہاں تک کہ دوسرے شخص کو پہنچادے، کتنے حاملین فقہ اس شخص تک [بات] پہنچاتے ہیں، جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور کتنے ہی حامل فقہ فقیہ نہیں ہوتے۔"

صحیح ابن حبان میں عنوانِ حدیث:

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:

[ذِكْرُ رَحْمَةِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا مَنْ بَلَّغَ أُمَّةَ الْمُصْطَفٰى حَدِيثًا صَحِيحًا عَنْهُ][1]

[امت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحیح حدیث پہنچانے والے پر اللہ عزوجل کی رحمت کا ذکر]

اے مولائے کریم! ہم ناکاروں اور ہماری اولادوں کو ایسے سعادت مند لوگوں میں شامل فرما۔ آمین یارب العالمین۔

-۱۵-

دعوت الی اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہونا

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ یہ داعی کی جانب سے لوگوں پر صدقہ ہے۔

اس کے متعلق بعض دلائل اور اقوال:

ا: ارشاد ربانی: ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾[1]

[ترجمہ: جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں] **آیت کریمہ سے استدلال:** اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، کہ متقی لوگوں کی صفات میں سے ایک یہ ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں اور علم بھی رزقِ الٰہی ہے اور متقی لوگ اس میں سے لوگوں پر صدقہ کرتے ہیں۔

اس بارے میں علمائے امت کے فرمودات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

ا: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ارشادِ رب العالمین ﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''یقیناً علم کا خرچ کرنا عظیم الشان خرچ میں سے ہے۔'' [1]

ب: علامہ قرطبی نے اسی ارشادِ ربانی کی تفسیر میں بعض علمائے متقدمین سے نقل کیا ہے، کہ:

''وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم میں سے تعلیم دیتے ہیں۔'' [2]

ج: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''انہوں [علماء] نے بیان کیا ہے، کہ انفاق مال سے بھی ہوتا ہے اور علم سے بھی۔'' [3]

د: قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: ''ممکن ہے، کہ اس سے مراد یہ ہو، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے خرچ کرتے ہیں اور اس کی تائید رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

"إِنَّ عِلْمًا لَا يُقَالُ بِهِ كَكَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ [4]"

[5] ''یقیناً وہ علم جو بتلایا نہ جائے، ایسے خزانے کی طرح ہے، جس میں سے خرچ نہ کیا جائے۔''

۲: دعوت الی اللہ تعالیٰ کے صدقہ ہونے کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ" [1]

''بھلائی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔''

اس کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: اس حدیث میں اس بات کے ثبوت کے متعلق اشارہ ہے، کہ ہر امر بالمعروف اور ہر نہی عن المنکر صدقہ ہے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے [امر] اور [نہی] دونوں کو نکرہ استعمال فرمایا ہے۔ [2]

۳: دعوت الی اللہ تعالیٰ کے صدقہ ہونے کی تیسری دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا درج ذیل قول ہے:

"عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ، فَإِنَّ طَلَبَهُ عِبَادَةٌ، وَتَعَلُّمَهُ لِلّٰهِ حَسَنَةٌ، وَبَذْلَهُ لِأَهْلِهِ قُرْبَةٌ، وَتَعْلِيمَهُ لِمَنْ لَا يَعْلَمُهُ صَدَقَةٌ، وَالْبَحْثَ عَنْهُ جِهَادٌ، وَمُذَاكَرَتَهُ تَسْبِيحٌ" [3]

"علم حاصل کرو، کیونکہ اس کا طلب کرنا یقیناً عبادت ہے، سیکھنا نیکی ہے، اہل لوگوں میں اس کا خرچ کرنا قرب الٰہی کا سبب ہے، بے علموں کو سکھلانا صدقہ ہے، اس کی خاطر جستجو جہاد ہے اور اس کا مذاکرہ ومراجعہ کرنا تسبیح ہے۔" امت میں سے حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے[1] اہل لوگوں کے لیے علم خرچ کرنے کو قرب الٰہی کا سبب بتلایا اور بے علم لوگوں کو علم سکھلانے کو صدقہ قرار دیا۔

۴: اسی بات پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا درج ذیل قول بھی دلالت کناں ہے:

"مَا تَصَدَّقَ عَبْدٌ بِصَدَقَةٍ أَفْضَلَ مِنْ مَوْعِظَةٍ يَعِظُ بِهَا إِخْوَانًا لَهُ مُؤْمِنِيْنَ، فَيَتَفَرَّقُوْنَ، وَقَدْ نَفَعَهُمُ اللّٰهُ بِهَا" [2]

"کوئی بندہ اپنے مومن بھائیوں کو نصیحت کرنے سے بہتر صدقہ نہیں کرتا، جب وہ [اس سے] جدا ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی نصیحت سے مستفید ہو چکے ہوتے ہیں۔"

۵: اسی بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "یہ انبیائے کرام اور ان کے وارثین کا صدقہ ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، سمندر کی مچھلیاں اور ہوا کے پرندے لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر درود بھیجتے ہیں اور علم کو چھپانے والے پر اللہ تعالیٰ اور [سب] لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔" [1]

-۱۶-

ہدایت کا سبب بننے والے کا عظیم ثواب

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی عظمت ورفعت اجاگر کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ کسی شخص کی ہدایت کا سبب بننے والے کا اجر وثواب انتہائی جلیل القدر ہے۔

اس بات کی دلیل:

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا کرتے وقت ارشاد فرمایا:

"اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ۔ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ" [2]

"سیدھے جانا، یہاں تک کہ تو ان [یہودیوں] کے علاقے میں پہنچ جائے، پھر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور ان کے ذمے اللہ تعالیٰ کے حق سے انہیں آگاہ کرنا، اللہ کی قسم! اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک بندے کو ہدایت دے دے، تو وہ تیرے لیے سرخ رنگ کے اونٹوں کے حصول سے زیادہ بہتر ہے۔"

شرحِ حدیث:

ا: امام نووی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "(حُمْرُ النَّعَمِ) سے مراد سرخ رنگ کے اونٹ ہیں اور وہ اہل عرب کا سب سے زیادہ بیش قیمت مال ہے۔

وہ کسی چیز کی نفاست اور عمدگی بیان کرنے کے لیے ان کا ذکر بطور ضرب المثل کرتے ہیں۔

یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے، کہ امور اخرویہ کا دینوی امور سے تشبیہ دینا صرف سمجھانے کی غرض سے ہے، وگرنہ ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کا ایک ذرّہ بھی ساری دنیا اور اس جیسی جتنی دنیائیں بھی تصور کی جا سکیں، ان سب سے بہتر ہے۔" [1]

اس مقام پر ایک قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے، کہ کسی شخص کی ہدایت کا سبب بننے والے شخص کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا، کہ اس کا اجر وثواب سرخ اونٹوں کے پانے کے برابر ہے، بلکہ یہ ارشاد فرمایا، کہ وہ ان سے بھی بہتر ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی نہیں بتایا، کہ وہ ان سے کس قدر بہتر ہے؟ اسے جاننے والا صرف اجر وثواب عطا کرنے والا رب العالمین ہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے، کہ اس حدیث میں علم، دعوتِ ہدایت اور اچھی باتوں کی ابتدا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ [1]

ب: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: "جب کسی عالم کے ذریعے ایک شخص کا ہدایت پانا، اس کے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، جو کہ اونٹوں والوں کے ہاں بہترین قسم ہے، تو پھر اس شخص کے اجر وثواب کے کیا کہنے، جس کے ہاتھوں ہر روز لوگوں کی جماعتیں ہدایت حاصل کریں۔" [2]

اے ہمارے رحمن ورحیم رب! ہمیں اس اجر وثواب سے وافر حصہ نصیب فرمائیے۔ آمین یا رب العالمین۔

صحیح بخاری میں عنوانِ حدیث:

امام بخاری رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: [بَابُ فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ عَلَى يَدَيْهِ رَجُلٌ] [3]

[اس شخص کی فضیلت کے متعلق باب، جس کے ہاتھ پر کوئی اسلام لائے]

سنن ابی داؤد میں عنوان حدیث:

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السنن میں اس پر درج ذیل عنوان تحریر کیا ہے:

[بَابُ فَضْلِ نَشْرِ الْعِلْمِ][1] [اشاعتِ علم کی فضیلت کے متعلق باب]

-۱۷-

تعلیمِ خیر کی خاطر مسجد جانے پر مکمل حج کا ثواب

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت اجاگر کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ خیر کی تعلیم دینے کی غرض سے مسجد جانے والے کا اجر مکمل حج کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔

اس بات کی دلیل: امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لاَ يُرِيْدُ إِلاَّ أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حَجَّتُهُ" [2]

''جو شخص مسجد کی طرف روانہ ہو، خیر سیکھنے یا سکھلانے کے سوا اس کا کوئی مقصد نہ ہو، تو اس کے لیے ایسے حج کرنے والے کے مثل ثواب ہے، جس کا حج پورا ہو۔''

اللہ اکبر! لوگوں کو خیر سکھلانے والے کا صلہ کس قدر عظیم الشان ہے! اے ہمارے رب کریم! ہمیں اس سے محروم نہ رکھنا۔ اِنک سمیع الدعاء۔

-۱۸-

داعی کے لیے عمل کرنے والے کے برابر اجر

دعوتِ دین کی اہمیت ووقعت پر دلالت کناں باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ دعوت دینے والے کو دعوت کے نتیجے میں عمل کرنے والے کے مثل ثواب ملتا ہے۔

اس بات کے دو دلائل:

ا:حضرت ائمہ احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا۔ وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلاَلَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا" [1]

"جس نے ہدایت کی طرف بلایا، تو جس قدر ثواب اس کی دعوت پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے، اتنا ہی اجر اس کے لیے ہے۔ اسے ملنے والے اجر کی وجہ سے ان [عمل کرنے والوں] کے ثواب میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا، اس کے ذمہ اتنا ہی گناہ ہے، جتنا اس کی دعوت کے نتیجے میں گناہ کرنے والوں پر ہوگا۔ اسے ملنے والے گناہ کے سبب ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔"

حدیث شریف کے متعلق تین باتیں:

ا: داعی کے لیے یہ ثواب کسی خاص عمل کی دعوت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر وہ نیک کام، جس کی طرف وہ لوگوں کو بلائے اور لوگ اس کی بات قبول کرتے ہوئے، وہ اچھا عمل کریں، تو اس عمل کی بنا پر اسے اجر ملتا ہے، یہ کام خواہ معمولی حیثیت کا ہو یا بہت بڑا۔ امام طیبی رحمہ اللہ نے [ھدًی] کی شرح میں لکھا ہے: "جس سے اچھے اعمال کی راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور یہ لفظ نکرہ ہونے کے سبب ہر اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے، جس پر لفظ [ھدًی] کا اطلاق ہو سکتا ہے، تھوڑے، زیادہ، عظیم، معمولی سب قسم کے اچھے اعمال کے لیے اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

سب سے عظیم ہدایت کی دعوت اس شخص کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے، خود نیک عمل کرے اور کہے، کہ:

"میں یقیناً مسلمان ہوں" اور سب سے کم حیثیت والی ہدایت کی دعوت اس شخص کی ہے، جو اہلِ ایمان کے راستے سے اذیت دینے والی چیز دور کرنے کی دعوت دے۔ اسی بنا پر دعوت دینے والے، ڈرانے والے فقیہ کا مقام اس قدر بلند ہوا، کہ وہ ایک ہزار عبادت گزاروں سے برتر ہے، کیونکہ اس کا فیض قیامت تک آنے والے لوگوں اور زمانوں کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم نوازی سے ہم یہ امید رکھتے ہیں، کہ اس کتاب کے تحریر کرنے کے لیے ہماری کوشش بھی اسی زمرے میں شامل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے، جو [ہماری اس دعا پر] آمین کہے۔" [1] آمین یا ذالجلال والإکرام۔

ب: اس حدیث شریف پر تعلیق کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے، کہ اپنی دعوت کے ذریعے ہدایت کا سبب بننے والے کے لیے ہدایت یافتہ شخص کے اجر کے برابر ثواب ہے۔ (اسی طرح) اپنی دعوت کے ساتھ گمراہی کا سبب بننے

والے کے لیے گمراہ ہونے والے کے گناہ کے مانند گناہ ہے، کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے لوگوں کی ہدایت یا گمراہی کی غرض سے حتیٰ الامکان کوشش کی اور [اسی بنا پر] ان کی حیثیت خود اچھا یا بُرا کام کرنے والے کی مثل ہے اور یہی شریعت کا اصول ہے، جیسے کہ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔" [2]

ج: اس مقام پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک عمدہ نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: اس [حدیث] سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ امت کے لاتعداد اور ان گنت اچھے اعمال کا جتنا ثواب امت کے لیے ہے، اتنا ہی ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے اور اسی طرح اوّلین مہاجرین اور انصار کے لیے ہے۔ یہی بات بعد میں آنے والے لوگوں کے اعتبار سے سلف کے لیے اور پیروکاروں کے اعتبار سے علمائے مجتہدین کے لیے ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ ہر طبقہ کے متاخرین کے مقابلے میں متقدمین کی شان وعظمت کس قدر زیادہ ہوگی۔[3]

۲: داعی کے لیے عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملنے کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے، جسے حضرات ائمہ احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

"مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ" [1]

"جس نے خیر کی طرف راہنمائی کی، اس کے لیے عمل کرنے والے کے مثل اجر ہے۔"

حدیث شریف کے متعلق دو باتیں:

ا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہنمائی (دلالۃ) کو کسی خاص قسم یا نوع میں محدود نہیں فرمایا، بلکہ اسے مطلق چھوڑا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسی بارے میں فرمایا ہے: "جو قول یا فعل یا اشارے یا تحریر کے ذریعے راہنمائی کرے۔" [2]

ب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے [عَلَى خَيْرٍ] [کسی بھلائی کے کام کی طرف] کے الفاظ استعمال فرمائے اور لفظ [خَيْرٍ] نکرہ استعمال فرمایا اور یہ لفظ ہر نیک کام کے لیے بولا جاتا ہے، خواہ وہ کام تھوڑا ہو یا زیادہ، معمولی ہو یا عظیم، علم کی صورت میں ہو یا عمل کی شکل میں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسی بارے میں قلم بند کیا ہے: "اجر وثواب والا کوئی بھی علم یا عمل۔" [1]

امام نووی نے حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اس میں خیر کی طرف راہ نمائی کرنے، اس کے متعلق تنبیہ کرنے اور خیر کا کام کرنے والے کے ساتھ تعاون کی فضیلت کا بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں اس میں علم اور عبادات کے اعمال سکھلانے کی فضیلت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔[2]

ایک سوال اور اس کا جواب:

اس حدیث شریف کے حوالے سے بعض علماء نے یہ سوال اٹھایا ہے، کہ کیا خیر کی طرف راہنمائی کرنے والے کے لیے اتنا ہی اجر وثواب ہے جس قدر کہ عمل کرنے والے کو ملتا ہے؟

اس کے جواب کے متعلق علمائے امت میں اختلاف رائے ہے۔امام نووی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے، کہ جس طرح عمل کرنے والے کے لیے ثواب ہے،اسی طرح دلالتِ خیر کرنے والے کے لیے ثواب ہے، لیکن یہ ضروری نہیں، کہ دونوں کا ثواب برابر ہو۔[3]

بعض علمائے امت کی رائے میں دلالتِ خیر کرنے والے کے لیے عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہے۔علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔انہوں نے تحریر کیا ہے:

دلالت خیر کرنے والے کا ثواب اسی قدر ہے، جس قدر عمل کرنے والے کا ثواب اضافہ کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اعمال کا ثواب تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے اور وہ جتنا چاہے، ثواب عطا فرماتا ہے، خصوصاً جب کہ بندے کی نیت درست ہو، جو کہ تمام اعمال کی اساس اور جڑ ہے۔" [1] یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حدیث شریف میں لفظ[مثل]وارد ہوا ہے اور اس سے فوری طور پر ذہن میں یہی بات آتی ہے، کہ دلالتِ خیر کرنے والے کا ثواب عمل کرنے والے کے مجموعی ثواب کے برابر ہے اور مجموعی ثواب میں اصل اجر اور اضافہ دونوں ہی شامل ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہی بات رب کریم کے اپنے بندوں کے ساتھ فیاضانہ معاملہ کے مطابق نظر آتی ہے۔واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

-۱۹-

وفات کے بعد داعی کا ثواب جاری رہنا

دعوتِ دین کے بیش قیمت فوائد میں سے ایک یہ ہے، کہ داعی کا اجر وثواب اس کی موت کے ساتھ منقطع نہیں ہوتا، بلکہ جب تک اس کی دعوت پر عمل ہوتا رہے گا، اس کا ثواب جاری رہے گا۔

اس بات کے بعض دلائل:

اس بارے میں کتاب وسنت کے متعدد دلائل میں سے آٹھ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

۱: ارشادِ ربانی: ﴿يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾[1]

[اس دن انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے [اعمال] سے آگاہ کیا جائے گا]

آیت کریمہ سے مراد یہ ہے، کہ اس نے جو اعمال خود کیے اور جو طریقہ یا دستور اچھا یا بُرا، اس نے اپنے پیچھے چھوڑا اور اس کے مطابق لوگوں نے عمل کیا۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے، کہ انہوں نے بیان فرمایا:

"بِمَا قَدَّمَ قَبْلَ مَوْتِهِ مِنْ عَمَلٍ صَالِحٍ أَوْسَيِّئٍ ،وَمَا أَخَّرَ بَعْدَ مَوْتِهِ مِنْ سُنَّةٍ حَسَنَةٍ أَوْسَيِّئَةٍ يُعْمَلُ بِهَا" [2]

"اس نے موت سے پہلے جو نیکی یا بدی کی اور موت کے بعد اس نے جو اچھا یا بُرا طریقہ چھوڑا اور اس پر عمل کیا گیا۔"

۲: ارشاد ربانی: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ﴾[3] [ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے [اعمال]

کو معلوم کرلے گا] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں بیان کیا:

"مَا قَدَّمَتْ مِنْ خَيْرٍ ،وَمَا أَخَّرَتْ مِنْ سُنَّةٍ لِقَنٍ بِهَا بَعْدَهُ .فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ .أَوْسَيِّئَةٍ .فَعَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا"[1]

"جو نیک عمل اس نے خود کیا اور جو اچھا طریقہ اس نے اپنے پیچھے چھوڑا اور اس کے مطابق عمل کیا گیا، تو عمل کرنے والے کے مثل اس کے لیے ثواب ہے۔ (اسی طرح) جس نے اس کے چھوڑے ہوئے بُرے طریقے کے مطابق غلط کام کیا، تو اس کے بقدر اس کے ذمہ گناہ ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن کعب قرظی نے اس کی تفسیر میں بیان کیا:

"مَا قَدَّمَتْ فِي حَيَاتِهَا ،وَمَا أَخَّرَتْ مِمَّا سَنَّتْهُ .فَعُمِلَ بِهِ بَعْدَ مَوْتِهَا"[2]

"اس نے اپنی زندگی میں جو اعمال کیے اور جو طریقے اپنے بعد چھوڑے اور ان کے موافق اس کے مرنے کے بعد عمل کیا گیا۔"

۳: امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً ،فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ ،كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا ،وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ۔ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً ،فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ ،كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا ،وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ" [1]

‘‘جس شخص نے اسلام میں پسندیدہ کام کیا اور اس کے بعد اس کے مطابق عمل کیا گیا، تو اس کے لیے عمل کرنے والے کے اجر کے مانند ثواب تحریر کیا جائے گا اور [اس کو ثواب دیے جانے کی وجہ سے] ان [عمل کرنے والوں] کے اجر میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔

(اسی طرح) جس نے اسلام میں بُرا کام شروع کیا اور اس کے بعد اس کے موافق عمل کیا گیا، تو اس پر اس کے بعد عمل کرنے والوں کے گناہ کے بقدر گناہ لکھا جائے گا اور ان [گناہ کرنے والوں] کے بوجھ میں کچھ تخفیف نہ ہو گی۔’’

امام نووی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی: ‘‘مَنْ سَنَّ . . . ’’ اور ایک دوسری حدیث: ‘‘من دعا إلی ہدی . . . ومن دعا إلی ضلالة’’ یہ دونوں حدیثیں واضح طور پر نیک کام شروع کرنے کی ترغیب اور بُرے کام شروع کرنے کی حرمت پر دلالت کناں ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں، کہ جس نے اچھا کام شروع کیا، تو قیامت تک اس کے مطابق عمل کرنے والوں کے اجر کے مثل اس کے لیے ثواب ہو گا اور جس کسی نے بُرا کام شروع کیا، تو قیامت تک اس غلط کام کرنے والوں کے گناہ کے بقدر اس پر بوجھ ہو گا۔

اسی طرح جس نے ہدایت کی دعوت دی، تو اس کے لیے دعوت کو قبول کرنے والوں کے اجر کے برابر ثواب ہو گا اور جس کسی نے گمراہی کی طرف بلایا، تو اس کے لیے اس کی بات پر عمل کرنے والوں کے گناہوں کے بقدر بوجھ ہو گا۔

ہدایت اور گمراہی کی بات خواہ اس نے خود شروع کی ہو یا اس سے پہلے بھی کسی نے اس کے مطابق عمل کیا ہو (ہر دو صورت میں وہ عمل کرنے والوں کے ثواب یا گناہ کے برابر اجر یا بوجھ اٹھائے گا)۔

یہ اچھا یا بُرا کام علم، عبادت، ادب یا کسی بھی معاملے کے سکھلانے کے متعلق ہو۔[1]

۴: امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا مَا عُمِلَ بِهَا فِي حَيَاتِهِ، وَبَعْدَ مَمَاتِهِ، حَتَّى تُتْرَكَ" [2]

‘‘جس نے اچھا کام شروع کیا، جب تک اس کے موافق اس کی زندگی اور مرنے کے بعد عمل ہو گا، اس کے لیے اجر و ثواب کا سلسلہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔’’

۵: امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

‘‘إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ" [3]

"جب انسان مر جاتا ہے، تو تین صورتوں کے سوا اس کا سلسلہ عمل منقطع ہو جاتا ہے: صدقہ جاریہ سے یا ایسے علم سے جس کا فیض جاری ہو یا اس کے لیے دعا کرنے والا نیک بچہ۔"

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح حدیث میں تحریر کیا ہے:

"علماء نے بیان کیا ہے، کہ حدیث کا معنی یہ ہے، کہ مرنے والے شخص کا عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے اور ان تین باتوں کے علاوہ نئے ثواب کا میسر آنا ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ان تین باتوں کا سبب وہ شخص خود ہی تھا، بچہ اس کی کمائی سے ہے، اسی طرح تعلیم و تصنیف کی شکل میں چھوڑا ہوا علم اور اسی طرح صدقہ جاریہ اور وہ وقف (کی صورت میں ہوتا) ہے۔" [1]

امام طیبی رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: "ان تین چیزوں کے علاوہ اس سے عمل ختم ہونے سے مراد یہ ہے، کہ ان کے سوا دیگر سب اعمال نماز، زکوٰۃ اور حج کا سلسلہ ثواب منقطع ہو جاتا ہے، لیکن ان چیزوں کے ذریعے ملنے والا اجر ختم نہیں ہوتا اور حدیث کا معنی یہ ہے، کہ جب انسان مر جاتا ہے، تو اس کے بعد اس کے اعمال کا اجر تحریر نہیں کیا جاتا، کیونکہ ثواب تو عمل کی جزا ہے اور عمل موت سے ختم ہو جاتا ہے، البتہ اس عمل کا ثواب جاری رہتا ہے، جس کی خیر دائمی ہو، نفع جاری ہو، جیسے کہ زمین وقف کرنا، کتاب تالیف کرنا، کوئی مسئلہ سمجھانا، کہ اس کے بعد اس پر عمل کیا جائے یا صالح بچے کا ہونا۔

ان میں سے ہر ایک چیز کا ثواب موت کے بعد بھی اسے حاصل ہوتا رہتا ہے۔" [2]

فوائد حدیث قلم بند کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "اس میں علم کی فضیلت کا بیان اور اس سے بہت زیادہ حاصل کرنے کی ترغیب ہے۔ علاوہ ازیں اس بات کی بھی ترغیب ہے، کہ انسان تعلیم و تصنیف اور بیان کی شکل میں اپنے پیچھے علم چھوڑ جائے اور زیادہ سے زیادہ نفع اور فائدے والے علوم کا چناؤ کرے۔" [3]

٦: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خَيْرُ مَا يُخَلِّفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِهِ ثَلَاثٌ: وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ، وَصَدَقَةٌ تَجْرِي يَبْلُغُهُ أَجْرُهَا، وَعِلْمٌ يُعْمَلُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ" [1]

"آدمی اپنے بعد جن چیزوں کو چھوڑتا ہے، ان میں سے بہترین چیزیں تین ہیں: صالح بچہ کہ اس کے لیے دعا کرے، صدقہ جاریہ کہ اس کا اجر اسے پہنچتا رہے اور علم کہ اس کے مطابق اس کے بعد عمل کیا جائے۔"

۷: حضرات ائمہ ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ: عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ، أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ" [2]

''یقیناً مومن کی موت کے بعد اس کے عمل اور نیکیوں [کے اجر و ثواب] میں سے جو چیز اسے ملتی ہے [وہ] علم ہے، جو اس نے پھیلایا اور نیک بچہ ہے، جسے اس نے چھوڑا یا مصحف [قرآن کریم کا نسخہ] ہے، کہ اس نے کسی کے لیے ورثہ میں چھوڑا یا مسجد ہے، کہ اس نے بنائی یا راہ گزر کے لیے مسافر خانہ تعمیر کیا یا نہر ہے، کہ اس نے جاری کی یا صدقہ ہے، کہ اس نے اپنی صحت اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا، اس کا ثواب اسے مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے۔''

۸: حضرات ائمہ، احمد، بزار اور طبرانی رحمہم اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"أَرْبَعٌ تُجْرَى عَلَيْهِمْ أُجُورُهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ: رَجُلٌ مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا فَأَجْرُهُ يَجْرِي عَلَيْهِ مَا عُمِلَ بِهِ، وَرَجُلٌ أَجْرَى صَدَقَةً فَأَجْرُهَا يَجْرِي عَلَيْهِ مَا جَرَتْ عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ تَرَكَ وَلَدًا صَالِحًا يَدْعُو لَهُ" [1]

''مرنے کے بعد چار (قسم کے) اشخاص کا اجر جاری رہتا ہے: (ایک) وہ بندہ، کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مقام جہاد میں قیام کرتے ہوئے فوت ہو جائے، (دوسرا) وہ آدمی، کہ اس نے علم سکھلایا، کہ جب تک اس کے مطابق عمل ہوا، اس کا اجر جاری رہتا ہے، (تیسرا)

وہ شخص، کہ اس نے صدقہ کیا، جب تک صدقہ [کا فیض] جاری ہے، اس کا اجر جاری رہے گا، (چوتھا) وہ آدمی، کہ اس نے نیک بچہ چھوڑا، جو اس کے لیے دعا کرتا ہے۔''

مذکورہ بالا احادیث شریفہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے، کہ جن اعمال کا اجر و ثواب بندے کے لیے مرنے کے بعد جاری رہتا ہے، ان میں

سے ایک بات یہ ہے، کہ انسان کوئی نیک عمل کرے، جس کی اقتدا کرتے ہوئے دوسرے لوگ بعد میں وہ عمل کریں، اسی طرح وہ لوگوں کو علم

سکھلا دے، جس کے مطابق وہ اس کے مرنے کے بعد عمل کریں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تحریر:

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھاہے:

"إِنَّ الْعَالِمَ إِذَا زَرَعَ عِلْمَهُ عِنْدَ غَيْرِهِ، ثُمَّ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ أَجْرُهُ، وَبَقِيَ لَهُ ذِكْرُهُ، وَهُوَ عُمْرٌ ثَانٍ، وَحَيَاةٌ أُخْرَى، وَذٰلِكَ أَحَقُّ مَا تَنَافَسَ فِيْهِ الْمُتَنَافِسُوْنَ، وَرَغِبَ فِيْهِ الرَّاغِبُوْنَ" [1]

جب عالم کسی دوسرے شخص میں علم کا بیج بوتا ہے اور پھر فوت ہو جاتا ہے، تو اس کا اجر جاری ہو جاتا ہے، اس کا تذکرہ باقی رہتا ہے اور یہ دوسری عمر اور نئی زندگی ہے۔ یہی [مقام و مرتبہ] اس قابل ہے، کہ باہمی مقابلہ و منافست کرنے والے اس کے حصول میں دوڑ لگائیں اور رغبت کرنے والے رغبت کریں۔ اے مولائے کریم ہم ناکاروں اور ہماری اولادوں کو اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس شرفِ عظیم سے محروم نہ رکھنا۔ إِنَّكَ سَمِيْعٌ مُّجِيْبٌ۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کے اشعار:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان خصلتوں کا اشعار کی صورت میں ذکر کیا ہے، جن کا اجر وثواب بندے کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ انہی خصلتوں میں سے امامؒ نے ان علوم کو بھی شمار کیا ہے، جن کی نشر واشاعت کوئی شخص اپنی زندگی میں کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ لَيْسَ يَجْرِيْ   عَلَيْهِ مِنْ فِعَالٍ غَيْرُ عَشْرٍ

عُلُوْمٌ بَثَّهَا وَدُعَاءُ نَجْلٍ   وَغَرْسُ النَّخْلِ وَالصَّدَقَاتُ تَجْرِيْ

وِرَاثَةُ مُصْحَفٍ وَرِبَاطُ ثَغْرٍ   وَحَفْرُ الْبِئْرِ أَوْ إِجْرَاءُ نَهْرٍ

وَبَيْتٌ لِلْغَرِيْبِ بَنَاهُ يَأْوِيْ   إِلَيْهِ أَوْ بِنَاءُ مَحَلِّ ذِكْرٍ

وَتَعْلِيْمٌ لِقُرْآنٍ كَرِيْمٍ   فَخُذْهَا مِنْ أَحَادِيْثَ بِحَصْرٍ [1]

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو دس اعمال کے علاوہ دیگر اعمال کا اجر وثواب جاری نہیں رہتا۔ [وہ دس اعمال یہ ہیں:] علوم کہ اس نے ان کی اشاعت کی، بیٹے کی دعا، کھجور کا درخت اگانا اور صدقات جاری رہتے ہیں، مصحف کا کسی کو وارث بنانا، اسلامی سرحدوں کی چوکیداری کرنا، کنواں کھودنا اور نہر جاری کرنا۔ پردیسی کے لیے گھر بنانا، کہ وہ اس میں پناہ لے یا ذکر (الٰہی) کے لیے جگہ تعمیر کرنا، قرآن کریم کی تعلیم دینا، احادیث شریفہ سے (ثابت شدہ) ان باتوں کو شمار کر کے مضبوطی سے تھام لو۔"

-۲۰-

نیکی کا حکم دینے والے کے لیے اجر عظیم

دعوت الی اللہ تعالیٰ کا مقام ورتبہ نمایاں کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ مالک الملک نے نیکی کا حکم دینے والے کو اجر عظیم دینے کا وعدہ فرمایاہے۔اس بات کی دلیل:

مولائے کریم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

[ان کے اکثر مشورے بے خیر ہیں،ہاں اس کے مشورے میں خیر ہے،جو صدقہ کرنے،نیک کام کرنے یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے،اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے]

آیت کریمہ کی تفسیر:

امام طبری رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ) تمام لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں (إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ) "مگر جو شخص صدقہ یا بھلائی کا حکم دے۔" اور[معروف][2]

سے مراد ہر وہ نیکی یا بھلائی کی بات ہے،جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا یا اس کی ترغیب دی ہے،(أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ)[یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے]اس سے مراد متضاد خیالات رکھنے والے یا جھگڑا کرنے والوں کے درمیان ایسے انداز میں صلح کروانا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیاہے، تاکہ وہ باہمی الفت کے ساتھ اس بات پر متفق ہو جائیں، جس پر جمع ہو جانے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اور حکم دیاہے۔" [1]

آمر بالمعروف کے لیے[اجر عظیم]:

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں ایک انتہائی قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے، کہ صدقہ ، بھلائی اور لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دینے والے کے اجر کو اللہ تعالیٰ نے[اجر عظیم] قرار دیاہے اور جس چیز کو اللہ مالک الملک [عظیم] قرار دے، تو اس کی عظمت ورفعت کا احاطہ اس کے سوا کون کر سکتاہے ؟اسی بارے میں بعض مفسرین کرام کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمایئے: ۱:امام طبری رحمہ اللہ نے تحریر کیاہے :(فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا) جس نے یہ کام کیا، ہم اجر عظیم عطا کریں گے اور جسے اللہ تعالیٰ [عظیم] کہے، وہ لامحدود ہوتاہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[2]

ب: علامہ خازن رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: (أَجْرًا عَظِيْمًا) وہ غیر محدود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام [عظیم] رکھا ہے اور جب صورت حال یہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی حقیقت سے بھی کوئی آگاہ نہیں۔'' [1]

ج: قاضی ابوسعود رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: اس اجر کا وصف بیان کرنا مخلوق کے بس میں نہیں۔[2]

د: علامہ الوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: مخلوق کا بیان اس اجر کے احاطہ سے عاجز ہے۔[3] اللہ اکبر! صدقہ، نیکی اور لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دینے والے کا اجر و ثواب کس قدر بلند و بالا اور عظیم القدر ہے! رب ذوالجلال ہمیں ایسے سعادت مند لوگوں میں شامل فرمائے، جن کے لیے اس عظیم وعدے کا ذکر کیا گیا ہے۔ آمین یا حي یا قیوم۔

-۲۱-

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خیر سیکھنے سکھلانے والے کا مجاہد کی مانند ہونا

دعوت الی اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت واضح کرنے والے دلائل میں سے ایک یہ ہے، کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خیر سیکھنے سکھلانے کے لیے آنے والے کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی خاطر نکلنے والے کی طرح ہے۔

اس کے متعلق تین روایات:

ا: حضرات ائمہ احمد، ابن ماجہ، ابن حبان، ابو یعلی اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''مَنْ دَخَلَ مَسْجِدَنَا هٰذَا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَنْ دَخَلَهُ لِغَيْرِ ذٰلِكَ كَانَ كَالنَّاظِرِ إِلٰى مَا لَيْسَ لَهُ" [1]

''جو شخص ہماری اس مسجد میں خیر سیکھنے سکھلانے کے لیے داخل ہوا وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثل ہے اور جو اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آیا وہ اس شخص کی مانند ہے جو اس چیز کو دیکھ رہا ہے جو اس کی نہیں۔''

صحیح ابن حبان میں عنوانِ حدیث: امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[ذِكْرُ التَّسْوِيَةِ بَيْنَ طَالِبِ الْعِلْمِ وَمُعَلِّمِهِ وَبَيْنَ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ][2]

[علم سیکھنے، سکھلانے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے درمیان برابری کا ذکر]

دونوں میں برابری کا سبب:

اس بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر کیا ہے: "کیونکہ دونوں کا ارادہ کلمۃ اللہ تعالیٰ کی سربلندی ہے۔ یا علم اور جہاد دونوں میں سے ہر ایک کبھی فرضِ عین اور کبھی فرضِ کفایہ ہوتا ہے۔ یا دونوں میں سے ہر ایک ایسی عبادت ہے، جس کا نفع عام مسلمانوں کے لیے ہے۔" [1]

۲: امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ دَخَلَ مَسْجِدِيْ هٰذَا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا، أَوْ لِيُعَلِّمَهُ كَانَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ وَمَنْ دَخَلَهُ لِغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَحَادِيْثِ النَّاسِ كَانَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ يَرَى مَا يُعْجِبُهُ، وَهُوَ شَيْءٌ لِغَيْرِهِ" [2]

"میری اس مسجد میں خیر سیکھنے سکھلانے کے لیے داخل ہونے والے کا رتبہ مجاہد فی سبیل اللہ کے درجہ کی مانند ہے، (لیکن) جو اس کی بجائے، لوگوں کی باتوں کی خاطر آیا، تو وہ اس شخص کی طرح ہے، جو خوش منظر چیز کو دیکھتا ہے، لیکن وہ کسی اور کی ملکیت ہے۔"

۳: سابقہ دونوں حدیثوں میں بیان کردہ بات کی تائید حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن رحمہما اللہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، جسے امام مالک رحمہ اللہ نے ان کے آزاد کردہ غلام سمی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہ حضرت ابو بکر رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے:

"مَنْ غَدَا أَوْ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيْدُ غَيْرَهُ، لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ لِيُعَلِّمَهُ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ، كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، رَجَعَ غَانِمًا" [1]

"جو مسجد کی طرف دن کے پہلے پہر یا پچھلے پہر جائے اور اس کا مقصد صرف وہاں (یعنی مسجد) جا کر خیر سیکھنے یا سکھلانے کا ہو، پھر اپنے گھر پلٹے، تو وہ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی مثل ہے، جو غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔"

حضرت ابو بکر کے اس قول کے حوالے سے حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: "یہ بات معلوم ہے، کہ ایسی بات کا ادراک رائے اور اجتہاد سے نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے غیبی حکم اور ثواب کے بارے میں قطعی بات بیان کی گئی ہے[2]

اسی بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ [3] کے حوالے سے مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔" [4]
اللہ اکبر! خیر سیکھنے سکھلانے کی خاطر مسجد میں آنے والے کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند و بالا ہے! اے ہمارے رب! ہم ناکاروں اور ہماری اولادوں کو بھی ایسے ہی سعادت مند لوگوں میں شامل فرما۔ آمین یا حي یا قیوم۔

-۲۲-

[دعوت کی خاطر دین سیکھنے]اور[جہاد کے لیے نکلنے]کا ہم پلہ ہونا

دعوتِ دین کی عظمت اجاگر کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ[لوگوں کو ڈرانے کی غرض سے دین سیکھنے کے لیے نکلنے]کو اللہ تعالیٰ نے[جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر جانے]کے مقابل ذکر فرمایا ہے۔

اس کی دلیل:

ارشادِ ربانی: ﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[1]

[اور ایسے تو نہیں، کہ سارے مسلمان نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جائے، کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور واپس آنے پر اپنی قوم کو ڈرائیں، شاید کہ وہ ڈر جائیں]

آیت کریمہ سے استدلال:

متعدد مفسرین نے اس بات کی نشاندہی کی ہے۔ انہی میں سے بعض کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیے: ا:علامہ زمخشری نے تحریر کیا ہے:"غزوۂ تبوک اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں شدید آیات کریمہ نازل ہونے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی لشکر روانہ فرماتے، تو سارے اہل ایمان جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور وحی کی سماعت اور دین سیکھنے کا سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ اس موقع پر انہیں حکم دیا گیا، کہ ان میں سے ہر جماعت میں سے ایک گروہ جہاد کے لیے روانہ ہو اور باقی لوگ دین سیکھنے کے لیے رک جائیں، تاکہ[تفقہ فی الدین]، جو کہ[جہاد اکبر]ہے، سے ان کا تعلق کٹ نہ جائے، کیونکہ دلیل کے ساتھ مجادلہ[1]کرنا تلوار کے ساتھ کاٹنے سے زیادہ مؤثر ہے۔" [2]

علامہ زمخشری نے﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ﴾کی تفسیر میں لکھا ہے:"تاکہ وہ اپنے دین سیکھنے کی غرض وغایت: اپنی قوم کو ڈرانا، ان کی راہنمائی کرنا اور انہیں نصیحت کرنا ٹھہرائیں۔" [3]

ب: علامہ ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے:"ہر بڑی جماعت کے لوگوں میں سے تھوڑے لوگ جہاد کے لیے نکل کر باقی لوگوں کی طرف سے کفایت کیوں نہیں کرتے۔ ہر گروہ[اسلامی]مفاد و مصلحت کی پاس داری کرے، ایک گروہ ملک کی حفاظت کرے اور دشمنوں سے جنگ کرے اور دوسری جماعت علم حاصل کرے اور واپس آنے کے بعد اقامت گزیں لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ اور سابقہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ ہے، کہ دونوں طرح کا نکلنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور احیائے دین کے لیے ہے، ایک علم کے ذریعے اور دوسرا جہاد کے ساتھ۔" [1]

ج:امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تفقہ فی الدین اور واپس آنے کے بعد اپنی قوم کو ڈرانے کی ترغیب دی ہے اور اس سے مراد یہ ہے، کہ وہ دین سیکھیں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔ آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔

ایک قول کے مطابق معنی یہ بیان کیا گیا ہے، کہ سب اہلِ ایمان کا تفقہ اور حصول علم کے لیے نکلنا درست نہیں، بلکہ انہیں چاہیے کہ ہر جماعت میں سے ایک گروہ اس مقصد کے لیے جائے اور دین سیکھنے کے بعد واپس آکر مقیم لوگوں کو سکھلائے۔ اس رائے کے مطابق آیت کریمہ میں نکلنے سے مراد علمِ دین سیکھنے کے لیے جانا ہو گا۔ علماء کے ایک دوسرے گروہ کی رائے میں معنی یہ ہے، کہ سارے مومن لوگ جہاد کے لیے نہ نکل جائیں، بلکہ ایک گروہ جہاد کے لیے روانہ ہو اور ایک گروہ دین سیکھنے کے لیے رکا رہے، جب جہاد کے لیے جانے والا گروہ واپس آئے، تو علمِ دین حاصل کرنے کی خاطر بیٹھنے والی جماعت انہیں دین اور حلال و حرام کے بارے میں نازل شدہ باتیں سمجھادے اور یہ رائے اکثر علماء کی ہے اور اس قول کے مطابق نکلنے سے مراد اس کا اصلی معنی یعنی جہاد کے لیے نکلنا ہو گا۔ دونوں آراء کے مطابق [آیت شریفہ میں] دین سمجھنے، سیکھنے اور سکھلانے کی ترغیب ہے اور یہ کام جہاد کے رتبہ کا ہے، بلکہ بسا اوقات اس سے بھی افضل ہوتا ہے۔[1]

د: شیخ سیّد محمد رضا رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ علم عام کرنا، دین سمجھنا، اقامت کی جگہوں میں تعلیم دین کے لیے مستعد ہونا، لوگوں کو ایسے انداز میں دین سکھلانا، کہ ان کی حالت سدھر جائے اور وہ دوسروں کے لیے راہنمائی کرنے والے بن جائیں، [یہ سب باتیں] فرض ہیں۔

آیت شریفہ اس بات پر بھی دلالت کناں ہے، کہ اس نیت کے ساتھ علمِ دین میں مہارت حاصل کرنے والے، کلمۃ اللہ کی سربلندی اور ملت و امت کے دفاع کی خاطر جان و مال سے جہاد کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ میں کم نہیں، بلکہ جہاد کے فرضِ عین نہ ہونے کے وقت ان سے اعلیٰ اور افضل ہیں اور اس کے متعلق دلائل بہت زیادہ ہیں۔[2]

ھ: ہمارے استاد شیخ عطیہ بن محمد بن سالم رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جہاد اور طلب علم میں سے ہر ایک کے لیے نکلنے کو [نفر] کا نام دیا ہے۔ (علاوہ ازیں) انھوں نے اپنی راہ میں نکلنے والے مجاہدین اور طلبِ علم اور تفقہ فی الدین کی خاطر نکلنے والے لوگوں کو، جو واپس آکر اپنی قوم کو ڈراتے ہیں، [ان دونوں گروہوں کو] ایک دوسرے کے مقابلے میں ذکر فرمایا ہے۔

فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، کہ:

"أَفْضَلُ الْجِهَادِ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ" [1] "بہترین جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔"

انہوں [فخر الدین رازیؒ] نے اس کے بعد ایک دوسرے مقام پر تحریر کیا ہے:

چوتھا مسئلہ: آیت کریمہ: یعنی [وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً] اس بات کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے، کہ تفقہ اور تعلیم کا مقصود مخلوق کو دعوتِ حق دینااور دینِ قویم اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرناہوناچاہیے۔" اور حدیث میں ہے:

"مَنْ رَاحَ إِلَى مَسْجِدِي هٰذَا لِعِلْمٍ يُعَلِّمُهُ أَوْ يَتَعَلَّمُهُ كَانَ كَمَنْ غَزَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" [2] "جو میری مسجد کی طرف علم سیکھنے سکھلانے کے لیے گیاوہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے جانے والے کی مانند ہے۔" اس طرح یہ بات واضح ہوگئی، کہ دعوت کی اہمیت وضرورت بالکل جہاد کی اہمیت وضرورت کے مثل ہے۔[3]

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ علمائے امت کے مذکورہ بالا اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ تفقہ فی الدین اور اس کا سیکھنا سکھلانا جہاد کے مثل ہے، بلکہ علامہ زمخشری نے اس کو [جہاد اکبر] کا نام دیاہے اور امام ابن قیم رحمہ اللہ اور شیخ سیّد محمد رضا رحمہ اللہ نے اسے بعض اوقات میں جہاد سے افضل قرار دیا ہے۔[4]

-۲۳-

دعوت الی اللہ تعالیٰ کا جہاد ہونا

دعوت الی اللہ تعالیٰ کا مقام ومرتبہ نمایاں کرنے والے دلائل میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اسے [جہاد] کا نام دیاہے۔

اس بات کے دو دلائل:

ا: ارشادِ ربانی: ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ [1] [ترجمہ: پس آپ کافروں کا کہنانہ مانیں اور اس [قرآن] کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں]

آیت کریمہ سے استدلال:

یہ آیت سورۃ الفرقان کی ہے، جو مکی سورتوں میں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور معلوم ہے، کہ تب تو تلوار کے ساتھ جہاد کی اجازت ہی نہ تھی، اس جہاد سے مراد۔ واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب۔

یہ ہے، کہ کافروں کے ساتھ قرآن کریم کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ ان پر قرآن کریم کی آیات تلاوت کی جائے، شاید کہ وہ ان آیات سے متاثر ہو کر بدی کی راہ چھوڑ کر نیکی کی راہ اختیار کرلیں۔ علمائے امت نے اس بات کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:
ا: ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے بیان کیا: (وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ) بِالْقُرْآنِ ۔[1]

یعنی ان کے ساتھ قرآن کریم کے ساتھ جہاد کرو۔ ب:

امام بغوی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: ''(وَجَاهِدْهُمْ بِهِ) أَيْ بِالْقُرْآنِ (جِهَادًا كَبِيرًا) شَدِيدًا۔'' [2]

''یعنی ان کے ساتھ قرآن کریم کے ساتھ شدید جہاد کرو۔'' ج: حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''(وَجَاهِدْهُمْ بِهِ) أَيْ بِالْقُرْآنِ (جِهَادًا كَبِيرًا) أَيْ تَامًّا شَدِيدًا۔'' [3]

''یعنی ان کے ساتھ قرآن کریم کے ساتھ پورا اور سخت جہاد کرو۔'' د: علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے قلم بند کیا ہے: "(آیت کی تفسیر میں) کہا گیا ہے کہ: تلوار کے ساتھ (جہاد کرو)، لیکن یہ [معنی] بعید ہے، کیونکہ سورت مکی ہے اور جہاد کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔ (جِهَادًا كَبِيرًا) ایسا جہاد ہو، کہ اس میں سستی و کوتاہی نہ ہو۔'' [4]

ہ: قاضی ابوسعود رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "(وَجَاهِدْهُمْ بِهِ) أَيْ بِالْقُرْآنِ ،بِتِلَاوَةِ مَا فِي تَضَاعِيفِهِ مِنَ الْقَوَارِعِ ،وَالزَّوَاجِرِ ،وَالْمَوَاعِظِ ،وَتَذْكِيرِ أَحْوَالِ الْأُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ"[1]

''یعنی قرآن کریم کے ساتھ ان سے جہاد کیجیے، قرآن کریم کی وعیدوں، ڈانٹ ڈپٹ، مواعظ اور گزشتہ جھٹلانے والی امتوں کے حالات کے تذکرہ پر مشتمل آیات کی تلاوت کے ساتھ۔''

۲: ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾[2]

[ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سخت ہو جاؤ، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین جگہ ہے]

آیت کریمہ سے استدلال:

اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے۔ کافروں کے خلاف جہاد تو تلوار اور نیزہ کے ساتھ تھا، لیکن منافقوں کے خلاف جہاد حجت و برہان سے تھا۔

بہت سے علمائے امت نے اس بات کو بیان کیا ہے۔ انہی میں سے چند ایک کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

ا: امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

"فَأَمَرَهُ اللَّهُ بِجِهَادِ الْكُفَّارِ بِالسَّيْفِ ،وَالْمُنَافِقِينَ بِاللِّسَانِ ،وَأَذْهَبَ الرِّفْقَ عَنْهُمْ" [1]

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں کے خلاف تلوار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا اور منافقوں کے خلاف زبان کے ساتھ ایسے جہاد کا حکم دیا، کہ اس میں نرمی نہ ہو۔"

ب: امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے کہا: "کافروں کے خلاف تلوار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقوں کے ساتھ زبان کے ساتھ سختی کرو اور یہی ان کے خلاف جہاد ہے۔"[2]

ج: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ضحاک رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے: "مقاتل اور ربیع رحمہما اللہ سے بھی آیت کی تفسیر میں یہی بات نقل کی گئی ہے۔" [3]

د: علامہ زمخشری نے قلم بند کیا ہے: "(جَاہِدِ الْكُفَّارَ) بِالسَّيْفِ (وَالْمُنَافِقِيْنَ) بِالْحُجَّةِ (وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ فِي الْجِهَادَيْنِ جَمِيْعًا، وَلَا تُحَابِهِمْ" [4]

"کافروں کے خلاف تلوار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقوں کے خلاف دلیل کے ساتھ اور دونوں قسم کے جہادوں میں ان کے خلاف سخت رویہ اختیار کرو اور ان سے دوستانہ قائم نہ کرو۔"

ھ: علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"وَجِهَادُ الْكُفَّارِ يَكُوْنُ بِمُقَاتَلَتِهِمْ حَتّٰى يُسْلِمُوْا، وَجِهَادُ الْمُنَافِقِيْنَ يَكُوْنُ بِإِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ، حَتّٰى يَخْرُجُوْا عَنْهُ، وَيُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ" [1]

"کافروں کے خلاف جہاد، ان کے اسلام لانے تک، ان کے ساتھ لڑائی کے ذریعے ہوتا ہے۔

منافقوں کے خلاف جہاد، ان پر اقامتِ حجت سے ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ دائرہ نفاق سے نکل آئیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لے آئیں۔"

و: شیخ سعدی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"يَقُوْلُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ أَيْ: بَالِغْ فِي جِهَادِهِمْ، ﴿وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ حَيْثُ اقْتَضَتِ الْحَالُ الْغِلْظَةَ عَلَيْهِمْ۔ وَهٰذَا الْجِهَادُ يَدْخُلُ فِيْهِ الْجِهَادُ بِالْيَدِ، وَالْجِهَادُ بِالْحُجَّةِ وَاللِّسَانِ، فَمَنْ بَارَزَ مِنْهُمْ بِالْمُحَارَبَةِ فَيُجَاهَدُ بِالْيَدِ وَاللِّسَانِ، وَالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ، وَمَنْ كَانَ مُذْعِنًا لِلْإِسْلَامِ بِذِمَّةٍ أَوْ عَهْدٍ فَإِنَّهُ يُجَاهَدُ بِالْحُجَّةِ وَالْبُرْهَانِ، وَيُبَيَّنُ لَهُ مَحَاسِنُ الْإِسْلَامِ، وَمَسَاوِئُ الشِّرْكِ وَالْكُفْرَانِ، فَهٰذَا مَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا" [2]

"''اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے، کہ وہ کافروں اور منافقوں کے خلاف خوب جہاد کریں۔

جب حالات سخت روّیہ استعمال کرنے کا تقاضا کریں، تو ان کے ساتھ سختی کریں۔ اور اس جہاد میں ہاتھ، حجت اور زبان سب قسم کا جہاد شامل ہے۔ جو لڑائی کے لیے مقابلے میں آئے، اس کے خلاف ہاتھ، زبان، تلوار اور نیزے کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ جو شخص ذمہ یا عہد کے ذریعے نظام اسلامی کا تابع ہو، اس کے خلاف دلیل وبرہان سے جہاد کیا جائے۔

اسے اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا جائے اور اس کے سامنے شرک اور کفر کی خرابیوں کو واضح کیا جائے۔ دنیا میں ان کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا جائے گا۔'' کیا [دلیل کے ساتھ جہاد] [تلوار کے ساتھ جہاد] سے افضل ہے؟ بعض علمائے امت نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے، کہ [حجت وبرہان کے ساتھ جہاد] [تیر اور تلوار کے جہاد] سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

اس موضوع کے متعلق ذیل میں چند ایک علماء کے اقوال ملاحظہ فرمایئے: ا: علامہ زمخشری نے آیت کریمہ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ...الآیة کی تفسیر میں تحریر کیا ہے:

''انہیں حکم دیا گیا، کہ ہر جماعت میں سے ایک گروہ جہاد کے لیے جائے اور باقی لوگ تفقہ فی الدین میں مشغول رہیں، تاکہ یہ سلسلہ ختم نہ ہو، جو کہ درحقیقت [جہاد اکبر] ہے، کیونکہ دلیل کے ساتھ مجادلہ کا اثر تلوار کے ذریعے قتال سے زیادہ ہوتا ہے۔''[1]

ب: طلبِ علم کی خاطر نکلنے کے فی سبیل اللہ ہونے پر آیت کریمہ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ...الآیة سے استدلال کرتے ہوئے امام طیبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تفقہ فی الدین کی ترغیب دی اور انہیں حکم دیا، کہ ہر جماعت میں سے ایک گروہ جہاد کے لیے روانہ ہوا اور دوسرا گروہ دین سیکھنے کے لیے رک جائے، تاکہ یہ سلسلہ منقطع نہ ہو، جو کہ [جہاد اکبر] ہے۔''[2]

ج: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

اس سلسلے میں ان کے اقوال میں سے تین درج ذیل ہیں:

ا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد کے اعتبار سے سب سے زیادہ بلندی پر تھے، آپ نے ہر قسم کا جہاد کیا، قلب وروح، دعوت وبیان اور تیر اور تلوار کے ساتھ جہاد کا حق ادا کر دیا، دل، زبان اور ہاتھ کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے آپ کے اوقات وقف تھے اور اسی بنا پر آپ کی شان سارے جہان والوں سے بلند تھی اور آپ کی قدر ومنزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ تھی۔ ابتدائے بعثت ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ۔ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا﴾[1]

[اور اگر ہم چاہتے، تو ہر ایک بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے، پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور اس [قرآن] کے ذریعے پوری طاقت سے ان کے ساتھ بڑا جہاد کریں] اس مکی سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں کے خلاف [حجت و بیان اور تبلیغ قرآن کے ذریعے] جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح منافقوں کے خلاف جہاد [دلیل کے پہنچانے کے ذریعے] سے ہے، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے اسلامی حکومت کے ماتحت ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ [1]﴾"[2]

[اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سخت ہو جاؤ، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین جگہ ہے] پھر امام رحمہ اللہ نے تحریر کیا: "منافقوں کے خلاف جہاد کافروں کے مقابلے میں جہاد سے زیادہ کٹھن ہے۔

یہ جہاد تو خواصِ امت اور رسولوں کے جانشینیوں کا کام ہے۔

اس کے کرنے والے دنیا میں گنتی کے لوگ ہیں، وہ تعداد میں اگرچہ قلیل ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں شان و عظمت میں سب سے بلند و بالا ہیں۔"[3]

۲: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک اور مقام پر قلم بند کیا ہے: علم اور جہاد سے دین کا قیام ہوتا ہے اور اسی لیے جہاد کی دو قسمیں ہیں: [پہلی قسم] ہاتھ اور تیر کے ساتھ جہاد اور اس میں شریک ہونے والے بہت ہیں، دوسری قسم: دلیل و بیان کے ساتھ جہاد اور یہ جہاد رسولوں کے اتباع میں سے خواص کا ہے اور یہی اماموں کا جہاد ہے۔ جہاد کی یہ قسم اپنے فائدے، شدید مشقت اور دشمنوں کی کثرت کے سبب دونوں قسموں میں سے افضل ہے۔[4]

۳: حضرت امام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں: "امت کو سنت پہنچانا، دشمن کے سینے میں تیر پہنچانے سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ تیر تو بہت سے لوگ برسا لیتے ہیں، لیکن سنن کی تبلیغ کا کام تو انبیاء کے وارثین اور ان کی امتوں میں سے ان کے جانشین ہی سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل فرمائے۔"[1]

اے ہمارے رحمن ورحیم رب! ہم ناکاروں، ہماری اولادوں اور بہن بھائیوں کو بھی۔ إِنَّكَ سَمِيعٌ مُّجِيبٌ۔ د: آیت کریمہ

﴿فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے جہاد باللسان کی تیر کے ساتھ جہاد پر فضیلت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿جِهَادًا كَبِيرًا﴾ [بڑا جہاد]، کیونکہ دلائل کے ساتھ بیوقوفوں کے مقابلے میں جہاد کرنا دشمنوں کے خلاف تلوار سے جہاد کرنے سے بڑا ہے۔"[2]

جہاد باللسان کی افضلیت کے متعلق حدیث:

جہاد باللسان کی جہاد بالسیف کے مقابلے میں فوقیت پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے، جسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ "[3]

"افضل جہاد ظالم حاکم کے روبرو انصاف کی بات کہنا ہے۔"

خلاصہ گفتگو یہ ہے، کہ دعوت الی اللہ تعالیٰ کی رفعت و منزلت نمایاں کرنے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جہاد کا نام دیا ہے اور بعض علمائے امت نے دلیل و برہان کے ساتھ جہاد کو جہاد بالسیف سے افضل قرار دیا ہے اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے بھی یہ بات ثابت ہے، کہ ظالم حاکم کے روبرو جہاد باللسان بہترین جہاد ہے۔

اسلام نے میرے ضمیر کو مطمئن کر دیا

چند ہفتے بغور مطالعہ کے بعد میں قرآنِ حکیم کا بائبل سے موازنہ کرنے کے قابل ہو گیا۔

اس تقابل سے یہ واضح ہو گیا کہ مجھے نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہی میرے ضمیر کا تقاضا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر خلوص دین اور سادگی سے میں بہت متاثر ہوا ہوں اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے میں ہر حال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

آپ کی تعلیمات میں کوئی بات صیغۂ راز میں نہیں رکھی گئی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ جب میں ویلز (Wales) میں اپنی قوم کے لوگوں کے پاس واپس جاؤں گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے اُن لوگوں کی آنکھیں کھولنے اور اُن کو گمراہی کی تاریکی سے نکالنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔[2]

[ڈی ایچ جونز] (D.H.Jones)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقیات کے ایک مثالی نظام کے تحت حیاتِ طیّبہ گزاری

ادھیڑ عمر کو پہنچ کر جو شخص اپنا مذہب تبدیل کرے، یقیناً اُس کے پاس اپنی زندگی کے اس انتہائی اہم اقدام کا معقول جواز ہوتا ہے۔

میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ کسی نظام اخلاق کو ایسی غیر معمولی اور غیر فطری باتوں سے چار چاند لگ جاتے ہیں جو عوام الناس کے تصوّر کے لیے تو پر کشش ہوں مگر عقل کے معیار پر پوری نہ اترتی ہوں، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، تثلیث اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبینہ طور پر مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کے عقائد کے بارے میں عیسائیوں کی روایات اُن لوگوں کے لیے غیر ضروری اور ناپسندیدہ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کمال کو اپنی حیثیت منوانے کے لیے کسی تشہیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا تاریخی ثبوت کہاں ہے ؟

کیا یہ انوکھی بات نہیں کہ تاریخ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں سال پہلے کے واقعات بھی انتہائی یقین سے پیش کرتی ہےلیکن اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے ایک فرد کا ذکر سرسری اور انتہائی مبہم طور پر کیا گیا ہے۔

اس بات کے حق میں خاصے دلائل دیے جاسکتے ہیں کہ عہد نامۂ جدید محض اندھے اعتقاد پر مبنی ہے۔

اسلام میں کسی کے لیے کوئی امتیاز نہیں۔ ہر رنگ اور ہر قوم کے مسلمان اس ریاکارانہ تفاخر کے بغیر یکجا ہوتے ہیں جس سے عیسائی علماء بھی نہیں بچ سکے۔ مسلمان امیر ہوں یا غریب، اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کے باعث ممتاز اور منفرد ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ دنیوی چیزیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

مزید برآں آپ نے ہمیں جنت کی راہ دکھائی۔ آپ نے ایک ایسے ضابطۂ اخلاق کے مطابق زندگی بسر کی جو ہمیشہ مقبول عام اور پسندیدہ رہا، نیز اللہ تعالیٰ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خالق کے پیغام پر عمل کر کے دکھادیا۔

مسلمانوں کے لیے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ اُن کے عقیدے میں کوئی مافوق الفطرت یا انتہائی تعجب خیز بات شامل نہیں اور جب اسلام اور مسلمانوں کی سادگی اور اللہ کے بالمقابل انسان کی بے بسی پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس بات پر فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں دائمی نبوت کے حامل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہوں۔[1]

[اے کین] (A.Kane)

اسلام عقل اور خلوص پر مبنی دین ہے

میں خلوص سے عاری اور رہبانیت پر مبنی دین سے بے حد بیزار ہوں۔ اس کے نظریات کراہت آمیز اور اس کے مباحث نفرت انگیز ہیں۔

میرا دماغ کسی زیادہ معقول اور خالص دین کا تقاضا کرتا ہے اور میرا ضمیر کہتا ہے کہ (اسلام کی شکل میں) مجھے ایسا دین مل گیا ہے۔[2]

[لیونیل ایش ورتھ-لندن] (Lionel Ashworth-London)

اسلام میں سب کچھ موجود ہے

گذشتہ چند ہفتوں میں مجھے قرآنِ حکیم کا جو نسخہ اور دیگر اسلامی لٹریچر موصول ہوا ہے، میں اس سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اسلام میں مجھے وہ سب کچھ مل گیا ہے جو مجھے مطلوب تھا مگر عیسائیت میں اس کا نشان تک نہیں تھا۔

اسلام سے متعارف ہونے سے پہلے میرے عقائد مبہم تھے، غالباً اس لیے کہ میں نے ان پر مناسب حد تک غور نہیں کیا تھا۔ آپ نے میری رہنمائی ایسے دین کی طرف کی ہے جو مجھے ہر پہلو سے مکمل لگتا ہے۔[3]

(T.H.McC Barklie- Clontarf, Dublin, Ireland) [ٹی ایچ میکبار کلی-کلونٹارف، ڈبلن، آئرلینڈ]

مجھے یقین ہے کہ اسلام میں سب اہم باتیں موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ عیسائیت ایک نامکمل دین ہے

بچپن سے بلوغت تک عیسائیت میں تربیت پانے اور اس مذہب کے جملہ عناصر سے واقفیت رکھنے کے باعث مجھے یہ یقین ہے کہ اسلام اُن تمام اہم باتوں پر محیط ہے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عیسائیت ایک نامکمل مذہب ہے۔ جب میں نے روزانہ مسلمانوں کو پاک صاف ہو کر نماز پڑھتے اور اپنے خالق کے سامنے سجدہ ریز ہوتے دیکھا تو میرا یقین پختہ ہو گیا، مجھے اسلام کی جانب کشش محسوس ہوئی اور میں اسلامی کتابیں پڑھنے لگا جن کا مطالعہ بالآخر میرے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کرنے کا باعث بنا۔[1]

(Muhammad Mustapha Colley-Bathurst, Gambia) [محمد مصطفی کولی-باتھرسٹ، گیمبیا]

اسلام کا عالمگیر تصورِ

انسانیت اسلام کا تصور اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ بذات خود انسانیت۔ اور یہ دین اُن کافرانہ عقائد سے پاک ہے جو عیسائیت کی بنیاد ہیں، مثلاً کفارہ، نجات اور نجات دہندگی۔

یہ سمجھنا ہمارے شعور کی توہین ہے کہ عہدِ جاہلیت سے مستعار لیے گئے توہمات اور قصّے کہانیوں کو اپنی نجات کے ضامن سمجھ لیں۔

میں نے اسلام پر جو کتابیں پڑھی ہیں اب وہ اپنے دوستوں تک پہنچا رہا ہوں تا کہ اُنھیں بھی حق کی وہ روشنی نظر آسکے جس سے اب تک اُن لوگوں کو محروم رکھا گیا۔[2]

(Omer Ali R.T.Dobson-London) [عمر علی آر ٹی ڈوبسن-لندن]

مجھے یقین ہے کہ اسلام میں سب اہم باتیں موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ عیسائیت ایک نامکمل دین ہے

بچپن سے بلوغت تک عیسائیت میں تربیت پانے اور اس مذہب کے جملہ عناصر سے واقفیت رکھنے کے باعث مجھے یہ یقین ہے کہ اسلام اُن تمام اہم باتوں پر محیط ہے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عیسائیت ایک نامکمل مذہب ہے۔ جب میں نے روزانہ مسلمانوں کو پاک صاف ہو کر نماز پڑھتے اور اپنے خالق کے سامنے سجدہ ریز ہوتے دیکھا تو میرا یقین پختہ ہو گیا، مجھے اسلام کی جانب کشش محسوس ہوئی اور میں اسلامی کتابیں پڑھنے لگا جن کا مطالعہ بالآخر میرے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کرنے کا باعث بنا۔[1]

(Muhammad Mustapha Colley-Bathurst, Gambia) [محمد مصطفی کولی- باتھرسٹ، گیمبیا]

اسلام کا عالمگیر تصورِ انسانیت

اسلام کا تصور اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ بذات خود انسانیت۔ اور یہ دین اُن کافرانہ عقائد سے پاک ہے جو عیسائیت کی بنیاد ہیں، مثلاً کفارہ، نجات اور نجات دہندگی۔ یہ سمجھنا ہمارے شعور کی توہین ہے کہ عہدِ جاہلیت سے مستعار لیے گئے توہّمات اور قصّے کہانیوں کو اپنی نجات کے ضامن سمجھ لیں۔

میں نے اسلام پر جو کتابیں پڑھی ہیں اب وہ اپنے دوستوں تک پہنچا رہا ہوں تاکہ اُنھیں بھی حق کی وہ روشنی نظر آ سکے جس سے اب تک اُن لوگوں کو محروم رکھا گیا۔[2]

(Omer Ali R.T.Dobson-London) [عمر علی آر ٹی ڈوبسن -لندن]

اسلام کا سادہ حُسن ہمارے لیے باعثِ امن وسکون ہے

ہمارے خیال میں عیسائی چرچ کی تعلیمات بہت زیادہ نظریاتی ہیں۔

آپ خواہ کتنی ہی اچھی زندگی بسر کریں لیکن اگر ان نظریات سے اختلاف کریں تو آپ (عیسائیوں کی نظر میں) ہمیشہ کے لیے مردود و مقہور بن جاتے ہیں۔

اسلام کے سادہ اور سہل حُسن نے ہمیں امن وسکون اور سمجھ بوجھ فراہم کی ہے اور ہم بہت خوش ہیں۔[1]

(Mrs. G.Petterson & .Mr) [مسٹر اینڈ مسز جی پیٹرسن]

اسلام ہی وہ دین ہے جس کی مجھے ہمیشہ تلاش رہی

اسلام ہی وہ دین ہے جس کی مجھے ہمیشہ طلب رہی۔ یہ سمجھنے میں بہت آسان، انتہائی خوبصورت اور فطری دین ہے۔ میں نے اس کا بار بار مطالعہ کیا۔

میں جانتا ہوں کہ اس کا مطالعہ میرے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے، خصوصاً اس لیے کہ اپنے آبائی مذہب پر یقین رکھنا میرے لیے ناممکن تھا۔

میں اس بات پر کبھی یقین نہ کر سکا کہ کوئی لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے موت سے ہمکنار ہو گیا۔ میرا ہمیشہ یہ ایمان رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نبی اور انسانوں میں سے بہتر اور افضل تھے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اگر یہ بات نہ مانیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کی وجہ سے مصلوب ہوئے تو ہم ہمیشہ کے لیے مردود ٹھہریں؟ میں بے شمار لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوں جن کے عقائد مختلف ہیں۔

اللہ جو سب سے اتنی محبت کرتا ہے وہ (نعوذ باللہ) اتنا ظالم کیوں کر ہو سکتا ہے؟ میرا یقین ہے کہ وہ ظالم نہیں۔

میرے خیال میں خوشی کے حصول کے لیے دین ضروری ہے اور وہ شخص جو اپنے مذہب پر یقین رکھے، روزانہ مطالعہ کرے، ہمیشہ نیک کام سوچے اور نیک کام کرنے کی خواہش رکھے، اللہ سے مدد مانگے اور اس بات کو تہ دل سے تسلیم کرے کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے جو اس کے لیے بہترین خیال کرتا ہے، اپنے سب معاملات اللہ ہی پر چھوڑ دے اور اسلام کے اس سنہری اصول پر عمل کرے یا عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرے تو وہ محفوظ اور مسرور رہ سکتا ہے۔[1]

(R.B. Stockholm, Sweden) [آر بی - سٹاک ہولم، سویڈن]

اسلام میں مجھے مکمل سکون اور اطمینان مل گیا

میں (آپ کی ارسال کردہ) کتب کا مطالعہ کر کے بہت مسرور ہوا۔ اسلام میں مجھے ہر طرح کا امن و سکون میسر آ گیا۔ عیسائی مذہب سے تو میں کبھی مطمئن نہ ہوا تھا کیونکہ مجھے اس مذہب میں کمی نظر آتی تھی۔

بائبل کی "پیدائشی گناہ" (Born in Sin) جیسی عبارات مجھے بالکل نہیں بھاتی تھیں۔ اب اسلام کی آغوش میں آ کر میں نے محسوس کیا کہ یہ سچا مذہب ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ میں اپنی اصلاح کروں گا اور اسلام کا ایک سچا پیروکار بنوں گا۔[2]

(Robert E.Walker-Edinburgh, U.K) [رابرٹ ای واکر - ایڈنبرا، برطانیہ]

مجھے عیسائیت سے نفرت ہے مگر میں اپنی روزی سے محروم نہیں ہونا چاہتا

آپ نے میرے لیے جو نام منتخب کیا ہے وہ بہت مناسب رہے گا اور میں فوری طور پر یہی نام رکھ رہا ہوں۔

دو دن قبل ایک خاتون میرے پاس آئیں اور انھوں نے مجھے اپنے ویزلیان (Wesleyan)

میں واقع گرجے میں آنے کی دعوت دی۔

میں نے انھیں مطلع کیا کہ میں تو مسلمان ہوں۔ اُن کے جواب نے مجھے حیران کر دیا کیونکہ اُنھوں نے کہا: "عیسائیت پر مجھے بھی یقین نہیں ہے بلکہ میں تو اس سے نفرت کرتی ہوں، مگر مجھے ایک پادری نے مذہبی پمفلٹ تقسیم کرنے اور چرچ کے ارکان کی تعداد بڑھانے پر مامور کر رکھا ہے، لہٰذا میں (عیسائیت سے نفرت کے باوجود) اپنی روزی کا وسیلہ کھونا نہیں چاہتی۔"

اب آپ ہی بتائیں کہ کیا کسی مذہب کے پرچار کے لیے معاوضہ وصول کرنا اور پھر اسے بُرا کہنا جائز اور باعزت کسبِ معاش کہلا سکتا ہے؟[1]

[ای جے صادق بروملے - پورٹس ملاؤتھ، برطانیہ] (E.J.Sadik Bromley-Portsmouth, U.K)

میرے خیالات فطری طور پر اسلام سے مطابقت رکھتے ہیں

میں ایک سال سے بھی زائد عرصہ اپنے اختیار کردہ دین (اسلام) میں بسر کر چکا ہوں۔

اور میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جوں جوں اسلام کے بارے میں میرا علم بڑھتا جاتا ہے، میرا ایمان مزید پختہ ہوتا جاتا ہے اور میرے ایمان اور خلوص میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔

میں نے اپنے قبلِ اسلام کی سالانہ تقریب یوں منائی کہ اُس چرچ کے پادری کو ایک خط لکھا جہاں میں نے عیسائیت کے مختلف رسمی مراحل طے کیے تھے۔

اس خط میں میں نے انھیں یہ بتایا کہ میں اب عیسائیت کے عقائد پر ایمان نہیں رکھتا۔

میں نے واحد ممکن قدم اٹھایا اور ایک ایسا دین (اسلام) قبول کر لیا ہے جو میرے خیالات کے عین مطابق ہے۔[2]

[سلیم آر ڈی گرے فرتھ - لیڈز، برطانیہ] (Salim R.De Grey Firth-Leeds, U.K)

اسلام ضمیر اور عقل کو مطمئن کرتا ہے

اسلام ضمیر اور عقل کو مطمئن کرتا ہے اور انسان کو فرقہ وارانہ اور نسلی تعصّبات سے بالاتر بنادیتا ہے۔

یہ انسان کو اللہ تعالیٰ اور فطرت کے عالمگیر دین فطرت اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ دے کر اس کے کردار کی اصلاح کرتا ہے۔[1]

(Togo Tzushima-London) [ٹوگوزوشیما-لندن]

اسلام پادریوں پر انحصار کے بجائے خود انحصاری کا درس دیتا ہے

اسلام پادریوں پر انحصار کے بجائے خود انحصاری کا درس دیتا ہے اور اس طرح ہمیں اپنے آپ کو دریافت کرنے میں مدد دیتا ہے۔

یہ انسانیت آموز خود انحصاری کا وہ سبق ہے جس کی انسان کو اشد ضرورت ہے تاکہ اس کے مطابق تہذیب اور کاروباری زندگی کو منظم کیا جائے اور انسانیت کے مفاد کی خاطر تمام نسلوں کو ایک بڑی برادری کی صورت میں اکٹھا کر دیا جائے۔[2]

(A.Vaughan-Spruce, Worcester) [اے واگھان سپروس-ورسیسٹر]

اسلام سادہ اور معقول دین ہے

جیسا کہ "ریویو" میں مذکور ہے، اسلام کی جو خوبی مجھے سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کی سادگی اور معقولیت ہے کیونکہ یہ دین (عیسائیت کی طرح) مقدّسین اور پادریوں کے نظریات اور غلط رسوم میں اُلجھا ہوا نہیں ہے۔

اگرچہ میں کلیسائے انگلستان کا رکن ہوں، میری ابتدائی تعلیم اور تربیت اس کے مطابق نہیں ہوئی بلکہ بیس سال کی عمر میں، میں اس چرچ کا رکن بنا۔ مجھے اپنے چرچ سے بہت تسکین ملی ہے اور اب بھی مل رہی ہے مگر ایمانیات اور عقائد میں مجھے کئی نکات پر اس دین سے اختلاف ہے۔

اپنے طور پر میرا یہ یقین ہے کہ اسلام ہماری جدید تہذیب کے مسائل کا عیسائیت کے مقابلے میں زیادہ اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ اس ملک میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھیں اسلام سے اگر متعارف کرایا جائے تو وہ اسلام قبول کرلیں گے۔

وہ عیسائیت کی رائج تعلیم اور اعمال سے مطمئن نہیں ہیں۔[1]

(Winthrop Kimball) [وِن تھراپ کِمبال]

اسلام ایک خوبصورت دین ہے

اسلام ایک خوبصورت دین ہے۔ جو لوگ اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہیں جتنا کوئی انسان اس کے قریب ہو کر امن اور سکون حاصل کر سکتا ہے۔[2]

[امینہ ایگنس ڈیوس] (Ameena Agnes Deeves)

اسلام کو عیسائیت پر زبردست برتری حاصل ہے

میرے مطالعۂ اسلام کا ایک اور نتیجہ یہ ہے کہ میں پیغمبر اور مُصلحِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمہوریت نواز دین کی مدّاح بن گئی ہوں جسے قبول کر کے اب مجھے بے حد مسرت اور اطمینان حاصل ہو رہا ہے۔

اگرچہ میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ اصلاح شدہ عیسائیت ایک بہت بڑا مذہب ہے، پھر بھی میں اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی کہ اسلام نہ صرف عیسائیت کے بہترین اصولوں کی تعلیم دیتا ہے بلکہ یہ اپنے فکری اور روحانی تصورات اور زیادہ صحت مند سماجی نظام کی بنیاد فراہم کرنے والے اصولوں کی بنا پر عیسائیت پر زبردست برتری بھی رکھتا ہے۔[1]

[مس آمنہ اے بیمفورڈ- کیو روڈ رچمنڈ، ساؤتھ ویلز، برطانیہ]

(Miss Amina A.Bamford-Kew Road, Richmond, S,W-U.K)

اسلام نے مجھے عبادت کے لائق معبودِ حقیقی سے متعارف کرایا

میں نے اسلام کو ایک ایسا دین پایا جس کی سادگی انسان کو اسے اپنانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ابتدا میں میرا اللہ کے متعلق تصور احترام سے زیادہ خوف پر مبنی تھا۔ اللہ کا قہر اس کی رحمت سے زیادہ لگتا تھا۔

بعد میں میرا "اللہ" کے بارے میں تصور بدل گیا اور اعمال بھی، اس لیے کہ ہمارے اعمال ہمارے خالقِ حقیقی کے متعلق گمان کے مطابق ڈھل جاتے ہیں۔ اسلام نے مجھے عبادت کے لائق معبودِ برحق سے روشناس کرایا اور اس کے احکام کی پیروی کا جذبہ میرے دل میں پیدا کر دیا۔[2]

[آمنہ براؤن] (Amina Browne)

اسلام ہی سب سے پُر خلوص دین ہے بد قسمتی سے چرچ آف انگلینڈ بہت تنگ نظر اور انتہا پسند ہے۔ اس کی کوئی نظریاتی بنیاد ہے نہ اس میں سادگی ہے جبکہ اسلام انتہائی پُر خلوص دین ہے جو بے پناہ صداقت اور علم سے مالا مال ہے۔[1]

[مس ایلین رحیمہ لیسی-ور سیسٹر، برطانیہ]

(Miss Eileen Rahifont-family:'4 MUHAMMADI QURANIC OLD#';Lacey-Worcester, U.K)

اسلام نے مجھے دعا اور نماز کا عادی بنایا اور اللہ واحد پر ایمان عطا کیا

عیسائیت کے مختلف نظریات پر یقین سے محروم ہو کر میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام نے مجھے نماز اور دُعا کا عادی بنا دیا ہے اور ایک اللہ پر ایمان عطا کیا ہے۔ اب زندگی کے سفر میں میرا رویہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ خوشگوار ہے۔ میری روح نے مجھے سچے دین کا راستہ دکھایا تو اسلام میرا انتخاب ٹھہرا۔[2]

(Halifont-family:'4 MUHAMMADI QURANIC OLD#';Marie Matthews) [حلیمہ ماری میتھیوز]

اسلام کے پاکیزہ اور سادہ اصول اور پُر خلوص اسلامی بھائی چارہ معجز نما ہیں

ایک دفعہ عید کے دن مسجد میں جانا ہوا تو اسلام کی محبت میرے دل میں سماگئی اور بالآخر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے پاکیزہ اور سادہ اصول اور پُر خلوص اسلامی بھائی چارہ معجز نما ہیں۔[3]

(Miss Hamida B.Bond-London) [مس حمیدہ بی بانڈ-لندن]

میں سچا، سادہ، پُر اخلاص اور فطری دین "اسلام" قبول کر کے خوش ہوں

میں سچا، سادہ، پُر اخلاص اور فطری دین اسلام قبول کر کے خوش ہوں۔

یہ فلسفیانہ نظریات سے پاک ہے اور طبقۂ علماء کی بے جا مداخلت سے بھی محفوظ ہے۔ اس کی وسیع النظری، لچک اور سادہ اصول میرے ذہن کو بہت متاثر کرتے ہیں۔[1]

(Jessie Ameena Davidson) [جیسی امینہ ڈیوڈسن]

اسلام کے اصول قابلِ عمل اور معقول ہیں

عیسائیت کے تنگ نظریات اور توہم پرستی کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں جبکہ اسلام کے اصول قابلِ عمل اور معقول ہیں۔[2]

[مس جون فاطمہ ڈینسکب -لندن]

(Miss Joan Fatifont-family:'4 MUHAMMADI QURANIC OLD#';Dansken-London)

اسلام کے اصولوں پر عمل کرکے دنیا کی بہت سی موجودہ مشکلات سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے

"اسلامک ریویو" میں کچھ مضامین، خاص طور پر باقاعدہ شائع ہونے والے مراسلات پڑھ کر میں نے آج سے کئی ماہ قبل اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا مگر مجھے اپنے آپ پر اعتماد نہ تھا۔ مجھے اس بات کا ثبوت درکار تھا کہ میں ایک درست قدم اٹھا رہی ہوں۔

میں اسلامی لٹریچر کا زیادہ تو مطالعہ نہیں کرسکی مگر قرآنِ حکیم سے تھوڑا بہت جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس نے مجھے اس بات کا قائل کردیا ہے کہ اسلام ہی واحد سچا دین ہے جو مساوات پر مبنی ہے۔

میں یہ کہنے کی اجازت چاہوں گی کہ آج کے دور کی بہت سی مشکلات سے نجات اسلام کے اصولوں ہی پر چل کر حاصل کی جاسکتی ہے جس کے معنی ہی سلامتی کے ہیں۔

مس مائی فینی ڈیویز کے قبول اسلام کا اقرار نامہ: "میں مس مائی فینی ڈیویز، ساکن ہیمپٹن (Hampton) سٹریٹ، ایس ای 17، اس بات کا خلوص دل اور سنجیدگی سے اعلان کرتی ہوں کہ میں نے اپنی مرضی سے صرف اللہ عزوجل کی عبادت کا عقیدہ اپنالیا ہے۔

میرا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ میں تمام انبیاء، جیسے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیا علیہم السلام کا برابر احترام کرتی ہوں اور یہ بھی کہ میں اللہ عزوجل کی توفیق سے ایک مسلمان کی زندگی گزاروں گی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ "اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں۔"[1]

[مس مائی فینی ڈیویز، انگلینڈ] (Miss Myfanwy Davies-U.K) **اسلام مرد وزن، دونوں کو نجات دیتا ہے** جب میں نے پال (Paul) اور ابتدائی دور کے دوسرے عیسائی پیشواؤں کے خواتین کے بارے میں اقوال، مثلاً: "عورت شیطان کی آلہ کار ہے" وغیرہ پڑھے تو میں نے دین اسلام کا

مطالعہ شروع کر دیا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ اس دین میں مذہبی رہنماؤں کی مداخلت کے بغیر مردوزن کے لیے نجات کا یکساں وعدہ ہے۔ آپ کا "ریویو" عیسائیت کے متعلق معلوماتی کتب Sources of Christianity (مسیحیت کے سرچشمے) اور Ideal Prophet (مثالی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) حقیقتاً بہت دلچسپ ہیں اور اگر ان کتابوں کو تعلیم یافتہ عیسائی طبقوں میں پھیلایا جائے تو یہ یقیناً انھیں ان کے نام نہاد "چرچ فادرز" کی اُن اختراعات اور تحریفات سے متنفر کر دیں گی جو وہ دین میں وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔[1]

[مس جے، سی، اے پیریرا] (Miss J.C.A. Perera)

اسلام روح اور جسم دونوں کا احاطہ کرتا ہے

اسلام کا سب سے ممتاز وصف اتحاد ہے۔ یونیٹیرین کلیساؤں (Unitarian Churches) میں بھی اگرچہ مکمل اتحاد کی خواہش تو پائی جاتی ہے مگر ان کی رسوم اور خطبات بالکل مختلف ہوتے ہیں اور چرچ کے ارکان اگرچہ دلی طور پر ایک ہی اصول کو مانتے ہیں مگر ان کے مابین وسیع اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کسی بھی چرچ کو عوام کے اعمال کے بارے میں صرف اخلاقی حق حاصل ہوتا ہے اور چونکہ ضابطۂ اخلاق ایک ہی ہے، لہٰذا چرچ بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ مگر ضابطۂ اخلاق کے بجائے ان کے قوانین تنگ نظریات اور مبہم عقائد پر مبنی ہیں۔

ان کے نظریات کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں وہ عملاً اختراعی اور مصنوعی بن جاتے ہیں۔

اسلام زندگی کے ہر معاملے اور ہر مرحلے کو مدنظر رکھتا ہے۔ یہ طہارت کے ضوابط کی وجہ سے روح اور جسم دونوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کی سادگی ذہن کو آرام دیتی ہے اور امن وسکون بہم پہنچاتی ہے۔

اس میں عیسائیت جیسی رسوم، موسیقی، مذہبی تصویروں اور ڈراموں کے ذریعے سے خاص دین سے توجہ منحرف نہیں کی جاتی۔

اسلام کے دروازے ہر وقت ہر فرد کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ یہ صرف اتوار کو نہیں کھلتے کہ اگلے اتوار تک انسان سب کچھ بھول چکا ہو۔[2]

[شمسہ امینہ۔ برطانیہ کی ایک انگریز مسلم خاتون] (Shamsa Ameena)

اسلام میں ہمارا اللہ، رحمن اور رحیم ہے

اہل اسلام کو کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ ہمارا اللہ خود رحمن ورحیم ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق انسان پیدائشی گناہ گار نہیں ہوتے بلکہ وہ پاکیزہ اور برف جیسی صاف وسفید روح لے کر دنیا میں آتے ہیں اور جنت میں داخلے کے مواقع تمام مسلمانوں کے لیے یکساں ہیں جبکہ عیسائیت میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک آپ کا بپتسمہ نہیں ہوتا، آپ جنت میں داخل نہیں ہوسکتے۔[1] [ٹریسا گورڈن] (Teresa Gordon)

اسلام کے بارے میں اسلام قبول کرنے والوں کے مختصر خیالات اسلام روزمرہ کی زندگی میں انسانوں کی رہنمائی کرتا

ہے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جہاں اسلام انسان کی روزمرہ زندگی کے لیے رہنمائی کرتا ہے وہاں آج کی نام نہاد عیسائیت نظریاتی طور پر بالواسطہ اور عملی اعتبار سے اجتماعاً اپنے پیروکاروں کو یہ سکھاتی ہے کہ اتوار کے دن اللہ کی عبادت کریں اور ہفتے کے باقی دن انسانوں پر ظلم توڑتے رہیں۔[1]

[سر عبداللہ آرچیبالڈ ہیملٹن، سسیکس، برطانیہ] (Sir Abdullah Archibald-Hamilton, Sussex, U.K)

مجھے اسلام ہی مطلوب تھا

میں یہ دیکھ کر اسلام کی طرف متوجہ ہوا کہ یہی وہ سچا دین ہے جو امن وسکون مہیا کر سکتا ہے۔ اسلام سے متعارف ہونے سے قبل میں نے ہر مذہب کی کتابیں پڑھیں اور پھر اسلام کا مطالعہ شروع کیا، تو جتنا پڑھتا چلا گیا اتنا زیادہ یہ احساس دل میں راسخ ہوتا گیا کہ جو کچھ میں تلاش کر رہا تھا وہ کسی اور جگہ نہیں بلکہ یقینی طور پر مجھے یہیں مل گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ اسلام ہی میرا مطلوب ہے، میں نے یہ محسوس کیا کہ مجھے کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے میں مشورہ کر سکوں اور رہنمائی لے سکوں۔

اب یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اسلام کا سچا اور اچھا پیروکار بننے کے لیے پوری پوری کوشش کروں۔[1]

[عبد الرحمن سٹینلے اینیان، برطانیہ] (Abdur-Rahman Stanley Anyan, U.K)

مستقبل کا دین اسلام کے علاوہ اور کوئی نہ ہو گا

اسلام کے حُسن کا پہلا تاثر مجھے القدس میں حاصل ہوا۔ اس سے پہلے اسلام کے بارے میں میرا علم ایسا ہی تھا جیسا کہ آج کل یورپ بھر کے سکولوں میں پڑھایا جا رہا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے محض عیسائیت اور یہودیت کے اصول لے کر ایک دین کی بنیاد رکھی جو وحشت اور تشدد پر مبنی ہے اور جس کا مقصد بے چارے عیسائیوں، بالخصوص آرمینیا کے عیسائیوں کو ختم کرنا ہے۔[2]

دراصل عیسائیت اللہ تعالیٰ سے دور ہوتی جا رہی ہے کیونکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا ہے۔

مجھے یہ امید بھی ہے اور یقین بھی کہ اسلام کا مستقبل بہت تابناک ہے، بالخصوص شمالی یورپ میں جہاں لوگ آج بے چینی سے کسی ایسے دین کے لیے

تڑپ رہے ہیں جو انھیں عیسائیت سے زیادہ سُکھ اور سکون دے سکے کیونکہ (عیسائیت) ہر لحاظ سے ناکام ہو چکی ہے، لہٰذا مستقبل کا مذہب اسلام کے علاوہ کوئی اور ہرگز نہ ہو گا۔[3] [علی احمد نود ہولمبو، ڈنمارک] (Ali Ahmad Knud Holmboe)

اعتدال اور تقویٰ اسلام کی کلیدی خصوصیات ہیں

اسلام کی سادگی، مساجد کا بے حد متاثر کن ماحول، اس کے مخلص پیروکاروں کا ذوق وشوق اور دنیا بھر میں پانچ وقت اذان کی آواز پر لبیک کہنے والے لاکھوں لوگوں کا اعتماد افزا عمل وغیرہ ایسے عناصر ہیں جو شروع ہی سے مجھے متاثر کرتے رہے ہیں۔

دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کی وسیع النظر رواداری اسے آزادی کے متوالوں کا منظورِ نظر بناتی ہے۔ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو حکم دے رکھا ہے کہ عہد نامہ قدیم وجدید اور حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر ایمان رکھنے والوں سے اچھا سلوک کیا جائے اور سب انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی اللہ عزوجل کے نبی سمجھا جائے۔ یقیناً یہ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں ایک زیادہ فراخدلانہ اور ترقی پسندانہ رویہ ہے۔ مجھے اعتدال اور تقویٰ جو اسلام کی کلیدی خصوصیات ہیں، بے حد پسند آئے۔[1]

[کرنل ڈونلڈ ایس راک ویل، یو ایس اے] (Col. Donald S.Rockwell, U.S.A)

اسلام ہی نسلِ انسانی کے ہر فرد کی ضرورت پوری کرتا ہے

ہر چیز کی طرح عیسائیت کو بھی فنا ہو کر اللہ کے سچے دین اسلام کے لیے جگہ چھوڑنی ہے۔

اسلام حق، خلوص اور رواداری کا دین ہے جو انسان کے مفادات کو مدّ نظر رکھتا ہے اور اُسے راہِ حق دکھاتا ہے۔ صرف اسلام ہی نسلِ انسانی کے ہر فرد کی ضرورت پوری کرتا ہے اور دنیا میں مسلمان واحد قوم ہیں جن کے درمیان "سچی کتاب اخوت" پائی جاتی ہے نہ کہ عیسائیت کی طرح محض "زبردستی کا عقیدہ" (Make-belief) [2]

[سر جلال الدین لاڈر برنٹن۔ انگلینڈ] (Sir Jalaluddin Lauder Brunton- U.K)

اسلام ہی موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے

اہلِ مغرب کے ذہن کو زیادہ تر اسلام کی سادگی متاثر کرتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ایک دو مذاہب اور بھی ایسے ہیں جن تک رسائی آسان ہے مگر ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین جیسی قوت اور اخلاقی وروحانی عظمت مفقود ہے۔ اسلام کی رواداری بھی متاثر کن ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ عیسائیت کے عدم برداشت کے رویے ہی نے پہلے پہل مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ عیسائی چرچ آج کے مسائل سے نمٹنے کی اہلیت سے عاری ہے۔ ان مسائل کا حل صرف اسلام ہی پیش کرتا ہے۔[1]

[جان فشر۔ نیو کیسل، برطانیہ] (John Fisher- New Castle, U.K)

اسلام کی سادگی اور اس کے پیروکاروں کے خلوص نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا

اسلام قبول کرنے کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں زندگی کے ایک اہم موڑ پر آپہنچا ہوں اور اپنے قبولِ اسلام کی وجہ آپ پر واضح کرنے کے لیے میں نے اپنا ذاتی تجزیہ کیا ہے جو درج ذیل ہے: "اسلام کی سادگی اور اس کے پیروکاروں کی لگن نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا۔ مجھے عیسائیت کے سوا تمام مذاہب کو کفر اور ان کے پیروکاروں کو کافر سمجھنا سکھایا گیا تھا۔

اسلام نے مجھے اپنے پانچ ارکان میں سے ایک رکن کے ذریعے سے مادیت کے بندھنوں کو توڑنا سکھا دیا اور یہ رکن نماز ہے۔ اسلام کی یہ عبادت مجھے مسلسل رب تعالیٰ، اس کی مخلوق اور میرے نفس کے متعلق ان فرائض کی یاد دلاتی رہتی ہے جو میرے ذمے ہیں۔"[1]

(Khalid D'Larnger Remraf) [خالد ڈی لارنجر ریمراف]

میں اسلام کو موجودہ تمام مذاہب پر ترجیح دیتا ہوں جو سب تصوراتی ہیں اسلام ترقی کا علم

بردار ہے اور اس سے ہمیشہ یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا اسی طرح ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے پہلے سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور علم کی روشنی سے منور ہو جائے گی جبکہ عیسائیت نے ہمیشہ اجتہادی ذہن کو دبانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی معلومات اتنی کم ہیں کہ ہم انہیں نمونۂ ہدایت قرار نہیں دے سکتے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک دن کے بارے میں معلومات ہمیں میسر ہیں۔

اسلام ہمیں وقار، ایثار اور نیک کاموں کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی وہ اعمال ہیں جو ہمیں جنت کے قریب تر لے جاتے ہیں۔ عقائد کے ساتھ ساتھ جب تک اعمال نہ ہوں اس وقت تک عقائد کی کوئی اہمیت نہیں۔[2]

(Dr. Shaikh Khalid Sheldrake- London) [ڈاکٹر شیخ خالد شیلڈریک-لندن]

اسلام واحد دین ہے جو جدید تہذیب کے لیے ہمیشہ قابلِ قبول رہے گا

اسلام وہ واحد دین ہے جو جدید تہذیب کے لیے، خاص طور پر میرے اور موجودہ نسل کے لوگوں کے لیے، ہمیشہ قابلِ قبول رہے گا۔ مجھے اب مکمل یقین ہے کہ بالآخر مجھے وہ سچ مل گیا ہے جس کا میں متلاشی تھا۔ اب میرا ایک دین ہے جسے میں صحیح معنوں میں سمجھ سکتا ہوں اور اس پر عمل کر سکتا ہوں ۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں نئی قوت اور ولولے کے ساتھ زندگی کی مشکلات کا سامنا کر سکتا ہوں۔

میرا یہ عزم ہے کہ بعض اُن لوگوں تک بھی اسلام کی روشنی پہنچادوں جو میری طرح اپنے عیسائی عقائد سے مطمئن نہیں ہیں اور انہیں بھی وہ ذہنی سکون میسر آجائے جو ہمارے عظیم اور ذی شان دین اسلام کا خاصہ ہے۔[1]

[ٹی ایچ میک بارکلی] (T.H.McC Barklie)

مجھے اسلام میں حقیقی سکون اور ہدایت کی روشنی مل گئی

تقریباً دس سال کے طویل عرصہ تک میں شک اور مایوسی کے ویرانوں میں بھٹکتا رہا اور اب میں خوش ہوں کہ بالآخر مجھے اسلام کی صورت میں حقیقی سکون میسر آگیا اور ہدایت کی روشنی مل گئی۔

میں اس اسلامی برادری کا رُکن بن کر بہت خوش ہوں جس کی آفاقیت کو کبھی چیلنج نہیں کیا جاسکا اور جو اپنے اخوت اور مساوات کے نظریات پر گزشتہ چودہ سو سال سے عمل پیرا ہے جبکہ دوسرے مذاہب کے پیروکار محض زبانی جمع خرچ ہی کو ہدایت کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور اپنے نظریات پر عمل کو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اسلام ایک سادہ دین ہے۔ یہ دین صرف اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا نام ہے جن کی تعلیمات تمام اخلاقی، مادی اور روحانی ضروریات کا احاطہ کرتی ہیں۔ یہ دوسرے تمام مذاہب کے بانیوں کی تعلیمات سے برتر دین ہے۔[2]

[عمر پراوٹ] (Omar Proutt)

اسلام ہی ہمیشہ میرا دین رہا قرآنِ حکیم کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے یہ علم ہوا کہ اسلام ہی ہمیشہ سے میرا دین تھا۔

اب مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ میرا کام مسلمان بھائیوں میں اللہ کی حمد وثنا اور اُس کے احکام کی تبلیغ کرنا ہے جس نے انسان کو نجات کا راستہ دکھایا۔ مجھے یہ محسوس کرکے بہت دکھ ہوتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے اسلام قبول کیوں نہ کیا۔

میں اپنی بات اس وعدے پر ختم کرتا ہوں کہ آج سے میں نے اپنی زندگی مذاہبِ عالم میں سے بہتر دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔[1]

[جے ایل سی ایچ فان بیٹم] (J.L.Ch. Van Beetem)

دین اسلام کی سادگی اور صداقت نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا

دینِ اسلام کی سادگی وطہارت، اس میں عیسائیت کے سے پیچ در پیچ نظریات اور پاپائی تقدّس کے نہ ہونے اور اس کی واضح صداقت نے مجھے خاص طور پر بہت متاثر کیا۔ مسلمانوں کی دیانت اور خلوص بھی وہ عظیم خوبیاں ہیں جن کی ہم پلہ کوئی خوبی عیسائیت میں نہیں پائی جاتی۔

اسلام کا ایک اور امتیازی وصف مساوات اور برابری ہے۔ تمام انسانوں کے درمیان مساوات صرف اسلام ہی قائم کرتا ہے اور کسی اور مذہب میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلام کا عقیدہ اتحاد پیدا کرتا ہے۔ دین اسلام تمام ادیان سے صاف ستھرا دین بھی ہے کیونکہ مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ جسم کے کھلے حصے دھونے پڑتے ہیں۔ ایسا عمل دنیا کے کسی اور مذہب میں موجود نہیں۔[2]

(اے ڈبلیو ایل فان کوئلن برگ۔المعروف ایم اے رحمان) (A.W.L. Van Kuylenburg–Known as M.A. Rahman)

اسلام کی صورت میں وہ سچا دین مل گیا جس کی مجھے مدت سے تلاش تھی

میں نے اپنا اچھا خاصا وقت قرآن کریم کے ایک انگریزی ترجمے کے مطالعے پر صرف کیا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فرمودات بار بار پڑھے تو میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اسلام کی صورت میں مجھے بالآخر وہ سچا دین مل گیا ہے جس کی مجھے ایک عرصے سے تلاش تھی۔

یہاں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر میرے ملک اور دوسرے مغربی ممالک کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات اور اس کے مقاصد سے آگاہ کر دیا جائے تو اسلام کی صفوں میں آئے دن تیزی سے اضافہ ہو گا۔

لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ بہت سے "آزاد خیال" مفکرین کے ذہن میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں اور کچھ قدامت پرست محض اس وجہ سے اپنے پرانے عقائد سے چمٹے ہوئے ہیں کہ ان میں اپنے مذہب کے اصولوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی اخلاقی جرأت نہیں ہے۔[1] [واکر ایچ ولیمز] (Walker H.Williams)

میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ یہ میرے اپنے خیالات کے عین مطابق ہے

آج مسیحی اور یہودی جن عقائد کا پرچار کر رہے ہیں، ان کے بجائے اسلام قبول کر لیا جائے تو گویا انسان دین فطرت میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ اولین ادوار کے سچے عیسائیوں یا یہودیوں کا دین تھا۔

اسلام میں رواداری اور عالمگیر انسانی بھائی چارے کا تصور موجود ہے، لہٰذا میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ یہ دین اللہ اور اس کے خوبصورت نظام کائنات کے بارے میں میرے اپنے خیالات کے عین مطابق ہے۔

یہ واحد دین ہے جسے میں صحیح معنوں میں سمجھ سکتی ہوں یہاں تک کہ اس کی سادگی اور حُسن کو ایک بچہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔[1]

[آمنہ لی فلیمنگ] (Amina Le Fleming)

اسلام ہی وہ دین ہے جس کی مجھے تلاش تھی

اسلام ہی وہ دین ہے جسے میں سکول کے زمانے سے تلاش کرتی رہی۔ میرا ذہن عیسائیت کی تعلیمات سے مطمئن نہ تھا حتیٰ کہ میں عمر میں اتنی بڑی ہو گئی کہ آزادانہ سوچ سے کام لے کر عیسائیت سے نجات حاصل کر سکوں، پھر میں سچے دین اسلام سے متعارف ہوئی۔ مجھے اسلام سے دلچسپی ہو گئی جس کی بنیاد ہی سادگی پر ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین۔

دین اسلام نے مجھے وہ سکون اور خوشی عطا کی ہے جس سے میں پہلے ناآشنا تھی۔[2]

[مس جون فاطمہ] (Miss Joan Fatima)

اگر برطانیہ اور یورپ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عالمی طاقتیں بن جائیں

عیسائیت کی کوئی بھی توضیح تسلی بخش نہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آدم اور حوا سے سرزد ہونے والے گناہ اور ان کے زمین پر اترنے کے باعث تمام بنی آدم گناہ گار پیدا ہوتے ہیں اور اپنی کوشش سے جنت کے کبھی حق دار نہیں بن سکتے۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ نہیں کہ لوگوں کو آدم اور حوا علیہ السلام کے گناہ کی سزا ملتی ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انسان معصوم (گناہ سے پاک) پیدا ہوتے ہیں اور صرف اُسی وقت جنت سے دور ہوتے ہیں جب وہ بڑے ہو کر جان بوجھ کر گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اگر برطانیہ اور یورپ کے لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عالمی طاقتیں بن جائیں کیونکہ برطانوی اور یورپی نو مسلم بہترین مسلمان ثابت ہوتے ہیں۔[1]

[خدیجہ ایف آر فیزوئی، انگلینڈ] (Khadija F.R. Fezoui, U.K) {{{

قرآن حکیم کے بارے میں اسلام قبول کرنے والوں کے خیالات قرآنِ حکیم میں روح کی افزائش کا مکمل سامان موجود ہے

میں عہد جوانی ہی سے اسلامی تہذیب اور اس کے مختلف مظاہر، شاعری اور فنِ تعمیر وغیرہ سے بہت متاثر رہا ہوں اور دل میں یہ کہتا رہا ہوں کہ وہ قوم جس نے دنیا کو ثقافت کے ہر شعبے میں اتنے حسین اور اہم شاہکاروں سے مالامال کیا، اُس نے فلسفے اور مذہب میں بھی یقیناً بہت بلند مقام حاصل کیا ہو گا۔

اسلام کے لیے اپنے دلی جذبات کی بنا پر میں نے دورِ قدیم و جدید کے تمام مذاہب کا مطالعہ اور موازنہ کیا، انھیں تنقیدی نظر سے قریب سے دیکھا اور آہستہ آہستہ مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اسلامی عبادات ہی حقیقی دین ہیں اور قرآن حکیم میں وہ سب کچھ موجود ہے جو انسان کو اپنی روحانی بالیدگی کے لیے چاہیے۔[1]

[کاؤنٹ ایڈورڈو جیوجا-اٹلی] (Count Eduardo Gioja-Italy)

عیسائیوں کی بائبل کو تو شاید امریکہ میں بھی کوئی نہیں جانتا مگر قرآن حکیم وہ کتاب ہے جسے ہر مسلمان پڑھتا ہے

عیسائیوں کی بائبل عیسائیت کی نصابی کتاب ہے۔ میں نے اس کا بارہا مطالعہ کیا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید ہی کوئی آدمی ایسا موجود ہو جو بائبل میں بیان کیے گئے قتل و غارت، زنا بالجبر اور دوسرے فحش اور گھناؤنے واقعات پر لرزہ براندام نہ ہوا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ بائبل پڑھنے کے بعد انسان "عیسائیوں کے خدا" کی ماہیت کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عیسائیوں کی بائبل تو شاید ایسی کتاب ہے جسے امریکہ میں بھی کوئی نہیں جانتا مگر قرآن حکیم وہ کتاب ہے جسے ہر مسلمان پڑھتا ہے۔

دراصل بائبل سے لوگوں کا نابلد ہونا بھی عالمِ عیسائیت کے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ مجھے عیسائیت سے بائبل ہی نے متنفر کیا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ اسلام عقلِ انسانی کو مطمئن کرتا ہے۔

اس میں نہ تو بدھ مذہب جیسی مایوسی ہے اور نہ یہ شنطو ازم اور کنفیوشزم کی طرح الوہیت سے خالی ہے اور نہ یہ "پیسے سے بنا ہوا دین" ہے۔[1]

[ہیری ای ہنکل] (Harry E.Heinkell)

قرآنِ حکیم کی اعلیٰ ہدایات اور عبارات دیکھ کر میں حیران رہ گیا

میں نے ایک مسلمان کا کیا ہوا قرآن حکیم کا ترجمہ پڑھا تو اس کی اعلیٰ ہدایات اور ایقان پرور عبارات دیکھ کر حیران رہ گیا جو کہ روز مرہ زندگی میں انسان کو اتنی دانش مندانہ اور قابلِ عمل نصیحتیں فراہم کرتی ہیں۔

میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط تعلیم کیوں دی گئی اور اس سے پہلے اتنے باکمال دین کے بارے میں سچی باتیں مجھے کیوں نہیں بتائی گئیں۔ اسلام پر اگر خلوصِ دل سے عمل کیا جائے تو انسان کے ذہن اور جسم کو سکون ملتا ہے اور اس سے ایک مکمل انسانی معاشرہ ترتیب پاتا ہے۔[2]

[حسن وی میتھیوز] (Hasan V.Mathews)

قرآنِ کریم صداقتوں سے لبریز ہے اور اس کی تعلیمات قابلِ عمل اور انتہا پسندانہ نظریات اور پُراسرار باتوں سے مبرّا ہیں

رومن کیتھولک فرقے سے تعلق کے باعث مجھے اس فرقے کے بارے میں خاصے وسیع مطالعے کا موقع ملا۔

میں نے اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کی پوری پوری کوشش کی کہ رومن کیتھولک مذہب ہی واحد سچا مذہب ہے مگر افسوس کہ اس کی پُراسرار باتوں، انتہا پسندانہ نظریات اور بعض ناقابلِ یقین عقائد پر ایمان لانے کے اصرار نے میری برداشت کا پیمانہ لبریز کر دیا۔

میں نے خود حق کی تلاش شروع کر دی اور خاموشی سے کئی سال اسی کام میں مصروف رہا۔

ہندومت اور بدھ مت میں مجھے ایسے خلا نظر آئے کہ میرے لیے اسلام کا مطالعہ ناگزیر ہو گیا۔ ایک زمانے میں، میں اسلام سے متنفر تھا۔ کوئی مسلمان میرا دوست نہ تھا کیونکہ اسلام سے مجھے اتنی نفرت تھی کہ اس کے پیروکاروں کے ساتھ میل جول بھی میں پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اسلام پر کتابیں میری کایا پلٹ کر مجھے ایک نیا انسان بنا دیں گی۔

رفتہ رفتہ میں اسلام کی تعلیمات میں اتنا منہمک ہو گیا کہ مجھے اس کا مزید تفصیلی مطالعہ کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ مجھے اسلام کے سیدھے اور پراسراریّت سے مبرّا راستے سے محبت ہو گئی۔ یہ صاف ستھرا اور سادہ دین ہے مگر اس کے مطالعہ میں اتنی گہرائی ہے کہ جلد ہی میں یہ محسوس کرنے لگا کہ نظر نہ آنے والا انقلاب قریب آ گیا ہے اور اب ان ہونی ہو کر رہے گی۔

میں نے قرآن حکیم کی کچھ عبارات پڑھیں تو میں حیران رہ گیا کیونکہ میرا خیال تھا کہ بائبل کے پائے کی کوئی اور کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم قرآن کے مطالعے سے مجھے معلوم ہوا کہ میں شدید غلطی میں مبتلا تھا۔

دراصل قرآنِ حکیم سچائیوں سے بھرپور ہے، اس کی تعلیمات قابلِ عمل ہیں اور یہ انتہا پسندانہ اور پُراسرار باتوں سے پاک ہے، چنانچہ رفتہ رفتہ میں امن ومحبت کے دین کی طرف مائل ہوتا چلا گیا، جو کہ یقیناً اسلام ہے۔[1]

[مومن عبد الرزاق-سلّیہ، سیلون(موجودہ سری لنکا)] (Mumin Abdur-Razzaque-Selliah, Ceylon)

مجھے قرآنِ کریم میں اپنے تمام مسائل کا حل، تمام ضرورتوں کی تکمیل اور تمام شبہات کا ازالہ مل گیا

قرآنِ کریم کے مطالعے سے قبل اسلام کے بارے میں میری رائے اچھی نہ تھی۔

میں نے تجسّس کی بناپر اس مقدس کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ بے دلی کے ساتھ اسے یہ سمجھ کر کھولا کہ اس میں مجھے سنگین غلطیاں، کلماتِ کفر، توہمات اور تضادات نظر آئیں گے۔ میں متعصب تھا مگر ابھی نوجوان تھا اور میرا دل بھی پوری طرح سخت نہیں ہوا تھا۔

میں نے دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک سورت کا مطالعہ شروع کیا۔ پھر دل میں شوق پیدا ہوا اور آخر کار سچ کے لیے زبردست پیاس جاگ اٹھی۔ پھر میری زندگی کا وہ اہم ترین لمحہ آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے نواز دیا اور مجھے توہم پرستی سے حق کی طرف، اندھیرے سے روشنی کی طرف اور عیسائیت سے اسلام کی طرف آنے کی توفیق عطا فرمادی۔

قرآن کریم کے مقدس صفحات میں مجھے اپنے تمام مسائل کا حل، تمام ضروریات کی تکمیل اور تمام شبہات کا ازالہ مل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے زبردست قوت کے ساتھ مجھے اپنے نورِ ہدایت کی طرف کھینچا اور میں نے بخوشی اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

اب مجھے ہر بات واضح اور بامقصد لگنے لگی۔ میں اپنے آپ کو، کائنات اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو سمجھنے لگا۔[2]

[سیف الدین ڈرک والٹر-موسگ، یو ایس اے] (Saifuddin Dirk Walter-Mosig, U.S.A)

ایک اللہ کا حکم مانو اور متحد ہو جاؤ

اُن آوازوں کو غور سے سنو جو آپ کو بُلا رہی ہیں۔ اگر غور سے سنو تو ایک آواز آپ سے یہ کہتی ہوئی سنائی دے گی: "ایک اللہ کا حکم مانو اور متحد ہو جاؤ۔ تم ایک کتاب پر عمل کرتے ہو جس میں کوئی کجی نہیں، متحد ہو جاؤ کہ تم زمین کے چاروں اطراف سے ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہو۔ تمھارا ایک قبلہ تمھیں مسلسل یہ یاد دلاتا ہے کہ تم ایک قوم ہو۔"[1]

[ایم ولیم بی بشیر پکارڈ] (M.William B.Bashyr Pickard)

قرآنِ حکیم میں کبھی بائبل کی طرح ردوبدل ہوا نہ اسے مسخ کیا گیا، اس میں وضعی متن شامل کیا گیا نہ یہ خود ساختہ ہے

بائبل کی موجودہ شکل سے مجھے ہمیشہ دلی نفرت رہی۔ اس سے مجھے سکون مل سکا نہ تسکین اور نہ کسی قسم کی کوئی مدد مل سکی۔

جب میں بڑی ہوئی تو اس میں مجھے بہت سے تضادات، غیر معمولی قسم کی کہانیاں اور ایسے ناممکن واقعات نظر آئے کہ انسان کو اس سے مدد اور تسکین کی بجائے بیزاری اور افسوس کی کیفیت محسوس ہونے لگتی ہے۔ انجیل در جنوں مصنفین کی مشترکہ کاوش ہے۔

اس کے برعکس اسلام کی مقدس کتاب قرآن حکیم صرف ایک ہی فرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں کبھی کوئی ردّ و بدل یا انحراف نہیں ہوا نہ اس کے کسی کاتب نے اپنے الفاظ میں اس کا مفہوم لکھ کر متن میں شامل کیا اور موجودہ بائبل کی طرح یہ خود ساختہ بھی نہیں بلکہ حرف بہ حرف اصل نسخے کی صورت میں برقرار ہے۔ قرآنِ حکیم سے میں متاثر ہوئی۔

اسی طرح اسلام کے نظریے نے مجھے ایک شعور بخشا۔ یہ وہ چند اسباب ہیں جن کی وجہ سے میں نے اسلام قبول کیا۔ یہ ایک ایسا دین ہے جو سکون دیتا ہے، روح کو بالیدگی بخشتا ہے اور سہارا دیتا ہے۔ بائبل سے میری بیزاری کی وجہ یہ ہے کہ جب سے اسے پڑھنا شروع کیا، پہلے لفظ سے لے کر آخری لفظ تک اس سے مجھے حوصلہ افزائی نصیب ہوئی نہ دل میں کوئی ولولہ پیدا ہوا اور نہ روح کو بالیدگی ملی۔[1]

[امینہ اینی سپیجٹ، انگلینڈ] (Ameena Annie Spieget- U.K)

میرے خیال میں قرآنِ حکیم کی بائبل پر فوقیت اس کی ہمہ گیر آفاقیت کی وجہ سے ہے

بائبل پر قرآنِ حکیم کی فوقیت میرے خیال میں اس کی ہمہ گیر آفاقیت کی وجہ سے ہے جس کے مقابلے میں یہودی صحائف (تورات، زبور وغیرہ) کی تنگ نظر اور سخت گیر قوم پرستی نے آج تک یہودیوں کو ان کی قبائلی ذہنیت سے باہر نہیں آنے دیا۔

چونکہ قرآن کی ہمہ گیر آفاقیت نے ایک برتر ضابطۂ اخلاق دیا ہے، لہٰذا دوسرے مذاہب اور ان کی تشکیل کردہ تہذیبوں پر اسلام حاوی ہو گیا ہے۔[2]

[مریم جمیلہ بیگم، مقیم اسلام نگر، لاہور۔ سابقہ مارگریٹ مارکس (نیویارک)]

(Maryam Jameelah Begum, formerly Margaret Marcus-New York)

قرآنِ حکیم لامتناہی دولت کا مخزن ہے

مجھے نسلی اور طبقاتی امتیازات سے پاک اس عالمگیر اسلامی اخوت، توحید الٰہی، تمام انبیاء علیہ السلام کے ادب واحترام اور اسلام کے اصل معنی (سلامتی) کا علم ہوا تو یہ باتیں مجھے بھانے لگیں اور میرے دل میں اس دین کو مزید جاننے کی خواہش پیدا ہوئی جو انتہائی آسان اور وسیع الطرف ہے۔

میرے خیال میں قرآنِ حکیم لامتناہی دولت کا مخزن ہے جو انسان کی روزمرہ زندگی کے بارے میں ایسی اچھی ہدایات فراہم کرتا ہے کہ گمراہ ہونے کا ذرا سا بھی خدشہ باقی نہیں رہتا۔ اب میں پہلے سے بہت زیادہ خوش ہوں اگرچہ عقیدے کی تبدیلی کے باعث مجھے کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔[1]

[مس رحیمہ گرفتھس] (Miss Rahifont-family:'4 MUHAMMADI QURANIC OLD#';Griffiths)

میں جتنا قرآن پڑھتی گئی اتنا ہی مجھے یقین ہوتا گیا کہ صرف اسلام ہی سچا دین ہے

میں نے عیسائیت کا مطالعہ کیا مگر تمام رسم ورواج اور توہمات سے قطع نظر یہ مجھے مطمئن نہ کرسکی کیونکہ اس کے بنیادی اصول میرے لیے قابلِ قبول نہ تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننا، انسان کا گناہ گار پیدا ہونا اور کفارہ مسیح کے ذریعے سے بریت جیسے نظریات میرے لیے قابلِ قبول نہ تھے، لہٰذا قدرتی طور پر میں نے اسلام کی طرف رجوع کیا۔

اسلام کے لیے ایک انوکھی سی تڑپ میرے دل میں پہلے ہی سے موجود تھی کیونکہ بچپن ہی سے میری پرورش اسلام کے ماحول میں ہوئی تھی، لہٰذا قبلِ اسلام میرے لیے اپنے گھر کو لوٹنے جیسا تجربہ تھا۔

جتنا زیادہ میں قرآنِ حکیم اور مسلمان مصنفین کی اسلام پر کتابیں پڑھتی گئی، میرے یقین میں اضافہ ہوتا گیا اور بالآخر میرا یہ ایمان ٹھہرا کہ صرف اسلام ہی واحد سچا دین ہے۔

یہ دین اُن قوموں کے لیے ہے جو غوروفکر سے کام لیتی ہیں اور زندگی کے حقائق اور سائنس کی دریافتوں سے بے خبر نہیں رہنا چاہتیں۔[1]

[مسز سی سعیدہ نیمیئر] (Mrs. C.Sa'eeda Namier)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نومسلموں کے خیالات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مجھے اپنے تمام مسائل کا حل مل گیا

میرے لیے مسرت اور خوش نصیبی کا دوسرا نام اسلام ہے جو واحد سچا دین ہے۔ یہ وہ واحد دین ہے جسے ہر ذی فہم انسان اپنا سکتا ہے اور یہی وہ دین ہے جو مصائب میں مبتلا دنیا کو درخشاں اور روشن راہ دکھاتا ہے۔

میری خوشی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو اس کی ہر بات مجھے اپنے خیالات کے عین مطابق محسوس ہوئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مجھے میرے تمام مسائل کا حل مل گیا۔

قرآنِ حکیم کی ایک ایک سورت نے مجھے حق سے آشنا کیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُس نے اپنی رحمت سے میرا سر تسلیم خم کرنا قبول فرما لیا۔[1]

[سلیم آر ڈی گرے-فرتھ، انگلینڈ] (Salim R. De Grey-Firth, U.K)

بالآخر میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مان لیا

بالآخر میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مان لیا۔

اوّلاً: اس لیے کہ مجھے ان سے رہنمائی کی ضرورت تھی۔

ثانیاً: یہ کہ میرے خیالات اگرچہ آزادانہ تھے مگر وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے مطابقت رکھتے تھے۔ ان دو وجوہ کے علاوہ تیسری وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مجھ پر پوری طرح منکشف ہو گئیں۔[1]

[ڈاکٹر تھامس ارِونگ] (Dr. Thomas Irving)

عظیم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب اور مشکلات کا مقابلہ غیر متزلزل استقامت اور اللہ پر توکل کے ساتھ کیا

عظیم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی محبت اور عقیدت کے جلو میں وصال فرمایا۔ آپ نے کفّار کی جانب سے دی گئیں تکالیف اور مصائب کا مقابلہ غیر متزلزل استقامت اور اللہ پر بھروسے کے ساتھ کیا۔ فتح مکہ کے تاریخی موقع پر آپ نے شکست خوردہ دشمنوں سے رحم و کرم کا سلوک کیا اور اپنی قوت اور خوشحالی کے عروج پر بھی سادگی، کفایت شعاری اور بڑے چھوٹے سب سے برابر رحم دلی کا مظاہرہ کیا۔[2]

(William B.Bashyr Pickard) [ولیم بی بشیر پکارڈ]

اسلام نے رسالت کا جو تصور دیا ہے، رسالت اس سے کم و بیش نہیں

مجھے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے والی سب سے بڑی بات تصورِ رسالت ہے۔

اسلام کا تصورِ رسالت، جو میرے خیال میں اصل عبرانی روایت کے عین مطابق ہے، دوسروں سے بہت مختلف ہے۔

اسلام کے مطابق نبی کو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست کردار و اخلاق کی خوبیاں عطا ہوتی ہیں۔

ان کے باعث وہ نیکیوں کا چلتا پھرتا نمونہ بن جاتا ہے جس کی صحبت ہی بڑے بڑے گناہ گاروں کو نیک بنا دیتی ہے۔

یہ تصور ہی لغو اور فضول ہے کہ تمام نیکیوں اور پاکیزگی کا سرچشمہ (اللہ تعالیٰ) ایک ایسے شخص سے ہم کلام ہو جو دنیا کے ایک اوسط انسان سے بھی گھٹیا کردار کا مالک ہو، جیسا کہ عہد نامہ ٔ قدیم (تورات) میں انبیاء کے پاکیزہ کردار کو مسخ کیا گیا ہے، یا ایسا شخص پوری قوم کو اعلیٰ اخلاق اور روحانی بلندیوں تک لے جا سکتا ہو۔

قرآن مجھے یہ یقین دلاتا ہے کہ عہد نامہ ٔ قدیم میں وہ قصے جو انبیاء علیہم السلام کو منفی انداز میں پیش کرتے ہیں وہ سب کے سب من گھڑت اور بے بنیاد ہیں۔[1]

[مادام خالدہ بکینن ہیملٹن -صدر مسلم سوسائٹی برطانیہ عظمیٰ]

{{{(President of the Muslim Society in the Great Britain (Madame Khalida Buchanan- Hamilton

اسلام کی آغوش میں اسلام نے مجھے کیوں متاثر کیا؟

راقم السطور نو مسلم ہے۔ مغربی ذہن کو سب سے زیادہ اسلام کی سادگی ہی متاثر کرتی ہے۔

ایک دو اور ایسے مذاہب بھی ہیں جن کے عقائد بہت سادہ اور سہل ہیں مگر ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین جیسی حیات آفرینی، اخلاقی اور روحانی رفعت مفقود ہے۔ اسلام کی سادگی و پاکیزگی جذباتی یا نامعقول لوگوں کو متاثر کرتی ہے نہ ان لوگوں کو جو مذہب میں اداکاری پسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دوسرے مذاہب میں کشش کا سامان موجود ہے۔

ایسے لوگوں کو تسکین ایسی جگہوں اور ایسے نظاموں میں ملتی ہے جہاں رنگوں کی چکاچوند آنکھ کو، کلاسیکی موسیقی کان کو اور حد سے زیادہ سجی قربان گاہیں اور جذباتی ڈرامے دل کو تفریح مہیا کرتے ہیں کیونکہ ایسے مذاہب میں انسانی ذہن کے تقاضوں کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔

ایک بڑی بات یہ ہے کہ ان مذاہب میں انسان کو مذہبی معاملات میں اپنی سوچ سے کام لینے کی اجازت قطعاً نہیں دی جاتی بلکہ ذہن کو ایک برتن سمجھا جاتا ہے جس میں چرچ کا مقررہ پادری جو کچھ ڈالنا پسند کرے وہی اس کے لیے کافی سمجھا جائے۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پیروکاروں کو یہ حکم ان مذاہب کے احکام سے کتنا مختلف ہے: ''علم حاصل کرو خواہ تمھیں اس کی خاطر چین بھی جانا پڑے۔''[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے آگاہ تھے کہ گناہ سے انسان کی عقل اور اس کی ذہانت پر کتنا بُرا اثر پڑتا ہے۔

اسلام کی رواداری بھی دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کا برابر احترام کریں۔ عجیب بات یہ ہے کہ عیسائیت کے تعصب ہی نے مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا۔

بچپن میں، میں نے ایک عیسائی تبلیغی مشن کی تقریب میں ان مبلغین کی تقریریں سنیں جو ان کے الفاظ میں ''خون کے پیاسے''

مسلمانوں میں کچھ عرصہ رہ چکے تھے۔ چند سال بعد جب خوش قسمتی سے مجھے ایک مسلمان مبلغ کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا تو میں ان کا صبر و تحمل دیکھ کر حیران ہو گیا کیونکہ وہ ایک ایسے مجمع کا سامنا کر رہے تھے جو اپنا عیسائیت کا ایک اجتماع چھوڑ کر بزعم خویش ''بے دین'' کا مذاق اڑانے اور اسے تنگ کرنے آیا تھا۔ ان صاحب کے الفاظ سے میں بہت متاثر ہوا اور میرے کٹر عیسائی نظریات پاش پاش ہو گئے۔

متعدد مواقع پر میں نے کسی عیسائی پادری سے کوئی سوال پوچھا تو یہ جواب ملا: ''میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا مگر عقیدے کے معاملے میں آپ کو ایسی باتوں پر یقین کرنا پڑے گا۔''

اسلام اس سے کتنا مختلف ہے کہ اس میں کوئی چیز سوال و جواب سے بالاتر یا جواب کے لیے ناموزوں نہیں۔ جرمن شاعر گوئٹے (Goethe) نے قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد ٹھیک ہی کہا تھا: ''اگر یہ اسلام ہے تو ہم میں سے ہر صاحبِ فکر انسان مسلمان ہے۔''

عیسائیت کے مختلف چرچ آج کے مسائل سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ صرف اسلام ہی ان مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ظاہراً تو یہ محض دعویٰ لگتا ہے مگر ذرا سا غور کیا جائے تو اس کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے۔ مغربی دنیا کے ذہن میں اسلام کے خلاف ایک طویل عرصے سے تعصب چلا آ رہا ہے۔

کبھی کبھی غیر متوقع ذرائع سے روشنی کی کوئی کرن آ جاتی ہے، مثلاً جب جنرل سمٹس (Smuts) [1] نے کچھ عرصہ قبل یہ تسلیم کیا کہ جہاں متحدہ عیسائی چرچ ایک آدمی کو اپنے مذہب پر لاتا ہے وہاں افریقہ میں دس آدمی اسلام قبول کرتے ہیں۔[2]

(A.H.A. Rahman) [اے ایچ عبد الرحمن]

میری تبدیلیٔ مذہب کی وجوہات

[جناب عبد الرحمٰن سٹینلے ہینی (Stanley Anyan) کا اقرار نامہ برائے قبولِ اسلام کا متن درج ذیل ہے:]

اقرار نامہ "میں، سٹینلے ہینی ساکن بروم فیلڈ، ایڈل، لیڈز، (Bromfield, Adel,Leeds) ایمان داری اور خلوص کے ساتھ اپنی آزادانہ مرضی سے یہ اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا ہوں اور میں تمام انبیاء، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم کا برابر احترام کرتا ہوں اور اللہ کی مدد سے میں اسلامی طرزِ حیات پر زندگی گزاروں گا۔

[لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ]

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

[دستخط اے آر سٹینلے ہینی] میرا ایمان ہے کہ آخر کار مجھے سچا دین مل گیا ہے جو سکون اور اطمینان فراہم کرتا ہے، یعنی میں اسلام کی آغوش میں آگیا ہوں۔ بچپن میں میری تربیت چرچ آف انگلینڈ کے تحت ہوئی تھی اور پھر دس برس کی عمر میں مجھے ایک میتھوڈسٹ سکول بھیج دیا گیا۔ وہاں سے فراغت کے بعد میں واپس چرچ آف انگلینڈ میں آگیا جہاں مجھے اس کی باقاعدہ رکنیت مل گئی۔ تاہم کچھ عرصہ معاملات پر غور کرنے کے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ اس مذہب میں کوئی کمی ہے جس کی وجہ سے مجھے وہ اطمینان اور ذہنی سکون حاصل نہیں ہو رہا جس کی مجھے آرزو تھی۔

پس میں نے یہ بہتر سمجھا کہ اس مذہب کو چھوڑ کر اپنا مطلوب کہیں اور تلاش کروں۔ پھر میں نے مختلف طرز عبادت اپنانے کی کوشش کی جن میں "کرسچن سائنس" اور روحانیت وغیرہ شامل تھیں، مگر مجھے وہ چیز نہ مل سکی جس کی مجھے تلاش تھی۔ پھر میں نے پبلک لائبریری کے شعبہ مذہبیّات میں اس امید پر مطالعہ شروع کیا کہ شاید مجھے میرا مقصود کسی دوسرے مذہب میں مل جائے جو میرے قصبے میں رائج نہیں ہے۔

تقریباً ہر مذہب کی کتابیں پڑھنے کے بعد بالآخر میں اسلام تک پہنچا اور جوں جوں میں پڑھتا گیا مجھے یہ یقین ہوتا گیا کہ مجھے ایسی چیز مل گئی ہے جو میری تلاش کے حساب سے سب سے زیادہ اطمینان بخش ہے۔

جب میں نے یہ طے کر لیا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو مجھے درکار ہے تو یہ احساس ہوا کہ مجھے مدد اور رہنمائی کے لیے کسی شخصیت سے رابطہ کرنا چاہیے۔

لیکن اس وقت چونکہ میں انگلینڈ میں اسلامی مشن کی موجودگی سے آگاہ نہ تھا، لہٰذا میں پریشان ہو گیا کہ اب کیا کروں، پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ کتابوں کی ایک دکان کے پاس سے گزرتے ہوئے بیرونی الماری میں میری نظر ایک اخبار پر پڑی جو میں نے کچھ عرصہ سے نہیں پڑھا تھا۔ میں نے یونہی

وہ اخبار خرید لیا۔ جب میں گھر جا کر اسے سر سری نظر سے دیکھ رہا تھا تو خط کتابت اور جوابات کے کالموں میں لفظ Mohammadanism (محمد نزم)[1] دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور آگے پڑھا تو مجھے احساس ہوا کہ کسی اور شخص نے سوال و جواب میں وہی بات لکھی ہے جو مجھے مطلوب تھی۔ اس جواب میں ووکنگ (Woking) کے مقام پر واقع مسجد کا پتا دیا ہوا تھا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ میری مطلوبہ معلومات مجھے وہاں سے مل گئیں جہاں سے مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ کسی نادیدہ قوت نے میری اس تک رہنمائی کی ہے۔

میں نے وہ اشتہار دینے والے صاحب کو خط لکھا اور پھر مسجد کی انتظامیہ کے نام ایک خط بھیجا تو اس کے جواب میں مجھے کارآمد لٹریچر اور رہنمائی مل گئی جس کے لیے میں ان لوگوں کا بہت ممنون ہوں۔ اب یہ میرا کام ہے کہ ایک اچھا اور سچا مسلمان بن کر دکھاؤں۔[1]

[اے آر سٹینلے انیان، برطانیہ] (A.R.Stanley Anyan,U.K)

میں مسلمان کیوں ہوا؟

دین اسلام کی پاکیزگی اور سادگی، اس کے انتہا پسندانہ نظریات اور مصنوعی پاپائی عقائد سے مبرا ہونے اور اس کی نمایاں سچائی نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا۔ مسلمانوں کی دیانت داری اور خلوص کا بھی عیسائیت میں کوئی جواب نہیں۔

عام عیسائی اتوار کے دن مذہب کا لبادہ پہنتے ہیں، وہ بھی ایک معزز عادت کے طور پر۔ اتوار گزر جائے تو ہفتہ بھر کے لیے مذہب کو سرد خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں دنوں کا کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

مسلمان ہمیشہ اس سوچ میں رہتا ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے وہ کیا کچھ کر سکتا ہے؟ اسلام کا ایک اور حسین پہلو مساوات ہے۔

جس طرح اسلام نے انسانوں کو مساوی درجہ دیا ہے، کوئی دوسرا مذہب ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

دین اسلام وحدت پیدا کرتا ہے۔ میں نے خود اہل ایمان کو نماز پڑھتے اور عبادت کرتے دیکھا ہے۔ وہ صرف ایک امام کی اقتدا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اسلام قبول کیا۔ ایک اور خوش آیند بات یہ ہے کہ اسلامی احکام میں مقام اور مرتبے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بادشاہ بھی فقیر کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دین اسلام سب سے صاف ستھرا دین ہے کیونکہ مسلمانوں کو دن میں پانچ دفعہ وضو کر کے پاک صاف ہونا پڑتا ہے جس کی دنیا کے کسی اور مذہب میں مثال نہیں ملتی۔[2]

[اے ڈبلیو ایل فان کوئلن برگ، المعروف ایم اے رحمن] (A.W.L.Van Kuylenburg, Known as M.A.Rahman)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

میں ایک ایسے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوا جو ہندو مت کے دیوی دیوتاؤں پر پختہ ایمان رکھتا تھا۔ بچپن ہی سے مجھے مجبوراً مندروں میں جاکر ان دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرنا پڑی، تاہم میرے ضمیر نے مجھے یہ احساس شدت سے دلانا شروع کیا کہ یہ دیوی یا دیوتا وہ اصل خدا نہیں جو کچھ دے یا لے سکے۔ مگر مجھ میں اپنے والدین کے خلاف بغاوت کی ہمت نہ تھی جو کہ ان دیوی دیوتاؤں پر کامل ایمان رکھتے تھے۔

میری امی جو بعض دیویوں کے زیر اثر تھیں اور اب بھی ہیں، اپنے گھر کے مندر کے سامنے دن رات بیٹھ کر عبادت کرتیں کیونکہ دیویوں سے انھیں جنون کی حد تک عقیدت تھی۔ بچپن ہی سے میں سہہ طور پر دیویوں کے زیر اثر عورتوں کا ناچنا پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک مسلمان کنبہ ہمارا قریبی ہمسایہ تھا۔ ہمارے درمیان تعلق پیدا ہو گیا اور میں ان کے گھر جانے لگا اور کبھی کبھی نماز کے وقت ان کے ہاں جا پہنچتا۔

ان کی نماز کے طریقے اور انداز سے میں متاثر ہوا۔ یہ انداز میں نے کسی اور مذہب میں نہیں دیکھا تھا۔

آہستہ آہستہ میری مسلمانوں سے دوستی ہونے لگی اور میں ان کے پاس رہنے لگا۔ مختصر یہ کہ گیارھویں کلاس میں پہنچا تو میرے اردگرد کے تمام دوست مسلمان تھے۔ مسلمان ہونے کا جذبہ میرے دل میں روز بہ روز پروان چڑھتا گیا۔

کالج سے چھٹی کے بعد میں نے کوئی جز وقتی ملازمت تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور مجھے سٹینو گرافر (مختصر نویس) کی ملازمت مل گئی۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے افسر سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا تو انھوں نے مجھے یہ یقین دلایا کہ ہندو مت ہی دنیا کا سب سے قدیم اور سچا مذہب ہے اور کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر نہیں۔

اس طرح وہ 3 سال تک یعنی مارچ 1984ء تک مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ میرے والدین نے ایک حسین راجپوت لڑکی سے میری منگنی بھی کر دی۔ ادھر کالج میں ہر طرح کی برائیوں نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

☆مشکلات:

سینٹ ونسینٹ (St.Vincent) کالج میں میری شہرت دن بہ دن خراب ہونے لگی اور مجھے یقین ہو گیا کہ تیسرے اور آخری سال میں مجھے داخلہ نہیں دیا جائے گا اور بالآخر ایسے ہی ہوا۔

سال دوم کے بعد پرنسپل نے مجھے داخلہ دینے سے انکار کر دیا اور مجھ سے کہا کہ کسی اور کالج میں چلے جاؤ جو کہ میرے لیے ناممکن تھا کیونکہ کوئی بھی کالج آخری برسوں میں کسی طالب علم کو داخلہ نہیں دیتا تھا۔

میں نے ہندو دیوی دیوتاؤں سے دعائیں کرنا شروع کیں مگر وقت گزرتا گیا اور میرا کام نہ ہوا۔ تین ماہ اسی طرح گزر گئے اور پرنسپل صاحب مجھے داخلہ دینے سے برابر انکار کرتے رہے۔ میری تمام امیدیں ختم ہو گئیں تو امید کی ایک نئی کرن نمودار ہوئی۔

یہ امید تھی اللہ سے جسے میں پہلے پہچانتا نہ تھا اور جو مجسم یا پیکرِ محسوس ہونے سے ماورا ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر مجھے اس کالج میں داخلہ مل جائے تو میں شادی کے بعد مسلمان ہو جاؤں گا۔

حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ جو کام تین ماہ میں نہ ہو سکا وہ دو دن میں ہو گیا اور میرا اللہ پر ایمان اور پختہ ہو گیا۔ پھر مجھے اسلام کے لیے شادی تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ میں نے اپنی ہندو منگیتر سے کہا کہ کیا وہ قبول اسلام کے بعد بھی مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہو گی۔ اس نے طرح طرح کے جذباتی الفاظ میں مجھے یقین دلایا کہ شادی کے بعد وہ بھی اسلام قبول کرلے گی۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے والدین سے مشورہ نہیں کیا۔

بالآخر 2 نومبر 1985ء کو میں کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور مہاراشٹر ہیرالڈ (Maharashtra Herald) نامی جریدے میں اپنے قبول اسلام کا اعلان شائع کرا دیا۔ پھر تو میرے لیے مصائب شروع ہو گئے۔ پہلے میرے والدین نے گھر میں میری زندگی عذاب بنادی اور میری منگنی ٹوٹ گئی۔ میری منگیتر کے الفاظ نقش بر آب ثابت ہوئے اور اس کی مجھ سے دلچسپی ختم ہو گئی۔

اس دوران میں میرے والد نے فاطمہ نگر میں ایک فلیٹ بک کرالیا تھا اور یکم جنوری 1985ء سے میرا خاندان وہاں منتقل ہو گیا اور مجھے اس نازک عمر میں دنیا کے حوادث و آلام کا سامنا کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔

معاشرے اور غیر مسلموں نے میری بہت مخالفت کی۔ مگر جب کسی آدمی کے دل میں ایمان جگہ پالے تو وہ اس دنیاوی مکر و فریب کی بجائے صرف اللہ ہی سے ڈرتا ہے۔

☆اسلام کا مطالعہ:

میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور پہلی ہی نظر میں اس کے دلکش حسن اور قرآن کے علمی خزانے نے مجھے مسحور کر دیا۔ میں محسوس کرنے لگا کہ مجھے بہترین علم حاصل ہو رہا ہے اور وہ قرآن کا علم ہے۔

صورت حال بدل گئی تھی۔ اب میں ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہو چکا تھا۔ کلیتاً حدیث پاک کو مد نظر رکھ کر میں نے صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنا سیکھ لیا۔ ختنے کی ضرورت ہی نہ پڑی کیونکہ وہ قدرتی طور پر بچپن سے موجود تھا۔ شاید قدرت نے پہلے ہی میرے قبول اسلام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسلام کی دولت کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں والدین، بہن بھائیوں اور اپنے معاشرے کو چھوڑنا پڑتا ہے لیکن پیدائشی مسلمانوں کو اسلام کی دولت کسی محنت، مشقت یا تکلیف کے بغیر ہی مل جاتی ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو نہایت دلکش طریقے سے زندگی میں انقلاب لاتا ہے۔

میں نسلی مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اسلام پیدائشی طور پر نصیب ہوا مگر میں نے اپنی پسند سے اسے اختیار کیا۔

میرے اور آپ کے درمیان یہی ایک فرق ہے، جو بہت بڑا امتیاز ہے۔ اب میرا نام عبدالعلیم خان ہے اور میں اپنی ضعیف العمر دادی اماں کے ساتھ۔ 10 این پی ایس لائنز، ایسٹ سٹریٹ، اولڈ پول گیٹ، پونا- 411001 میں رہتا ہوں اور حق کو پا کر بہت اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میرا سابق نام منوج چندر پال پردیشی تھا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے ایمان کو توانا کر دے اور انھیں پاکیزہ اور نیک زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین[1] [عبدالعلیم خان]

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ اس سوال کا میرا واحد معقول جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے عظیم ترین سچائی کو قبول کرنے اور دنیا کی سب سے بڑی حقیقت کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا کی ہے۔

بہر حال میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ انسانی فطرت اور مزاج کچھ حقائق کو اطمینان بخش ثبوت اور ٹھوس دلائل کے بغیر قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ انسانی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ جواب ان لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکے گا جو سچ کی تلاش پر آمادہ اور مائل نہیں اور نہ وہ لوگ اس سے مطمئن ہوں گے جن پر حق کا نور منکشف نہیں ہوا، لہٰذا میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ چند وجوہ اور اسباب یہاں بیان کر دوں جن کی بنا پر میں نے اسلام قبول کیا اور اس پر قائم ہوں۔

یورپی معاشرے میں رہ کر میں اس امر پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ یہاں کے لوگ محض معاشی، سیاسی یا سماجی ترغیبات کے باعث اپنا مذہب ترک نہیں کرتے اور نہ اس وقت تک کوئی دوسرا مذہب تبدیل کرتے ہیں جب تک کہ وہ ایک طاقتور محرک اور مؤثر عامل بن کر ان کے دل کو روحانی سکون فراہم نہ کرے۔ بصورت دیگر وہ اپنے کفر وارتداد ہی پر قناعت کرتے ہیں۔

اگر انسان غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ میرا یا یورپی معاشرے کے کسی اور فرد کا قبولِ اسلام مالی فوائد یا سماجی مفادات حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ معاملہ اس کے تقریباً برعکس ہے۔

پہلی بات یہ کہ ہم یورپی اقوام کے لوگ مذہبی معاملات کو اتنی اہمیت نہیں دیتے، تاہم اگر یورپی معاشرے میں کوئی فرد ایسا ہو جو مذہب کا خیال رکھتا ہو تو اس کا مقصد سوائے اللہ کی تلاش کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے اسلام میں میری اپنی دلچسپی بھی سچ کی تلاش اور فکر کی اصلاح کی خاطر تھی۔

تلاشِ حق کی خواہش میرے دل میں اس وقت پیدا ہوئی جب میں نے دیکھا کہ عیسائیت کے بنیادی عقائد کے حوالے سے کئی شکوک اور بدگمانیاں میرے دل و دماغ میں پیدا ہو رہی ہیں۔ جبکہ عیسائیت ان شکوک اور بدگمانیوں کے ازالے کے لیے ناکافی ثابت ہو رہی ہے اور عیسائیت کا زور اس بات پر ہے کہ اس کے تمام نظریات کو کسی ثبوت اور دلیل کے بغیر مان لیا جائے۔

مثال کے طور پر میرا ذہن اس عیسائی عقیدے کو ماننے پر آمادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا بھر کی انسانیت کے گناہ کا کفارہ بنا کر بھیجا۔ یہ بات بھی مجھے اچھی نہ لگی کہ تمام نوع انسانی مختلف قسم کے گناہوں میں لتھڑی ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے سے اللہ کے بندوں کے سارے گناہ معاف ہوگئے۔ میں یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ اپنے بندوں کو بچانے کی تمام تر قدرت اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور وہی ان کو گناہوں اور جرائم سے روک سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں کے گناہوں کا کفارہ بنانے کا نظریہ اللہ تعالیٰ پر (**نعوذ باللہ**) غلطی اور ناانصافی کے الزام دھرنے کے مترادف ہے۔ دوسری طرف انسان کو گویا کسی رکاوٹ اور جھجک کے بغیر گناہوں اور جرائم کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔

جب کبھی میں نے ان شبہات کا کسی عیسائی عالم یا پادری کے سامنے اظہار کیا تو اس نے مجھے یہ ہدایت کی کہ ان شبہات کو ذہن سے نکال دو اور مجھے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ میں عیسائیت کے ان نظریات وعقائد کو بغیر کسی شرط یا شک وشبہ کے قبول کرلوں۔

انھوں نے مجھ پر بہت دباؤ ڈالا کہ ان کے ناکافی دلائل پر اعتراض نہ کروں تاکہ یہ شکوک وشبہات میرے ذہن میں مزید پرورش نہ پاسکیں۔ سچ معلوم کرنے کی خواہش ہر لمحہ اس قدر بڑھ رہی تھی کہ میں تمام عقائد اور شریعتِ الٰہی سے منکر ہونے کے نازک موڑ پر آپہنچا۔

ان دنوں مجھے ایک قابل اور باعمل مسلمان سے واسطہ پڑا جو یورپی تہذیب وتمدن کی زرق برق زندگی کے زیرِ سایہ ہونے کے باوجود خود کو مسلمان کہنے پر فخر کرتا تھا۔ اس شخص کا یہ دعویٰ تھا کہ اسلام کی برکت سے اسے دل ودماغ کا سکون میسر ہے اور دوسری طرف میرے دل میں مذہب سے نفرت اور بیزاری جڑ پکڑ چکی تھی۔

اس شخص کے اس دعوے پر مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچوں کے سمندر میں ڈوب گیا کہ کیا کوئی ایسا مذہب بھی ہے جو اپنے پیروکاروں کو دل کا اطمینان اور دماغ کا سکون فراہم کرسکتا ہے۔ اس خیال نے مجھے اسلام اور اس کے قواعد وضوابط کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔

اپنے مطالعہ کی بنا پر میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا ابدی دین ہے جو اپنے چاہنے والوں کے دلوں کو مسرت بخشتا ہے اور یہ تمام معاملات ومشکلات میں ان کی مدد کرتا ہے اور دوسرے مذاہب کی تعلیمات وعقائد (پروپیگنڈہ) سے پیدا ہونے والے تمام شکوک وشبہات کو زائل کرتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات میں سے سب سے اہم بات جس نے میرے دل کو متاثر کیا، یہ ہے کہ اسلام بغیر غور وفکر کے انسان کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کو گہرے غور وفکر اور قبلِ اسلام سے پہلے ہر اسلامی عقیدے کو عقل وفہم کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ عدل کا سرچشمہ ہے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی ایک انسان کو تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بنادے۔

اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ تمام اعلیٰ صفات کا مالک ہے اور ہر طرح کے نقائص اور کوتاہیوں سے پاک ہے، اس لیے اسلام اس بات پر مصر ہے کہ یہ بات عقل اور تصور سے ماوراہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی دی ہو کہ وہ گناہ کرتا رہے اور ان کا کفارہ ادا ہوتا رہے گا۔

اسلام کی ان ابدی تعلیمات نے مذہب اور مذہبی قواعد وضوابط سے نفرت میرے ذہن سے مٹادی اور مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ مذہب ایک مستقل اور خود مختار ضابطۂ قوانین ہے جو انسان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی خوشحالی، دائمی عزت اور لامحدود فتح ونصرت کی ضمانت دیتا ہے۔

اس نازک مرحلے پر میں نے ایک طرف تو اسلام کا گہرا تجزیاتی مطالعہ کیا، دوسری طرف میں نے اپنی توجہ اس سوال پر مرکوز رکھی کہ نت نئے مسائل کو جنم دینے والی آج کی دنیا میں اسلام کس طرح اپنے ماننے والوں کو ذہنی سکون اور قلبی اطمینان فراہم کرتا ہے۔ پس جب دونوں جانب سے مجھے اطمینان ہو گیا تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ جگہ کی کمی کے باعث ان تمام تاثرات اور جذبات کا اظہار یہاں ممکن نہیں جو اس مطالعے سے میرے دل و دماغ پر مرتب ہوئے، تاہم یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اسلام سے مجھے کون کون سے سبق حاصل ہوئے۔ ایک بات یہ ہے کہ اسلام تمام انسانیت کی رہنمائی مقصدِ تخلیق کی جانب کرتا ہے اور ان بلند پایہ مقاصد کے حصول کی راہ دکھاتا ہے جن کے لیے انسان کو تخلیق کیا گیا۔

اسلام انسانی معاشرے کو امن و امان کا پیغام دیتا ہے۔ مساوات و اخوت کا رشتہ قائم کرتا ہے اور رنگ، نسل اور قومیت کے تمام اختلافات اور تنازعات کو ختم کرتا ہے۔ یہ انسانوں کو سماجی اور معاشی استحصال اور تمام امتیازات سے نجات دلاتا ہے اور انھیں صاف سیدھے راستے پر چلنے کی صحیح رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام صرف زندگی کے ٹھہراؤ اور زوال ہی کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ یہ تمام بنی نوع انسان کو ترقی اور پیش رفت کی طرف بھی بلاتا ہے۔

یہ فرد کو روپیہ اور دولت کما کر صنعتی اور تجارتی ترقی کی اجازت دیتا ہے۔ یہ اُجرت اور انعامات وصول کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ یہ سب قانونی اور جائز طریقے سے حاصل کردہ ہوں۔ پس اسلام ایک مکمل اور جامع انقلاب ہے۔

یہ انقلاب اور کمال کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو پوری انسانیت کو صحیح سمت میں راستہ دکھاتا ہے جس پر انسان اپنے آپ کو بین الاقوامی معاشرے کا فرد سمجھتا ہے۔ اسے فرائض کی سمجھ نصیب ہوتی ہے اور زندگی کے تقاضوں پر پورا اترنے کی جستجو کرتا ہے۔

دس سال قبل جب میں نے اسلام قبول کیا تو میرے گمراہ، پریشان اور باغی ذہن کو سکون اور آرام نصیب ہوا۔ اللہ کی حمد و تسبیح اور شکر ہے کہ میں اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔[1] [ڈاکٹر عبدالکریم ہربرٹ] (Dr.Abdul Karim Herbert)

اسلام نے مجھے کیونکر متاثر کیا؟

سر عبداللہ آرچیبالڈ ہیملٹن بیرونیٹ(Archibald Hamilton Baronet) سابق سر چارلس ایڈورڈ آرچیبالڈ واٹکنز ہیملٹن (Sir Charles Edward Archibald Watkins Hamilton) پہلے بیرونیٹ (چھوٹے درجے کے نواب 1776ء) کے پانچویں جانشین اور دوسرے بیرونیٹ(1819ئ) کے تیسرے جانشین تھے۔ انھیں یہ نوابی 1915ء میں ان کے والد سر چارلس ایڈورڈ ہیملٹن (Sir Charles Edward

Hamilton) کی وفات کے بعد ورثے میں ملی۔ آپ 10 دسمبر 1876ء کو پیدا ہوئے۔ اگست 1914ء کو وہ فوج کی رائل ڈیفنس کور(Royal Defence corps) میں بطور لیفٹیننٹ بھرتی ہوئے اور ریکروٹنگ آفیسر رہے۔

اس کے علاوہ آپ فوج میں قابل ذکر عہدوں پر رہے اور بالآخر سیلسے کی کنزرویٹِو ایسوسی ایشن(Selsey Conservative Association) کے صدر بنے۔ آپ نے 1897ء میں ریئر ایڈمرل سر ایڈولفس فٹز جارج کے سی وی او(Sir Adolphus Fitzgeorge K.C.V.O) کی اکلوتی صاحبزادی اور فیلڈ مارشل ایچ آر ایچ بعد میں ڈیوک آف کیمبرج(Duke of Cambridge)کی نواسی اور ملکہ وکٹوریہ کی حقیقی چچازاد سے پہلی شادی کی اور دوسری شادی 1906ء میں وڈ فورڈ ہرٹ فورڈ شائر(Widford Hertfordshire) کے جارج چائلڈ کی اکلوتی بیٹی الگوسٹا مارجری بلینچ (Algosta Marjorie Blanch) سے کی۔

پہلی بیوی سے آپ کا ایک بیٹا جارج ایڈورڈ آرچی بالڈ آگسٹس فٹز جارج ((George Edward Archibald Augustus Fitzgeorge، 1898ء میں پیدا ہوا جس کے بپتسمہ کی رسم کی سرپرستی بعد میں بادشاہ جارج(George) اور ملکہ میری(Mary) نے کی اور بنفس نفیس اس رسم میں شرکت بھی کی۔ یہ صاحبزادہ 1918ء میں گرینیڈیئر گارڈز(Grenadier Guards)میں لیفٹیننٹ کی حیثیت سے فلانڈرس(Flanders) کے مقام پر جنگ میں مارا گیا۔ 1927ء میں دوسری بیوی کی وفات پر سر آھبلیہ لڈ نے تیسری شادی کی۔ سر آھبلیہ لڈ، ولیم ہیملٹن (William Hamilton) کے خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ کینٹ کے چھ درخواست گزاروں میں آپ شامل تھے۔

ڈونالاون(Donalon) کے سر جیمز ہیملٹن (Sir James Hamilton) کے بھائی تھے اور براہ راست ڈیوک آف ایبرکارن(Duke of Abercorn) اور پیزلے(Paisley) کے بیرن ہیملٹن (Baron Hamilton) کی نسل سے تھے جس نے سکاٹ لینڈ کے شاہ جیمز دوم کی صاحبزادی میری سے شادی کی تھی۔

سر عبداللہ نے 20 ستمبر 1923ء کو اسلام قبول کیا اور ہمیشہ دین اسلام کے پرجوش مبلغ رہے۔ 17 مارچ 1939ء کو جمعہ کی رات حرکت قلب بند ہونے سے جاں بحق ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 62 برس تھی۔ آپ کو بروک وُڈ(Brookwood) کے مسلم قبرستان میں دفن کیا گیا۔

آپ کی قبر اسلام کے ایک اور بزرگ اور توانا مبلغ (بعد میں الحاج) لارڈ ہیڈلے الفاروق(Lord Headley Al-Farooq) کے ساتھ ہے۔ زندگی میں یہ دونوں بزرگ آپس میں گہرے دوست تھے۔ بعد میں آپ کی زوجہ لیڈی ہیملٹن (Lady Hamilton) نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ سر آھبلیہ لڈ ہیملٹن سسیکس(Sussex) کے معروف جاگیر دار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام قبول کر کے وہ دوسرے صاحب منصب انگریز شمار ہوئے جنھوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر عیسائیت کو چھوڑ دیا۔

درج ذیل مضمون میں، جو خصوصاً جریدہ "The People" کے لیے لکھا گیا تھا، سر آھبلیہ لڈ نے مذہب اسلام کو اختیار کرنے کے اسباب تفصیل سے اور بے تکلفانہ انداز میں بیان کیے ہیں۔[1] (مدیر) شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد اسلام کے حسن اور سادہ پاکیزگی نے ہمیشہ مجھے متاثر کیے رکھا۔ اگرچہ

میں عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا اور اسی ماحول میں تربیت پائی مگر میں کلیسا کے پیچیدہ فلسفے کو قبول نہ کرسکا اور میں نے عیسائیت پر اندھا دھند ایمان رکھنے کے بجائے عقل و بصیرت کو ہمیشہ ترجیح دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے خالق سے اپنا تعلق درست کرنے کی خواہش میرے دل میں پروان چڑھنے لگی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ روم اور انگلینڈ کے چرچ میرے کسی کام نہیں آسکتے۔

اسلام قبول کرکے میں نے صرف اپنے ضمیر کا کہا مانا ہے اور تب سے میں اپنے آپ کو ایک بہتر اور زیادہ سچا انسان پاتا ہوں۔ کوئی دوسرا دین اوروں کے جاہلانہ تعصب اور تنگ نظری کا اس قدر نشانہ نہیں بنا جتنا کہ اسلام بنا رہا ہے۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ دین سوشلزم کے مسئلے کا واحد سچا حل ہے کیونکہ یہ طاقتوروں کا مذہب ہے جو کمزوروں کا ساتھ دیتے ہیں اور امیروں کا مذہب ہے جو غریبوں کا سہارا بنتے ہیں (تو یقیناً لوگ سوشلزم کے بجائے اسی دین کو قبول کرلیں گے۔) انسانیت کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اول: وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جائداد اور دولت سے نوازا ہے۔

دوم: وہ لوگ جنھیں اپنی روزی خود کمانا پڑتی ہے اور سوم: وہ لاتعداد لوگ جو بے روزگار یا کسی اور وجہ سے اپنی خطا کے بغیر پسماندگی کا شکار ہیں۔

ذہنی تناؤ اور مقابلے کی فضا کے اس پر آشوب دور میں جہاں ہر آدمی بہت زیادہ دباؤ کے تحت زندہ رہتا ہے اور کام کرتا ہے ہمیں اس زمانے میں ایک ایسا حل تلاش کرنا چاہیے جو ان تینوں طبقوں کی مشکلات دور کرسکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعے سے قرآن کریم میں، جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، ہمیں بتاتے ہیں کہ جو لوگ صاحب حیثیت ہیں انھیں چاہیے کہ اپنی سالانہ آمدنی کا ڈھائی فیصد ان لوگوں کو دیں جو حاجت مند ہیں۔

(اس آخری کتاب کے ساتھ ساتھ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نسل اور ہر علاقے کے لیے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انبیاء علیہم السلام بھیجے اور تمام انبیاء کے پاس صحیفوں کی خالص شکل میں اللہ تعالیٰ ہی کے ارشادات تھے۔)

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ پیشہ ور گداگروں کی حوصلہ افزائی نہ کریں بلکہ صرف ان پر خرچ کریں جو صحیح معنوں میں حاجت مند ہوں اور جنھیں کسبِ معاش کے لیے بنیادی سہارا درکار ہو۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام ایک سوشلسٹ نظریہ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ آج کے سوشلسٹ نظریات جیسا ہے جن سے ہم مغرب میں متعارف ہیں کیونکہ ہم مسلمانوں کو تو ہر جمعہ کے خطبے میں حاکمِ وقت کی اطاعت کا حکم یاد دلایا جاتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو (یہ حکم بعض شرائط کے تحت ہے) اور بغاوت کو گناہ قرار دیا جاتا ہے۔

جب ہم کسی ظالم حکمران کے زیر اقتدار امن سے نہ رہ سکیں تو اس صورت میں ہجرت کا حکم ہے۔

پھر اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ صلاحیت و قابلیت اور انفرادیت کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ دین تخریبی نہیں بلکہ تعمیری ہے، مثلاً اگر ایک امیر زمیندار اپنی زمین کو کاشت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے اور کچھ عرصہ تک اسے کاشت نہ کرے تو وہ زمین خود بخود سرکاری ملکیت بن جاتی ہے اور اسلامی طریقے کے مطابق اس آدمی کو ملتی ہے جو اسے کاشت کرے۔ اسلام اہل ایمان کو جوا اور اس طرح کے ہر کھیل سے منع فرماتا ہے۔

یہ شراب کی تمام اقسام اور سود خوری کو بھی ممنوع قرار دیتا ہے جو کہ بذات خود انسانیت کے لیے بہت زیادہ تکلیف دہ اور مصیبت کا باعث ہے۔

اس طرح اسلام میں کوئی آدمی کسی غریب یا کمزور سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ہمیں نظریہ جبر پر یقین نہیں ہے بلکہ ہم تقدیر پر یقین رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین معین ہیں اور ان پر عمل کرنے کے لیے عقل ایک قندیل کا کام دیتی ہے۔ ہمارے نزدیک عمل کے بغیر ایمان ناقص ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہم اپنے ذاتی اعمال کے متعلق دنیا اور آخرت دونوں میں جواب دہ ہیں۔

☆خواتین کی مساوات کا مسئلہ:

اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ فطری اور موروثی طور پر بچہ معصوم پیدا ہوتا ہے اور مرد و عورت کی اصل ایک ہے۔

ان کی روح بھی ایک ہے (اور انھیں قدرت نے دنیوی امور میں اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف صلاحیتیں عطا کی ہیں لیکن) جہاں تک علمی فضائل اور اخلاقی وروحانی مدارج حاصل کرنے کا تعلق ہے، اس میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق ہے نہ اسلام نے اس معاملے میں امتیاز برتا ہے۔

دونوں زیادہ سے زیادہ علمی، روحانی اور اخلاقی مدارج حاصل کر سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اخوت اسلامی کے بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ آقا اور غلام، امیر اور غریب سب برابر ہیں۔

میں نے ہمیشہ دیکھا کہ میرے مسلمان بھائی اس قدر صادق اور دیانتدار ہیں کہ میں ان کی بات پر یقین کر سکتا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے ہمیشہ بحیثیت انسان اور بحیثیت بھائی منصفانہ سلوک کیا ہے اور میری مہمان نوازی کی ہے اور میں ان میں رہ کر خود کو اپنوں میں محسوس کرتا ہوں۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جہاں اسلام انسانیت کو روزمرہ زندگی کے بارے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے وہاں آج کی نام نہاد عیسائیت نظریاتی اور عملی طور پر اپنے پیروکاروں کو اتوار کے روز اللہ کی عبادت اور ہفتے کے بقیہ دنوں میں انسانیت کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کی تلقین کرتی ہے۔

[سر عبد اللہ آرچیبالڈ ہیملٹن، بیرونیٹ] (.Sir Abdullah Archibald Hamilton, Bart)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

سچائی سے محبت کا تقاضا ہے کہ میں عوام الناس کو یہ بتادوں کہ میں نے میتھوڈسٹ عقیدے سے اپنی پرجوش وابستگی ترک کر کے اسلام کیوں قبول کیا؟ میں میتھوڈسٹ عقیدے کے پیروکار پرجوش خاندان میں پیدا ہوا۔ کم سنی ہی میں، میں یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ (United Methodist Church) کا فعال رکن بن گیا اور یہ طے کر لیا کہ ان "لادین، درندہ صفت اور خون خوار لوگوں کو جنھیں عرف عام میں مسلمان کہا جاتا ہے" (جیسا کہ سکولوں میں ہمیں پڑھایا گیا تھا) اپنی تبلیغ سے عیسائیت کی آغوش میں لاؤں گا۔

میں اپنے عقیدے سے متعلق ہر تحریک میں شمولیت کا شوقین تھا، یہاں تک کہ میں انجیل کی آیات حفظ کرنے میں مدد لینے کے لیے اپنے رشتہ داروں کے روزمرہ کے کام میں بھی مخل ہوتا رہا۔

بیک وقت سنڈے سکول(Sunday School) کی تربیت، بائبل کی تعلیم بذریعہ مراسلت اور بائبل اور عیسائیت سے متعلق ہر امر میں گہری دلچسپی کے باعث مجھے بائبل کے مفاہیم پر غور کرنے کا موقع ملا تو میرا عیسائیت پر ایمان بالعموم اور یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ پر ایمان بالخصوص، بائبل کے تضادات، خامیوں غیر منطقی عقائد اور چرچ کے کافرانہ اعمال وعقائد کے باعث متزلزل ہونے لگا۔ مجھے یہ پتہ چلا کہ میں ایک ایسے کافرانہ مذہب پر عمل پیرا ہوں جسے سالہا سال سے عیسائیت سمجھا جارہا ہے۔

☆حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بآواز بلند پکار کر کہا "اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! تونے مجھے تنہا کیوں چھوڑ دیا؟" (انجیل مرقس: 15/34)

☆اللہ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ:

یہ ایک اور عیسائی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ)

اللہ تعالیٰ کے بیٹے یا اکلوتے پیدا کیے گئے بیٹے تھے۔ یہ نظریہ بھی حضرت عیسیٰ کی تعلیمات واقوال سے متصادم ہے۔

بائبل میں ابن اللہ کئی دیگر انبیاء کو بھی کہا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے:

"وہ میرے نام کی خاطر ایک گھر بنائے گا اور وہ میرا بیٹا ہو گا، میں اس کا باپ ہوں گا اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت ہمیشہ کے لیے قائم کردوں گا۔" (1خطوط: 22/10) اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا گیا ہے:

"اور تو فرعون سے کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "اسرائیل میرا بیٹا ہے بلکہ میرا پہلا بیٹا ہے۔"

(خروج: 22/4) اور ثالثوں (صُلح جو انسانوں) کو بھی اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے:

"ثالثوں پر اللہ کی رحمت کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ کے بچے کہا جائے گا۔" (انجیل متی: 9/5) "میں یہ حکم جاری کروں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کہتا ہے:"تو میرا بیٹا ہے جسے میں نے آج پیدا کیا۔" (زبور: 7/2) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درج ذیل اقوال سے یہ مزید ثابت ہو جائے گا کہ آپ صرف مجازی طور پر خود کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا کرتے تھے:

"عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں جواب دیا: کیا تمھارے قانون میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ میں نے کہا: "تم لوگ خدا ہو؟" اگر عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو خدا کہتے ہیں تو خدا کا پیغام کس پر نازل ہوا؟ اور اللہ کے صحیفے میں ردوبدل ناممکن ہے: "اس کے بارے میں کہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدس بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔

تم کفر بکتے ہو کیونکہ میں نے یہ کہا تھا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔" (انجیل یوحنا: 10/36-34) بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کی کئی آیات میں خود کو انسان کا بیٹا کہا ہے۔ مثلاً: "جب وہ گلیل میں رہتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا انسان کے بیٹے کو انسانوں کے ہاتھوں سے فریب دیا جائے گا۔" (انجیل متی: 17/22) "کیونکہ انسان کا بیٹا انسان کی طرح ایک لمبے سفر پر نکلا ہے۔

اس نے اپنا گھر چھوڑ دیا۔ اپنے اختیارات اور تصرف نوکروں کو دے دیے اور ہر آدمی کو اس کا کام کرنے کی اجازت دے دی اور چوکیدار کو حکم دیا کہ تو گھر کی نگرانی کرنا۔" (انجیل مرقس: 13/34) "اللہ کی رحمت ہو تم لوگوں پر جب لوگ تم سے انسان کے بیٹے کی خاطر نفرت کریں گے، تمھیں اپنے سے الگ کر دیں گے، تمھیں ملامت کریں گے اور تمھیں برے نام سے پکاریں گے۔" (انجیل لوقا: 6/22) "اور کوئی آدمی آسمان پر نہیں پہنچا سوائے اس کے جو آسمان سے نیچے آیا حتیٰ کہ انسان کا وہ بیٹا بھی جو آسمان پر ہے۔" (انجیل یوحنا: 3/13)

☆ عقیدہ کفّارہ:

"باپ کو بچوں کے جرم میں قتل کیا جائے گا نہ ہی بچوں کو باپ کے جرم میں بلکہ ہر آدمی کو اس کے اپنے گناہ کی سزا ملے گی۔"

(2 خطوط: 25/4) "خطاکار کو موت آئے گی۔ باپ کا جرم بیٹے پر عائد ہو گا نہ بیٹے کا جرم باپ پر عائد ہو گا۔ اچھوں کی اچھائی ان پر عائد ہو گی اور بروں کی برائی ان پر عائد ہو گی۔" (حزقیل: 18/20) مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ نظریہ کفارہ بے بنیاد ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے قول کے مطابق واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انسانیت کی نجات کے لیے مصلوب کرواتا تو پھر گویا عیسائیوں کا خدا اپنے ہی قول کی تردید کرتا ہے اور نعوذ باللہ بے رحم اور بے انصاف ٹھہرتا ہے۔

گویا اللہ یہ امتیاز برتتا ہے کہ وہ کسی معصوم انسان کو دوسروں کے گناہوں کی سزا بھگتنے دیتا ہے۔ (حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسا ہرگز نہیں کرتا!)

☆ **تثلیث:** "اے اسرائیل! سن، خداوند ہمارا خدا، ایک ہی خداوند ہے۔" (استثنا: 6/4)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں بذات خود کچھ نہیں کر سکتا۔" (انجیل یوحنا: 5/30) "بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی وہ جو بھیجا گیا اپنے بھیجنے والے سے بڑا ہو سکتا ہے۔" (انجیل یوحنا: 13/16) "میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔" (انجیل یوحنا: 14/28) "اللہ صرف ایک ہے۔" (1 کورنتھیوں کے نام: 8/6) "اب ایک ثالث کسی ایک کے لیے نہیں ہوتا مگر اللہ ہر ایک کے لیے ہے۔"

(گلتیوں کے نام: 20/3) کیا بائبل کی مندرجہ بالا اور کئی دوسری آیات تثلیث کے عقیدہ کی نفی نہیں کرتیں اور توحید کی تصدیق نہیں کرتیں ؟ بے شک کرتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کن کی طرف بھیجا گیا تھا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے تو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے بھیجا گیاہے۔'' (انجیل متی:15/24) لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشن عالم گیر نہیں۔ آپ نے مزید فرمایا: ''یہ نہ سمجھو کہ میں شریعت یا سلسلۂ انبیاء کو ختم کرنے آیاہوں۔ میں تخریب کے لیے نہیں آیا بلکہ تکمیل کے لیے آیاہوں کیونکہ میں تم سے کہتاہوں کہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، قانون الٰہی کا کوئی عنوان یا کوئی حرف بھی تبدیل نہیں ہو گا بلکہ اس پر پورا پورا عمل ہو کر رہے گا، اس لیے جو شخص ان کم تر احکام کی خلاف ورزی کرے گا یا لوگوں کو خلاف ورزی کرنا سکھائے گا، اسے آسمانی بادشاہت میں کم ترین کہا جائے گا اور جو اللہ کے احکام پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا اسے سلطنت سماوی میں برتر کہا جائے گا۔'' (انجیل متی: 5/19-17)

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے اور عیسائیت کو ان سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

اس طرح عیسائیت اور اس کی بنیادیں بائبل کی مذکورہ آیات سے منہدم ہو جاتی ہیں۔

جب میں ہائی سکول کی جونیئر کلاس میں پہنچا تو میں مکمل دہریہ بن چکا تھا۔ جب کالج میں پہنچا تو کیمونسٹ بن گیا لیکن میں کیمونزم کی بھی کئی باتوں سے مطمئن نہ تھا، مثلاً اس کے مادیت پرستانہ نظریات اور چند منتخب لوگوں کی حکومت کا نظریہ مجھے اچھے نہ لگے۔

میں نے ہندومت کا مطالعہ کیا مگر اس کا مشرکانہ تصور الٰہی اور قبیح ذات پات کی تمیز نے مجھے اس سے بدگمان کر دیا۔ بدھ مت میں انسان اپنی نجات اپنی محنت سے حاصل کرتاہے اور اس کا راہبانہ نظام انسانیت کے لیے مہلک ہے۔

یہودیت کا نظریہ نسل پرستانہ ہے اور نصب العین صرف بنی اسرائیل کی نجات ہے۔ اب ہم جیسے غیر اسرائیلی کہاں جائیں؟ شنطوازم میں توہم پرستی کو عقل پر ترجیح دی جاتی ہے۔

میں نے ان تمام مذاہب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انسانیت کو نجات کے بجائے عتاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس بے کار کوشش کے بعد میں تلاش حق ترک کرنے لگا تھا، تاہم میرے دل کو اب بھی سکون حاصل نہ تھا۔ خاص طور پر جب میں نے ارد گرد نظر ڈال کر دیکھا کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت پر عمل پیرا ہے۔ سورج مقررہ وقت پر طلوع و غروب ہوتاہے۔ بارش پودوں کو سیراب کرتی ہے اور رنگارنگ کے پھول اور پھل لگتے ہیں۔

اگر ہر چیز محض اتفاق سے بن گئی تو کبھی اتفاق سے امرود کے درخت پر سیب کیوں نہیں لگتے اور دوسرے درختوں پر امرود کا پھل کیوں نہیں لگتا؟ میں کیوں پیدا ہوا؟ اور اسی طرح کے بے شمار سوالات میرے سامنے موجود تھے۔

پھر میرا ایمان واپس آ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی ایک ایسا ہے جو قادر مطلق اور قوی ہے، جو علیم بھی ہے خبیر بھی اور ہر چیز کا خالق بھی۔ خوش قسمتی سے میرے ایک دوست نے مجھے ایک کتاب دی جس کا عنوان تھا "ہماری پسند دینِ اسلام۔"

اس کتاب میں بلند پایہ نومسلموں کے تاثرات درج تھے۔ کتاب کی جلد کی پشت پر وہ پتے دیے ہوئے تھے جن سے انسان اسلام کے بارے میں کتب اور معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

اس وقت مجھے اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا، اس لیے میں نے ان پتوں پر خط بھیج کر اسلامی لٹریچر منگوایا اور بڑے شوق سے مطالعہ شروع کیا۔

میرا خیال تھا کہ ان کتب اور جرائد میں بھی مشرکانہ عقائد، توہم پرستی اور دیگر مذاہب کی طرح کافرانہ اعمال کی تلقین موجود ہو گی مگر میرا خیال غلط نکلا۔ اسلام کی بنیاد توحید کامل پر ایمان ہے اور یہ دنیا و آخرت دونوں میں مسرت کے حصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

الحمدللہ مجھے اسلام میں حق مل گیا اور اسی پر میرا ایمان ہے۔ 1972ء میں، میں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور اپنے دل میں کلمہ پڑھنے کے بعد میں خود کو مسلمان سمجھنے لگا۔ 28/ اکتوبر 1975ء کو وزیر پورہ، سیالکوٹ، پاکستان کی مسلم اکیڈمی کے بھائی ابو مسلم نوشاہی نے میرا نام عبداللہ تجویز کیا جس کے معنی ہیں "اللہ کا بندہ۔" 18 فروری 1978ء کو میں نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا اور قبول اسلام کے عہد نامے پر دستخط کر دیے۔

اس پر تصدیق کے دستخط الحاج محمد جعفر جنرل سیکرٹری ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مسشنز (World Federation of Islamic Missions) کراچی نے 2 رجب 1396 ہجری کو ثبت کیے۔

میں بہت جوشیلا اور متحرک انسان تھا، لہٰذا میں نے سب لوگوں کو فوراً اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا تاکہ ان کو بھی حق کا علم ہو اور نجات کی طلب پیدا ہو۔ اس پر ماحول اچانک میرا مخالف ہو گیا اور مجھ سے قطع تعلق کر لیا گیا۔

میرے رشتے داروں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسلام ترک کر کے میتھوڈسٹ، کیتھولک، دہریہ یا کافر بن جاؤں مگر اسلام چھوڑ دوں۔ بہر حال میں لوہے کی طرح اپنے عقیدہ پر مضبوط رہا اور اس سے ذرہ بھر انحراف نہ کیا بلکہ قبول اسلام کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میں نے اپنے چار بھتیجوں عبدالرحمن چوا (Chua) ابراہیم تنگالن (Tangalin) سلیمان بالان (Balan) اور عبدالغفور بالان (Balan) کو بھی مشرف بہ اسلام کیا۔ اس طرح میرے رشتہ دار اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور میرے خلاف شدید نفرت کا مظاہرہ کرنے لگے۔

انھوں نے ہمیں ذہنی اور جسمانی اذیتوں سے دوچار کیا اور ہم سے غلاموں کا سا سلوک کیا۔ ہماری اسلامی کتب جلا دی گئیں، ہمیں نماز اور دوسرے اسلامی اعمال سے روک دیا گیا، حرام کھانے پر مجبور کیا گیا، بھاری بوجھ اٹھوائے گئے، ننگے ہاتھوں سے گھاس کھدوائی گئی اور تپتی دھوپ میں دوپہر کے وقت ننگے سر ہم سے کام لیا گیا۔ ہمیں رات کو دیر سے نیند نصیب ہوتی اور صبح سویرے کام پر لگا دیا جاتا۔

کبھی کبھی تو آرام کا وقفہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ بعض اوقات ہماری اس طرح پٹائی کی جاتی کہ ہمارے چہرے سوج جاتے اور جسم کے مختلف حصوں سے خون رسنے لگتا۔ ہم سے جبراً کہلوایا جاتا کہ ہم میتھوڈسٹ ہیں۔

بعد میں میرے دو بھتیجوں کو مجھ سے الگ کر دیا گیا۔

میرے دوسرے دو بھتیجوں کو فرار کا موقع مل گیا۔20 جولائی 1978ء کو میں بھی امینہ کی مدد سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یہی امینہ بعد میں میری زوجہ بنیں۔ میری بیوی کے رشتہ داروں نے دوسرے لوگوں کی نسبت ہمیں جلد سمجھ لیا۔ ہمیں امید ہے کہ انھیں بھی ہم ان شاء اللہ اسلام سے آشنا کر دیں گے۔ چونکہ ہم بانی Bani (پنگاسینان(Pangasinan کے قصبے میں واحد مسلم خاندان ہیں، لہٰذا پورے معاشرے کا سلوک ہم سے تمسخرانہ اور حقارت آمیز ہے۔

یہ خراب ماحول ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ یہ معاشرہ ہمارا اپنا نہیں بلکہ ہم اپنے اصل بھائیوں سے الگ رہ کر ان کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ تبلیغ اسلام کی وجہ سے قتل کی دھمکی کے باوجود ہم نے سلسلۂ تبلیغ جاری رکھا اور نئے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ میں کامرس میں گریجوایٹ ہوں۔

اکاؤنٹنگ کا ماہر ہوں مگر صرف اس وجہ سے بے روزگار ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ ایک کمپنی میں ملازمت کے لیے تمام امیدواروں میں، میں سرفہرست رہا مگر میری کچھ شنوائی نہ ہوئی۔

اس طرح تین سال تک میں بے روزگار رہا۔ 8 رمضان 1400 ہجری (جولائی 1980ء) کو ہمارے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام ہم نے فاطمہ رکھا۔ 31/ اگست 1980ء (شوال 1400 ہجری) کو ہم اپنی ماں کو اسلام کی آغوش میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔

(الحمدللہ) 30 ذوالقعدہ 1401 ہجری (ستمبر 1981ء) کو میری بیٹی خدیجہ پیدا ہوئی اور اس طرح میرے خاندان میں اب پانچ افراد ہیں جن کے لیے مجھے تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔

اسلام قبول کرنے پر بہت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر ہم ثابت قدم رہے اور ان شاء اللہ جب تک جسم میں جان ہے ہم کلمہ ''**لا الٰہ الا للہ محمد رسول للہ** '' پڑھتے رہیں گے۔ اے اللہ! حالات کے ناقابلِ برداشت مسائل میں ہمیں اسلام کے سچے قوانین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین[1]

[عبد اللہ کولوبانگ مینگوانگ سابق ایڈون سی مینگوانگ]

(Abdullah Colobong Mangaoang' Formerly Edwin C.Mangaoang)

میں مسلمان کیوں ہوا؟

میں ہمیشہ سے مسلمان رہا ہوں۔ یہ کہنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ میں قرآنِ حکیم میں مذکور مفہوم کے مطابق دین فطرت کا پیروکار تھا، بلکہ زندگی کے ابتدائی دور ہی میں مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اسلام اپنی موجودہ عملی شکل میں دوسرے قابلِ ذکر مذاہب کی نسبت فطرت کے زیادہ قریب ہے۔ میرے خیال میں مجھے جس چیز نے مشرقی تہذیب کی طرف متوجہ کیا وہ عیسائیت کے نظریۂ اخوت اور سامراجی نظریات سے پیدا ہونے والے رویّے کے درمیان تفاوت تھا جس کی بنا پر سلطنت برطانیہ میں ایک طرف انگریزی اداروں کی عظمت کے گیت گائے جاتے تھے اور دوسری طرف رنگ و نسل کا تعصب اور دو الگ الگ ضابطۂ اخلاق رائج تھے۔

ایک یورپی لوگوں کے لیے اور دوسرا اُن غیر یورپی لوگوں کے لیے جنھیں "کم تر نسل کے بے قانون لوگ" سمجھا جاتا تھا۔ اس پس منظر میں، میں نے غیر یورپی معاشروں کا مطالعہ مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ سماجی نقطۂ نظر سے کیا۔

تب مجھے معلوم ہوا کہ جو کچھ مجھے سکھایا گیا تھا اس کے برعکس تہذیب یونان ہی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ یونان کے مشرق میں ایک ایسی تہذیب بھی موجود تھی جس نے تاریخِ عالم میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ وہ تہذیب تھی جس کی وساطت سے یونانی تہذیب کا ورثہ یورپ کو نصیب ہوا، جس پر آج یورپ کو اتنا فخر ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس تہذیب نے یونانی ورثہ میں اسلامی رنگ اور تمدنی خصوصیات شامل کر کے اُسے خوبیوں سے مالامال کر دیا تھا اور اسی تہذیب نے یورپ کے دورِ وحشت میں یونانی تہذیب کی حفاظت کی تھی۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ ہمارے بائبل کے مدرس نے ہمیں اعلیٰ تنقید کے جو اصول سکھائے انھی سے میرے دل میں عیسائیت کی انجیلوں کے بارے میں شدید شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ اسلام کی سادگی اور اس کی بنیاد (قرآنِ حکیم) کی سچائی کے بارے میں سخت ترین مخالف نقادوں کا بھی کہنا ہے کہ یہ بلاشبہ اللہ کا پیغام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہم تک پہنچا۔

اس کے مقابلے میں عیسائیوں کی انجیلیں نہایت غیر مستند اور ناقابلِ یقین ہیں کیونکہ وہ ایک ایسی زبان میں ہم تک پہنچی ہیں جو ان کی پہلی زبان سے مختلف ہے اور ان کے مرتب ہونے کا تعلق ایک ایسے علاقے سے ہے جو ان کے اصلی گھر سے بہت ہٹ کر ہے۔ ان میں کئی اضافی باتیں ناقابلِ قبول ہیں جن کو انجیل میں شامل کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

ایسی باتیں بھی ہیں جو کلام الٰہی کے بجائے دوسرے ذرائع سے حاصل کی گئیں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو عیسائیت کے اندر سے نکالی گئیں اور کچھ باہر سے لائی گئیں اور ایسا نفسانی خواہشات کے زیر اثر کیا گیا۔ انھیں پڑھ کر انسان کو کسی زیادہ قابلِ یقین اور سادہ تر بنیاد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس پر ایمان استوار کیا جا سکے اور اسے ضابطۂ حیات بنایا جا سکے۔

اسلام سادہ انداز میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف ادوار میں سلسلہ وار آمد، اُن کے ذریعے سے توحید کی تعلیم اور اس تعلیم کے نتیجے میں تمام انسانوں کی مساوات اور اخوت کا سبق دے کر انسانیت کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

اسلام اصل یہودیت سے اس بنا پر مختلف ہے کہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ کی عنایات کسی ایک قوم یا قبیلے کے لیے مختص نہیں ہیں۔ اگرچہ مجھ سے بڑے میرے ایک ہم درس نے میرے خیالات کو سوشلسٹ رُخ دیا اور کچھ عرصہ بعد مجھے دہریت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، مگر مجھے اس وقت بھی یہ احساس ہوتا تھا اور اب بھی ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو اُن مسائل سے دوچار نہیں کرتا جو آج کل یورپ میں لادینیت کا باعث بن رہے ہیں جبکہ دوسری طرف اسلام میں کئی باتیں اس دین کو سچا تسلیم کرنے کے بعد ہی سمجھی اور سمجھائی جاسکتی ہیں۔[1]

(Abdul Qadir Pickard) [عبدالقادر پکارڈ]

امریکہ میں اسلام

ابھی چند روز قبل میں نے تقریباً چودہ افراد پر مشتمل "Toastmasters Club (دعوتِ عشائیہ کے صدور کا کلب) کے ایک گروپ سے خطاب کیا جن میں سے بیشتر افراد اسلام سے بالکل ناآشنا تھے۔

اس طرح مجھے اپنے تصوّر اسلام اور امریکہ میں اسلام کے مستقبل پر روشنی ڈالنے کا موقع نصیب ہوا۔ میرے خطاب کے اس خلاصے سے ان شاءاللہ آپ کو کارآمد اور فکر انگیز نکات حاصل ہوں گے۔ خلاصہ درج ذیل ہے:

اسلام کے معنی ہیں " اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا" اور مسلمان وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے کا اقرار کرتے ہیں لیکن اسلام محض ایک تصور ہے نہ محض ایک مذہب کا نام ہے بلکہ یہ ایک مکمل طرزِ حیات ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔

ایک امریکی ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ بات حیرت انگیز لگتی ہے۔

حال ہی میں مسلمانوں نے اس ملک میں ایک نمایاں سماجی حیثیت حاصل کی ہے۔ آخر کیوں ؟ اس سوال کا جواب ہمیں تاریخ سے مل سکتا ہے۔ اسلام میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو حال ہی میں امریکہ میں فروغ کیوں کر حاصل ہوا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اللہ کا پیغام لے کر آئے تو اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پوری دنیا میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

اس دور کے عیسائی اسلام سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسلام کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ شاید وہ سب سے زیادہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اسلام نہ صرف آزادی سے سوچنے اور اہلِ اقتدار پر تنقید کرنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اگر اہلِ اقتدار میں سے کوئی غلط کام کرے تو اس کے خلاف باآواز بلند مزاحمت کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔

غالباًعیسائیوں نے اسی وجہ سے اسلام کو مخالفت کی نظر سے دیکھا کہ اُنھیں یہ ڈر تھا کہ لوگوں کو سوچ کی آزادی مل گئی تو اُنھیں قابو میں رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔ وہ اس حقیقت سے نا آشنا رہے کہ اسلام عیسائیوں یا یہودیوں کا مخالف نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بائبل میں مذکور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو اللہ کے سچے پیغمبر سمجھتا ہے۔

اصل وجہ جو بھی ہو، عیسائیت اور اسلام کے درمیان ایک بڑی نظریاتی دیوار حائل ہو گئی اور آج بھی کسی حد تک یہ دیوار قائم ہے۔ دنیا میں آج اسلام کی صورتِ حال کے متعلق ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک پسماندہ قوم سمجھا جاتا ہے جبکہ ابتدائی دور کے بہت سے مسلمان عالم و فاضل اور سائنس دان تھے۔ اسلام کے سائے تلے طب، علم نجوم، ریاضی اور سائنس کی دوسری شاخوں میں بہت ترقی ہوئی جس کا مقابلہ اُس دور کی کوئی اور قوم نہ کر سکی۔ کچھ عیسائی علماء نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر مسلمان علماء کی کتابیں پڑھیں کیونکہ عیسائیت کی نظریاتی سخت گیری نئے افکار کی سخت مخالف تھی۔ بہر صورت بعض وجوہات کی بنا پر مسلمان معاشرے کے لوگوں نے مغربی سائنسی ترقی پر مزید تحقیق کا کام نہ کیا۔

کم از کم بظاہر یہی نظر آتا ہے اور شاید مغربی کلچر کے خوف نے مسلمانوں کو امریکہ سے دُور ہی رکھا جبکہ مغرب (یورپ) کے اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں والے افراد امریکہ جابسے۔ دیر ہی سے سہی مگر اب اسلام امریکہ میں قدم رکھ رہا ہے۔ ایک امریکی مسلمان ہونے کے باعث مجھے فخر ہے کہ میں امریکہ کی اورینج کاؤنٹی (Orange County) میں لاس اینجلز (Los Angeles) کے مسلم معاشرے کا ایک فرد ہوں۔

ہم سب اس ملک میں خلوصِ دل سے ایک، صحیح معنوں میں، اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں اسلامک سنٹرز کی تعداد بڑھ رہی ہے جن میں بڑی تعداد میں مسلمان شمولیت کر رہے ہیں۔ امریکہ کا ایک مقامی مسلمان ہونے کی وجہ سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی کرم ہے کہ اُس نے مسلمانوں کو یہاں بھیج دیا۔ شاید اللہ تعالیٰ اسلام کو آزادی کے اس ماحول میں پھلنے پھولنے کے لیے لایا ہے جس میں ہم رہتے ہیں ۔مجھے اپنی جگہ خوشی ہے اور فخر بھی کہ میں امریکہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہوں۔[1]

[ابوبدر صدیق، سابق سڈنی ہوئیٹ] (Abu Badr Siddiq, Former Sidney Hoyt)

اسلام پر میرا ایمان

[" اسلام پر میرا ایمان " (My Belief in Islam) اُس خط کا عنوان ہے جو علی احمد نود (Knud) نے حج پر روانگی سے قبل لندن میں حجاز کے سفیر کو لکھا۔ علی احمد نوجوان مسلم صحافی تھے۔

اُن کا یہ خط اسلامک ریویو، جولائی 1933ء کی جلد: 21، شمارہ: 7 کے صفحات 221 تا 227 پر شائع ہوا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم یہاں مسٹر علی احمد کا ایک مضمون "میں مسلمان کیوں ہوا؟" (Why I Became a Muslim) شائع کر رہے ہیں جو اسلامک ریویو، بابت اکتوبر 1931ء، جلد: 19،

شمارہ:10 کے صفحات 345 تا 349 پر شائع ہوا۔ (ایڈیٹر)] میں اس خط کے ذریعے سے حجازِ مقدس جانے کی اجازت چاہتا ہوں اور اجازت کے حصول کے لیے میں اپنے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میری عمر 29 سال ہے۔

میں 22 اپریل 1902ء کو ڈنمارک کے شہر ہورسنز (Horsens) میں پیدا ہوا۔ ملک کے رواج کے مطابق مجھے شیر خوارگی ہی میں بپتسمہ دلا کر مذہب عیسائیت سے وابستہ کر دیا گیا اور میری پرورش عیسائیت کے فرقہ پروٹسٹنٹ کے اصولوں پر کی گئی۔ 20 سال کی عمر میں اپنی تعلیم مکمل کر کے میں شعبۂ صحافت میں آ گیا اور اس حیثیت میں مجھے بطور صحافی کچھ دلچسپ سفر کرنے پڑے۔

1922ء میں، میں پولینڈ چلا گیا جہاں اس وقت روس اور پولینڈ کی جنگ جاری تھی۔ وہاں مجھے کوپن ہیگن (ڈنمارک) کے ایک اہم اخبار "دی پولیٹیکن" (The Politiken) کا نامہ نگار مقرر کیا گیا۔ 1923ء میں میں آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ اور آئس لینڈ گیا اور 1924ء کے موسم گرما میں لیپ لینڈ (شمالی ناروے) پہنچا جہاں سے دو اخبارات کوپن ہیگن کے The Nationaltidende اور فن لینڈ کے Helsingi Sonomat کا نمائندہ مقرر ہو گیا۔

1924ء کے موسم خزاں میں، میں مراکش چلا گیا جہاں میں نے عبدالکریم کی جنگوں کا حال قلمبند کیا۔ [1]

اس سفر کے دوران میں، میں نے ایک کتاب بھی لکھی مگر میرے آج کے خیالات و نظریات اُن خیالات و نظریات سے بالکل مختلف ہیں جن کا اظہار میں نے اُس کتاب میں کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ میں پہلی بار مراکش گیا تھا اور جو کچھ وہاں ہو رہا تھا اُسے پوری طرح سمجھ نہ سکا، پھر بھی مجھے مشرقی ممالک سے دلچسپی تھی اور 1925ء کا تقریباً پورا سال میں ترکی، شام، فلسطین، عراق اور ایران میں پھرتا رہا۔

اس دوران میں کوپن ہیگن کے اخبار The Nationaltidende کے لیے باقاعدہ مقالات لکھتا رہا۔ 1926ء میں، میں کوپن ہیگن کے ایک اخبار کا ایڈیٹر مقرر ہوا، 1927ء میں شادی کر لی اور بیوی کے ساتھ البانیہ کا سفر کیا۔ اسی سال میری اسلام میں دلچسپی شروع ہوئی، اگرچہ یہ دلچسپی، جیسا کہ آپ اس خط کے بعد والے بیان میں پڑھیں گے، اگلے دو سال تک کئی شدید آزمائشوں کا شکار رہی۔ میں 1927ء میں اپنی بیوی کے ہمراہ عربی سیکھنے کے لیے مراکش گیا۔ وہاں ہماری بچی پیدا ہوئی جو آج کل اپنی ماں کے پاس ڈنمارک میں رہتی ہے۔

مراکش میں، میں تقریباً دو سال رہا۔ اس کے بعد ہم ڈنمارک واپس آ گئے، پھر میں لندن روانہ ہو گیا جبکہ میری بیوی گھر میں میرے والدین کے پاس رہی۔ اب کسی بیرونی اثر یا محرک کے بغیر میں نے اپنے دل کی خواہش پر اسلام قبول کرنے کا تہیّہ کر لیا تھا، چنانچہ لندن کی مسجد میں کلمہ طیّبہ پر مبنی اقرار نامے پر دستخط کر کے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت تک میں اسلام پر مختلف تحریریں پڑھ چکا تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ان کتابوں کی وساطت سے جن کے ترجمے یورپ میں موجود ہیں، میں اسلام سے واقفیت حاصل کر چکا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مفکرین اسلام کے افکار کا مطالعہ کر لیا تھا۔

لیکن اس سفر کے آخری مراحل میں جا کر مجھے صحیح معنوں میں اسلام کی حقیقت کا پتہ چلا جو کہ میرے اخلاقی ارتقا کے لیے ضروری تھی۔ اس سفر میں مجھے دل و جان سے اسلام سے محبت نصیب ہوئی جو اب ان شاء اللہ ہمیشہ میرے دل میں رہے گی۔ تب سے لے کر اب تک میرے لیے سب سے پہلی ترجیح میرا دین ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو میری زندگی اللہ کے اس دین کے لیے ہمیشہ وقف رہے گی۔

مجھے اپنے اس عزم سے بھی بہت محبت ہے۔ یہاں میں اس سفر کے حوالے سے کچھ تفصیل عرض کرنے لگا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اس میں ایسی کون سی بات ہوئی جس کی بنا پر اس سفر سے میں بالکل ایک نیا انسان بن کر لوٹا۔ مارچ 1930ء کے وسط میں، میں اپنی کار میں اٹلی کے ٹریپولی ٹینیا (Tripolitania) یعنی طرابلس کے قلعے سے صحرا میں واقع ایک دوسرے قلعے کی طرف روانہ ہوا۔

ہم نے تقریباً پانچ سو کلو میٹر کا سفر طے کیا اور دوسرے قلعے میں پہنچنے سے پہلے ہم راستہ بھول گئے۔ گیارہ دن تک میں اور میرا ہم سفر لڑکا پریشانی کے عالم میں صحرا میں بھٹکتے پھرے۔ ہمارے پاس تھوڑا سا پانی تھا اور سوائے ایک خارپُشت (porcupine) کے ہمیں کھانے کو کچھ نہ مل سکا۔

ہمیں گیدڑوں اور لکڑ بھگوں کا بھی ڈر تھا۔ آخری دو دنوں میں تو ہم دونوں بھوک، پیاس، خوف اور تھکاوٹ سے تقریباً پاگل ہو گئے۔ تب مجھے یہ احساس ہوا کہ اپنی تہذیب کے دائرے سے باہر انسان کتنا بے بس اور مجبور ہے۔ ان گیارہ دنوں میں میرے دل میں ایک اللہ پر ایمان پیدا ہو گیا۔

میں نے عہد کیا کہ اگر اللہ نے میری جان بچالی تو میں اس سے ہمیشہ نیک عمل کرنے کی توفیق طلب کروں گا اور کبھی نیکی کے رستے سے روگردانی نہیں کروں گا۔ اُس وقت میں نے یہ بھی دیکھا کہ اگرچہ ہمیں بعض صلاحیتیں تو عطا ہوئی ہیں مگر ہمیں جو کچھ بھی ملتا ہے اپنی محنت یا قابلیت سے نہیں بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ ہمیں یہ صلاحیتیں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں استعمال کرنی چاہئیں، پھر ہو سکتا ہے کہ ہمیں سچی خوشی نصیب ہو جائے۔ اس لمحے کے بعد میں ہمیشہ خوش ہی رہا ہوں اگرچہ زندگی میں اتنی مشکلات بہت کم لوگوں نے دیکھی ہوں گی جتنی میں نے دیکھی ہیں۔ پہاڑی علاقے میں سنوسی[1]

(Senoussis) گروہ نے مجھے قید کر دیا۔ میں نے انھیں حقیقت بتائی کہ میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔ پہلے تو انھوں نے مجھ پر شک کیا۔ یہ فطری بات تھی، مگر بالآخر اُنھوں نے میری بات مان لی اور پھر پہاڑوں میں رہنے والے وہ "باغی لوگ" جو غالباً میری زندگی میں آنے والے بہترین انسان تھے، مجھے اپنی کہانی سنانے لگے جسے سُن کر میں اتنا متاثر ہوا کہ مجھے اپنے یورپی ہونے پر شرم محسوس ہونے لگی۔

یقین کیجیے کہ اگرچہ وہ لوگ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے، غریب اور فاقہ زدہ تھے، پھر بھی انھوں نے مجھے ہر چیز میں حصہ دار بنالیا۔ اِن مردوں اور اُن عمدہ لباس میں ملبوس درندہ صفت عیسائی افسروں میں کتنا فرق تھا جن سے مجھے بعد میں واسطہ پڑا۔

ان سنوسیوں سے رخصت ہو کر میں اٹلی والوں سے ملا۔ اُنھوں نے مجھ سے ان عربوں کے بارے میں پوچھا مگر میں نے بتانے سے صاف انکار کر دیا تو اُنھوں نے مجھے قید کر دیا۔ میں اس قید پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اگر مجھے اس طرح قید نہ کیا جاتا تو آج میں اہلِ یورپ کو شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے مصائب و آلام کے بارے میں نہ بتا سکتا۔

اس قید سے رہائی کے بعد میں مصر گیا اور اپنے مشاہدات اخباروں میں بیان کرنے لگا۔ اٹلی کی حکومت مجھے اس کام سے روکنا چاہتی تھی اور جب میں اٹلی کے متوقع حملے کے خلاف نخلستان کفرا(Cafra) کے لوگوں کی مدد کرنے جارہا تھا تو مصر کی حکومت نے مجھے گرفتار کرلیا کیونکہ قاہرہ میں اٹلی کے سفیر نے میرے بارے میں غلط بیانی کرتے ہوئے ان سے کہا تھا کہ میں روسی اشترا کی تحریک کا رُکن ہوں۔ تاہم میں نے آسانی سے یہ ثابت کردیا کہ مجھ پر یہ الزام بے بنیاد ہے، پھر میں نے مصریوں سے کہا کہ مجھے کفرا جانے کی اجازت دی جائے مگر انھوں نے اجازت دینے سے انکار کردیا اور بالآخر اس سال کے آغاز میں اطالویوں نے ایک خوفناک کارروائی کرکے کفرا پر قبضہ کرلیا۔

اب میں کوپن ہیگن چلا گیا اور ایک سلسلۂ مضامین میں شمالی افریقہ پر استعماری قبضے کے بارے میں حقائق منظر عام پر لے آیا۔ اسی دور میں، میں نے اپنی کتاب (The Desert Burns) ”صحرا جل رہا ہے“ بھی لکھی جس کی ایک جلد میں نے ووکنگ (Woking) کی مسجد میں بھجوائی ہے۔

چند ماہ میں یہ کتاب ڈنمارک کی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی چھپ جائے گی کیونکہ میری کوشش یہ ہے کہ اس معاملے کے تمام حقائق دنیا کے علم میں آجائیں۔ اس کتاب کے تعارف کے طور پر میں اس کے دیباچے سے چند سطور کا ترجمہ ذیل میں دے رہا ہوں: “1931ء کے آغاز میں اطالویوں نے حبشی فوجوں کے ساتھ مل کر، جنھیں سائرینیکا (Cyrenaica) [1] میں بلوایا گیا تھا، کفرا کے نخلستان پر قبضہ کرلیا جو کہ صحرائے لیبیا کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ مٹھی بھر عربوں کو جنھوں نے گزشتہ بیس سال میں اپنے دین اور اپنے وطن کا حیرت انگیز طریقے سے دفاع کیا تھا، بالآخر اطالوی مشین گنوں کی بے رحم بوچھاڑ کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

یہ مشین گنیں جو مطرالیوز (Miterailleuse) کہلاتی ہیں، آج کل ایک مہذب قوم آزاد رہنے پر مُصر ایک قوم کو زیر کرنے کے لیے انھیں استعمال کرتی ہے۔” اس معاملے کے بارے میں روم سے آنے والے ایک تار میں درج مختصر پیغام کے سوا جس میں صرف یہ لکھا تھا کہ “ہماری فوجوں نے کفرا پر قبضہ کرلیا ہے” باقی ماندہ یورپ کو کچھ علم نہ تھا۔

یورپ کو اس معاملے کے بارے میں علم ہوتا بھی کیسے کہ دیارِ مشرق سے آنے والے بہت کم یورپی لوگ وہاں کی مقامی زبان بول سکتے ہیں۔ وہاں سے بیرونِ ملک جانے والے تار پیغامات اطالوی سفارتی ضوابط کے پابند ہوتے ہیں۔

وہ ہمیں اس علاقے میں کسی یورپی پر “باغیوں” کے حملے کی خبر تو دیتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ یہ حملے کیوں ہوتے ہیں؟ یہ نہیں بتاتے کہ پُرامن عرب لوگ جن کا دین انھیں صبر، تحمل اور سادگی سکھاتا ہے، باغی کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس کتاب میں یہی باتیں بتائی جائیں گی۔ کتاب سائرینیکا کا منظر پیش کرتی ہے۔ اس وقت یہی ملک سب سے زیادہ توجہ اور دلچسپی کا مرکز ہے۔

یہیں پر اطالویوں نے ہزاروں حبشی عیسائیوں کو اری ٹیریا (Eriterea) سے لاکر آباد کیا ہے۔ وہ اپنے سینے پر صلیب کی علامت لگاتے ہیں جس کی بنا پر وہ گوری تہذیب کے بلند پایہ علم بردار سمجھے جاتے ہیں۔

یہ کتاب اُس کھوکھلے دعوے کو چیلنج کرتی ہے جو یورپ کی جانب سے اکثر بہ آوازِ بلند کیا جاتا ہے کہ "ہم یورپ کے لوگ ان وحشیوں کو تہذیب سکھانے پر مامور ہیں اور ان کے ممالک ہماری امان میں ہیں۔" ڈنمارک میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور ڈنمارک سے باہر بھی اسے خاصی پذیرائی ملی۔ میری مخلصانہ خواہش ہے، خواہ حقیقت خدانخواستہ اس کے کتنی ہی برعکس کیوں نہ ہو، یہ کتاب باقی ماندہ یورپ کو بھی اس طرف متوجہ کرے گی۔ اگر یورپ صرف اتنی بات سمجھ جائے کہ اسلام کیا ہے تو میرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اس کتاب پر اخباری تبصرے ملاحظہ فرمایئے: دی پولیٹیکن (The Politiken) کوپن ہیگن لکھتا ہے: "نود ہولمبو (Knud Holmboe) ایک مسلمان ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے، لہٰذا پڑھنے والوں کو ان کے مسلمان ہونے سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایسے تیز طرار صحافی کا تصور بہت آسان ہے جو اپنے پیشہ ورانہ فرائض ادا کرتے ہوئے مسلمان ہو جائے اور اپنے مذہب کو ایک لبادے کی طرح اتار کر ایک طرف رکھ دے تاکہ خاص خاص موقعوں پر اسے پہنا جا سکے، مگر مسٹر نود ہولمبو ایسے موقع پرست انسان نہیں ہیں۔

ان کا ایمان اور عمل دونوں اسلام کے عین مطابق ہیں۔ انھیں اپنے موقف کے بارے میں ذرا سا بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ وہ اللہ کو اپنا رہنما مانتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کتاب میں ایک کشش ہے اور ہم ان کی باتوں پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم ان کے ہم سفر بن جاتے ہیں۔

بلاشبہ شمالی افریقہ میں مرابطی پیشواؤں اور شیوخ کی پرستش کی جاتی ہے لیکن یہ تعلیماتِ اسلام کے سراسر منافی ہے، جیسا کہ نود ہولمبو ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام میں عبادت صرف ایک اللہ ہی کی جائز ہے۔" سویڈن کے اخبار "گوٹ برگ ہینڈلس" نے لکھا ہے: "ان (نود ہولمبو) کا دل کی گہرائیوں سے یہ یقین ہے کہ مستقبل صرف اسلام کا ہے کیونکہ عیسائیت ناکام ہو گئی ہے۔

اگر ان سے پوچھیں کہ وہ مسلمان کیوں ہوئے ؟ تو اس سوال کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں: "مجھے یقین ہے کہ انسانیت کو حقیقی مسرت اور اطمینان صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی تعلیمات پر عمل کر کے ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ عیسائیت پر ایسے متعصبانہ نظریات کا غلبہ ہے جو میری سمجھ میں آتے ہیں نہ مجھے ان کی ضرورت کا کوئی جواز نظر آتا ہے جبکہ اسلام خود زندگی ہے۔ عیسائیت مٹ جائے گی کیونکہ اس کی کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں۔ اسلام ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ایک مسلمان کی رائے میں ترقی صرف انسان کے خارجی وجود کی ترقی ہی نہیں۔ ترقی تہذیب میں مضمر ہے نہ فنی اور سائنسی پیش رفت میں بلکہ مادی دنیا کی ہر طرح کی غلامی سے انسانی روح کی آزادی ہی اصل ترقی ہے۔ نود ہولمبو بتاتے ہیں کہ اسلام اسی کا نام ہے اور یہ کتاب پڑھنے کے بعد ہمیں بھی اپنی نام نہاد تہذیب کی ترقی مشکوک نظر آتی ہے۔" میں نے یہاں آپ کو اپنے قبول اسلام کے خارجی اسباب کے بارے میں بتایا ہے۔

داخلی اسباب کو بیان کرنا میرے بس میں نہیں۔ میں آپ کو صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ اسلام پر میرا پختہ ایمان ہے اور اگر اللہ مجھے گمراہ ہونے سے بچا لے تو یہ ایمان کبھی متزلزل نہیں ہو گا۔ میرے خیال میں انسانیت کے مستقبل کے بارے میں دو امکانات ہیں:

فضائل دعوت اور اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں ؟

☆ روس جیسی دہریت جہاں مشینیں خدا سمجھی جاتی ہیں اور جہاں لوگوں کی تمام تر ذہنی ترقی کے باوجود بالآخر ہر چیز کی تباہی یقینی ہے۔[1]

☆ اسلام جو میرے ایمان کے مطابق خالص توحید (اللہ واحد پر ایمان) ہے، جس کے بارے میں قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہی وہ راستہ ہے جس سے انسان رب تعالیٰ کے رُوبرو جا کر جنت حاصل کر سکتا ہے۔

اس لیے میرا درج ذیل باتوں پر کامل ایمان ہے:

☆ اللہ کی وحدانیت پر ایمان جیسا کہ سورۃ الاخلاص میں مذکور ہے۔

☆ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر اور حامل قرآن ہونے پر ایمان کہ ان پر اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا جس کی تعلیمات ہی بنی نوع انسان کو حقیقی خوشی سے ہم کنار کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔

☆ پانچ وقت کی نماز پر ایمان یعنی اللہ کی طرف کامل توجہ جس کی پابندی انسان کو نیک اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے قابل بناتی ہے۔

☆ ہر قسم کی نشہ آور چیزوں کی ممانعت پر ایمان کیونکہ اللہ نے جسم کو رُوح کا مسکن بنایا ہے، لہٰذا اس کی صحت کو برقرار رکھنا ہمارا فرض ہے۔

☆ حج کے رکن اسلام ہونے پر ایمان جو بڑے سے بڑے معزز اور صاحب اقتدار انسان کو بھی رُوح کی پاکیزگی کے لیے سادہ زندگی اپنانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

☆ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء علیہ السلام پر ایمان مگر چونکہ قرآن سے پہلے نازل شدہ آسمانی کتابوں اور صحف میں انسانی ہاتھوں نے تحریف کر دی ہے، لہٰذا اب قرآن حکیم ہی انسانیت کے لیے واحد اور آخری رہنما کتاب ہے۔

ان تمام باتوں پر میرا ایمان ہے اور میرا یہ مصمم ارادہ ہے کہ اپنی عملی زندگی میں احکامِ الٰہی کی پابندی کرنے کی پوری کوشش کروں گا اور اس پابندی سے مجھے جو رُوحانی نور عطا ہوگا اس سے دُکھی انسانیت کو حق سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ محترم قارئین! میں نے چند سطور میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں کیونکر مسلمان ہوا۔

آپ چونکہ میرے مسلمان بھائی ہیں، لہٰذا مجھے امید ہے کہ آپ میری یہ بات سمجھ جائیں گے کہ میرے نزدیک صرف اسلام ہی حتمی صداقت اور سچائی ہے۔ میرے شعبۂ صحافت سے وابستہ ہونے اور کتابوں کا مصنف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان وسائل کے ذریعے سے میں اپنے مسلمان بھائیوں کے دُکھوں میں اُن کی مدد کر سکوں گا۔

[علی احمد نود ہولمبو] (Ali Ahmad Knud Holmboe)

میں مسلمان کیوں ہوا؟

[مسٹر ہولمبو(Mr.Holmboe) ڈنمارک کے رہنے والے ہیں اور اپنے ملک کے ایک نامور صحافی ہیں۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے تازہ ترین کتاب اور کینن برینڈر(1931 (Orkenen Braenderء میں کوپن ہیگن کے ناشر سی اے ریٹز لز فور لاگ(C.A.Reitzels Forlag) نے شائع کی ہے۔

ڈنمارک کے پریس نے اس کتاب کو بہت سراہا۔ یہ کتاب اہلِ یورپ کے اس جھوٹے دعوے کو بے نقاب کرتی ہے جو" وحشیوں کو تہذیب و ثقافت سکھانے" کے بہانے مشرقی ممالک کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس رسالے کے کسی آئندہ شمارے میں اس مضمون کے مصنف کا مکمل تعارف مع تصویر چھاپنے کا اعزاز بھی حاصل کریں گے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے اطلاعاً عرض ہے کہ مسٹر ہولمبو آج کل عمّان (ٹرانس جارڈن یعنی شرقِ اردن)[1] میں ہیں اور وہاں 1932ء کے حج کے لیے حجاز مقدس جانے کی خاطر ویزے کے حصول کے منتظر ہیں۔

(مدیر: اسلامک ریویو)] اسلام کے حُسن سے میں پہلی مرتبہ القدس میں متاثر ہوا۔ اس سے پہلے اسلام کے متعلق میرا علم وہی کچھ تھا جو تقریباً تمام یورپ میں پڑھایا جارہا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (**نعوذ باللہ**) عیسائیت اور یہودیت کا چربہ اتارا ہے اور جس دین کی بنیاد آپ نے رکھی وہ ایک وحشیانہ اور جاہلانہ مذہب ہے جس کا مقصد بے چارے عیسائیوں بالخصوص آرمینیا کے لوگوں کا قتل عام ہے۔

تقریباً پانچ سال قبل میں یروشلم گیا جبکہ میں اُس مذہبی ارتقا کی شورش سے گزر چکا تھا جو تمام یورپ میں برپا تھی۔

بچپن ہی میں، میں سکول میں دی جانے والی عیسائیت کی تعلیم کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو چکا تھا جس میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نجات دہندہ تھے اور صلیب پر اُن کی موت ہمارے گناہوں کا کفارہ تھی۔

مجھ سے غلطی یہ ہوئی اور جو اکثر ہوتی ہے کہ میں لفظ عیسائیت کو مذہب کا ہم معنی سمجھنے لگا اور خاصے عرصے تک زندگی کے بارے میں میرے خیالات مکمل طور پر منفی رہے۔ ایک پُر خلوص انسان، بلکہ شاید کوئی بھی انسان مذہب کے بغیر مستقل گزارہ نہیں کر سکتا۔

دوسرے لفظوں میں اُسے اپنے اعمال کے لیے کسی اخلاقی بنیاد یا جواز کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے حق کی جستجو کی اور رومن کیتھولک چرچ میں عبادت سے متعلقہ موسیقی اور آرٹ سے بہت متاثر بھی ہوا۔ تقریباً یہی زمانہ تھا جب میں یروشلم آیا۔ گولگوتھا (Golgotha) کے مقدس ہیولے(Holy Sepulchre) کے چرچ میں ایسٹر(Easter) کا تہوار منایا جارہا تھا۔

یہ چرچ ایک تنگ زینہ دار چبوترے پر بنا ہوا ہے اور یونانی اور رومن کیتھولک پادریوں نے اسے تقسیم کر رکھا ہے۔ ایسٹر کا بڑا اجتماع ہونے والا تھا۔ دنیا بھر سے لوگ گولگوتھا میں اس دعائیہ اجتماع میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔

پھر یہ اجتماع شروع ہوا اور بہت جلد یونانی اور رومن پادریوں کے درمیان زبردست زور آزمائی شروع ہو گئی۔ مخصوص مذہبی چُغوں اور عباؤں میں ملبوس علماء مشتعل بوڑھی عورتوں کی طرح آپس میں لڑ رہے تھے۔

کرسیوں کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اور انتہائی گھٹیا بازاری زبان کا بر سر عام بآواز بلند استعمال ہو رہا تھا۔ ایک کونے میں ایک پادری، جو یورپی علاقہ کارپیتھیں (Carpathians) سے تعلق رکھتا تھا، تسبیح پر کچھ پڑھ رہا تھا۔ دیوار پر ایک شیشے کے مرتبان میں میڈونا (حضرت مریم) کا مسکراتا ہوا مجسمہ رکھا تھا۔ اس نے چمکدار موتیوں والی کلائی کی گھڑی پہن رکھی تھی اور چند سال پہلے اُسے (فرانسیسی تمغۂ جرأت) French Croix de Guerre

سے سجایا گیا تھا۔ اُس وقت میں یہ سمجھ گیا کہ عیسائیت کے بارے میں جو کچھ میں جانتا ہوں اُس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس میں سچے دین والی کوئی خوبی موجود نہیں۔ علامت کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک سرخ سی لکیر جو تمام مذاہب کو آپس میں مربوط کرتی ہے، وہ عیسائیت میں غائب تھی اور وہ عظیم انسان جنھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہا جاتا ہے اگر آج موجود ہوتے تو وہ عیسائی ہرگز نہ ہوتے۔ میں تقریباً مایوس ہو گیا۔

ایک دفعہ پھر میں شدید شکوک و شبہات اور پریشانی کا شکار ہو گیا۔ چرچ سے باہر آکر میں مسجد عمر میں آ گیا۔

اس مسجد میں مکمل سکون تھا۔ یہاں کوئی پادری آپس میں لڑ رہے تھے نہ مخصوص خطبات سنا رہے تھے۔ روٹی اور شراب کو معبود بنا رہے تھے نہ یہاں وہ موسیقی تھی جو دلوں کو مسحور کر کے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے۔

میں ایک کونے میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ مسلمان ایک ایک کر کے مسجد میں داخل ہوتے، دروازے کے قریب اپنے جوتے اتار دیتے اور مکہ (خانہ کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے لگتے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خوبصورتی سے تراشا ہوا کوئی مجسمہ نہ تھا بلکہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اکیلا حاضر ہوتا تھا جس کی رحمت کی روشنی سب کے دلوں کو منوّر کر دیتی ہے۔

یہ دیکھ کر مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا اور اسلام کے بارے میں میرے خیالات تبدیل ہونے لگے۔ چند روز بعد میں اپنے دوست مسلمان معلم عادل جابر سے ملنے القدس گیا اور اُس سے قرآنِ حکیم کا راڈویل (Rodwell) کا انگریزی ترجمہ عاریتاً لے لیا مگر مجھے یہ سمجھنے میں مشکل لگا۔ تب مجھے یہ علم نہ تھا کہ عربی زبان کا ترجمہ زبان دانوں کے بس کی بات نہیں بلکہ صرف وہ مترجم جو اس زبان کے بے پناہ حُسن کو سمجھ سکتا ہو وہی ترجمے میں اس کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر اُمّی تھے اور انھوں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا مگر اللہ کی جانب سے ہدایت کے نُور نے آپ کو انتہائی شدت سے متاثر کیا حتی کہ آپ نے اللہ کی طرف سے عطا ہونے والی سچائی سے پوری دنیا کو آگاہ کرنے کا تہیّہ کر لیا۔

آپ پر قرآن حکیم کی آیتیں بذریعہ وحی مسلسل نازل ہوتی گئیں اور آپ انھیں پڑھ کر لوگوں کو سناتے رہے، پھر میں نے عربی زبان سیکھنا شروع کی اور یہی راستہ مجھے اسلام تک لے آیا۔ سپینی مراکش میں زوین (Xauen) نامی شہر ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ ایک دن جب میں تہذیبِ مغرب اور اس کی لائی ہوئی سطحی زندگی سے تنگ آگیا تو میں وہاں کی ایک مسجد میں چلا گیا۔ وہاں فرش پر ایک خشک گھاس کی بنی ہوئی چٹائی بچھی تھی۔ پہلے تو میں اکیلا تھا، پھر ایک معمر بزرگ وہاں آگئے۔ اُن کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور وہ بیمار بھی لگتے تھے مگر چہرے پر نور تھا۔

اُنھوں نے ایک لمحہ میری طرف دیکھا اور پھر میرے پاس آکر مصافحہ کیا اور کہنے لگے: "آپ یہاں کے رہنے والے نہیں لگتے، آپ مسجد میں کیسے آئے ہیں؟" میں نے جواب دیا کہ یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا، مگر مسجد میں آکر مجھے سکون سا محسوس ہوتا ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتائیں۔ اُنھوں نے پوچھا: "آپ جانتے ہیں کہ اللہ کون ہے؟" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ کہنے لگے: "اگر تمام مذاہب کمال کو پہنچ جائیں تو بھی اللہ کی حقیقت کو جزوی طور پر ہی سمجھ سکتے ہیں، حتیٰ کہ جب انبیاء اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا تھوڑا سا مشاہدہ کیا تو ان کے دل بھی پگھل گئے۔

آپ کا مذہب کون سا ہے؟" میں نے جواب دیا: "میرا کوئی مذہب نہیں۔" انھوں نے بڑی سنجیدگی سے مجھے دیکھا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "بیرون ملک سے آنے والے بہت کم لوگ اسلام کو سمجھ سکتے ہیں۔ خاص طور پر آپ یورپی لوگ جو تہذیب اور مادی ترقی کو ہی مقصدِ حیات سمجھتے ہیں، اسلام کو بہت کم سمجھتے ہیں اور یہ بڑی بد نصیبی ہے، لہٰذا اللہ کا سیدھا راستہ تلاش کریں کہ اسی راستے سے آپ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان ہستی کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

اور وہ راستہ اسلام ہے۔" میں نے پوچھا" عیسائیت، ہندو مت یا دنیا کا کوئی اور مذہب کیوں نہیں؟" بزرگ مسکرا کر کہنے لگے: "ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ سچائی ہوتی ہے مگر عیسائیت اللہ تعالیٰ سے مسلسل دور ہوتی جا رہی ہے کیونکہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیا ہے اور انسان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان پادری کو حائل کر دیا ہے۔ عیسائیت انسان کو اس کی تمام ذمے داریوں سے یہ تعلیم دے کر مبرا کر دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی اس کے نجات دہندہ ہیں جو اس کے لیے مصلوب ہو گئے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ قرآن بھی کہتا ہے، کسی نئے دین کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ معاصر مذاہب میں سے بنیادی باتیں لے کر اُن کی تعلیم دیتے ہیں کیونکہ دوسرے مذاہب بنیادی باتوں کو چھوڑ کر انسان کو اللہ عزوجل سے دور لے جا رہے ہیں۔ اسلام ایک ایسا نظریہ ہے جو انسان کو اللہ کے راستے پر چلا کر اس کا قرب دلاتا ہے۔ ہمارے ہاں پادری نہیں ہوتے، مسجدوں میں تصاویر بھی نہیں ہوتیں۔

تصویر سے اللہ عزوجل کو کیسے ظاہر کیا جا سکتا ہے؟ ہم صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں (عیسائیوں کی طرح نبی کو الٰہ نہیں مانتے۔") "تو پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔ انھوں نے کہا: "وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ایک نبی ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور دوسرے ہزاروں انبیاء علیہم السلام تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اُن منتخب بندوں میں سے ایک تھے جنھوں نے اللہ کی شان کو دیکھا اور پھر اس کے بارے میں تمام دنیا کو علانیہ طور پر مکمل ذمے داری سے آگاہ کیا۔ عیسائیت لوگوں کو اللہ عزوجل سے دور لے جا رہی ہے۔ لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نجات دہندہ ہیں جنھوں نے ہماری خاطر جان دے کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔

اس طرح لوگوں کو ذمہ داری اور جواب دہی کے احساس سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی کوئی بات نہیں بتائی بلکہ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود تو کبھی الٰہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ قرآن حکیم میں بارہا ان کے متعلق انھی کی زبانی یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے کہ " میں تو بس (تم جیسا) انسان ہوں۔"[1]

"اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ اپنی روح کی اصلاح ہر شخص پر فرض ہے اور اس کے لیے اسے دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنی چاہیے تاکہ اس کی روح کو اللہ کا تصور اور اللہ کا راستہ صاف نظر آتا رہے۔

اسی لیے منشیات ممنوع ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ایک ماہ (رمضان میں) روزے رکھ کر اپنے جسم کو روح کے لیے ایک پاکیزہ ٹھکانا بنائے۔

اسلام اور دوسرے تمام مذاہب میں فرق یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کہتے ہیں کہ ایمان کو اعمال کا ذریعہ بناؤ جبکہ اسلام کہتا ہے کہ ایمان عمل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔" چند ماہ بعد میں نے اسلام قبول کر لیا اور میں ان شاء اللہ آخری دم تک اس پر قائم رہوں گا۔

پچھلے سال لیبیا کے صحرا میں میں نے بھوک کے عالم میں پانی کی تھوڑی سی مقدار پاس ہونے کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے گیارہ دن گزار لیے، پھر بھی اللہ پر میرا ایمان متزلزل نہ ہوا۔

کچھ عرصہ بعد میں نے طرابلس اور سائرینیکا (Cyrenaica) میں اطالویوں کے ہاتھوں اپنے مسلمان بھائیوں پر ظالمانہ تشدد اور جارحیت کے ہولناک مناظر دیکھے تو زندگی میں پہلی دفعہ اپنے یورپی ہونے پر شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

مجھے امید ہے کہ اسلام کا مستقبل شمالی یورپ میں بالخصوص بہت روشن ہوگا جہاں آج لوگ ایک ایسے مذہب کو ترس رہے ہیں جو انھیں عیسائیت سے زیادہ کچھ دے سکے کیونکہ عیسائیت ہر لحاظ سے ناکام ہو گئی ہے، لہٰذا مستقبل کا دین اسلام کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

بالشوزم (کمیونزم)، سوشلزم (اشتراکیت) اور دوسرے تمام جدید نظریات کے باوجود اسلام ہر سو چھا جائے گا اور یہی انسانوں کو حقیقی خوشی سے آشنا کرے گا اور اسی کی وجہ سے آج کی تمام تر اخلاقی پستی کے باوجود انسانی معاشرہ رہنے کے قابل ہے۔[1]

[علی احمد نود ہولمبو] (Ali Ahmad Knud Holmboe)

اسلام سے میری وابستگی

علم طب سے وابستہ بطور ڈاکٹر اور فرانس کے کیتھولک خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے میرے منتخب پیشے (طب) ہی نے مجھے ایک ٹھوس سائنسی کلچر دیا جس میں تصوف اور روحانیت کی زندگی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ میرا اللہ پر یقین نہ تھا بلکہ عیسائیت بالخصوص کیتھولک مذہب کے سخت گیر متعصبانہ نظریات اور رسم و رواج نے مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس کبھی نہ ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں میرا جو تصور تھا اُس نے مجھے تثلیث اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے پر ایمان لانے سے روک دیا، یعنی ابھی میں اسلام سے تو ناواقف ہی تھا مگر نادانستہ میرا کلمہ طیّبہ کے پہلے حصے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" پر یقین تھا۔

پس اسلام سے میری وابستگی اولاً مافوق الفطرت وجوہ پر مبنی تھی۔ کچھ اور اسباب نے بھی مجھے اسلام کی طرف راغب کیا، مثلاً کیتھولک پادریوں کے اس دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کہ وہ لوگوں کے گناہ معاف کرواسکتے ہیں۔

میں اُن کی وہ رسم بھی ناپسند کرتا تھا جسے "Communion" (عشائے ربانی کے تبرکات تناول کرنے کی رسم) کہتے ہیں جس میں وہ روٹی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم تصور کرتے ہیں۔

یہ رسم غالباً زمانۂ قدیم کی طوطمی (Totemistic) روایت سے لی گئی ہے جس کے مطابق لوگ اپنے بزرگ کی موت کے بعد اس کا مجسمہ (آٹے وغیرہ سے بنا ہوا) اس خیال سے کھایا کرتے تھے کہ اس طرح اُن میں بھی اُس بزرگ کی سی خوبیاں پیدا ہوں گی۔

ایک اور بات جس نے مجھے عیسائیت سے برگشتہ کر دیا وہ یہ تھی کہ یہ مذہب جسمانی صفائی بالخصوص عبادت کے وقت جسم کی پاکیزگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ بات معبود کی توہین کے مترادف ہے کیونکہ جب اس نے ہمیں روح عطا کی ہے تو اس نے جسم بھی عطا فرمایا ہے، لہٰذا اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح انسان کی جسمانی زندگی کے بعض دوسرے پہلوؤں کے بارے میں بھی عیسائیت خاموش ہے جبکہ اس معاملے میں میرے خیال میں اسلام واحد دین ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

میرے اسلام قبول کرنے میں بنیادی اور حتمی عنصر میرا مطالعۂ قرآن تھا جو میں نے قبول اسلام سے پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ یہ مطالعہ میں نے مغربی دانشور کے طور پر تنقیدی نظر سے کیا تھا اور میں جناب مالک بنابی (Mr.Malek Bennabi) کا بے حد ممنون ہوں جن کی شاندار کتاب "Le Phenomene Coranique" (حیرت انگیز قرآنی مظاہر) نے مجھے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین دلایا۔

قرآن حکیم کی کچھ آیات ایسی ہیں کہ اگرچہ وہ 13 صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ قبل نازل ہوئیں، مگر وہ انھی نظریات کی تعلیم دیتی ہیں جو آج کی جدید ترین سائنسی تحقیق سکھا رہی ہے۔ اس بات نے مجھے مکمل طور پر تبدیل کر دیا اور مجھے کلمہ طیّبہ کے دوسرے جز "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ" کی طرف متوجہ کیا۔

اسی وجہ سے میں نے 20 فروری 1953ء کو پیرس کی مسجد میں جا کر اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اور مسجد کے مسلمان مفتی نے میرا نام بطور مسلمان کے درج کر لیا۔ میرا اسلامی نام علی سلمان رکھا گیا۔ میں اپنے دین پر بہت خوش ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں: ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ''[1]

[ڈاکٹر علی سلمان ﷫ - فرانس] (Dr.Ali Selman Benoist-France)

پروفیسر آرتھر ایلیسن کو کس بات نے قبول اسلام پر آمادہ کیا؟

پروفیسر آرتھر ایلیسن (Arthur Alison) لندن یونیورسٹی میں الیکٹریکل اور الیکٹرانک انجینئرنگ کے شعبے کے سربراہ ہیں۔ آپ کئی سال تک برطانیہ کی سوسائٹی برائے نفسیاتی و روحانی مطالعہ کے صدر رہے۔

مذہب کے مطالعہ کے دوران میں آپ کو اسلام سے واقفیت حاصل ہوئی۔ جب آپ نے اسلام کا دوسرے مذاہب و عقائد سے موازنہ کیا تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آپ کی قلبی فطرت کے عین مطابق ہے اور آپ کی تمام ضروریات پوری کر سکتا ہے۔

آپ کو ''قرآن کی بے مثال طبی حیثیت'' پر 29 ستمبر سے 6 اکتوبر 1985ء تک قاہرہ میں منعقد ہونے والی پہلی اسلامک انٹرنیشنل کانفرنس سے خطاب کی دعوت دی گئی جس کا اہتمام مصری میڈیکل سنڈیکیٹ (Medical Syndicate) نے کیا تھا۔

اس کانفرنس میں آپ نے ایک مقالہ ''نفسیاتی اور روحانی طریقۂ علاج قرآن کریم کی روشنی میں'' پیش کیا اور اس کے علاوہ قرآنِ حکیم کی سورۃ الزمر، آیت نمبر:42 کی روشنی میں نیند اور موت کے موضوع پر بھی ایک مقالہ پیش کیا جو آپ نے ڈاکٹر محمد یحییٰ شرفی کے تعاون سے تیار کیا تھا۔

اس کانفرنس میں جو حقائق پیش کیے گئے اُن سے آپ کی آنکھیں کھل گئیں۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شیخ الازہر جاد الحق، مصر کے وزیر اوقاف ڈاکٹر محمد احمدی اور ڈاکٹر محمد یحییٰ شرفی بھی شامل ہوئے اور اخباری نمائندوں اور ٹیلی وژن کے نامہ نگاروں کی موجودگی میں پروفیسر آرتھر ایلیسن نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ اسلام ہی سچا دین ہے جو انسان کی پیدائشی فطرت کے عین مطابق ہے۔

پھر انھوں نے کلمہء شہادت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ ہفت روزہ ''المسلمون'' لندن کو دیے گئے انٹرویو میں آپ نے اپنے قبلِ اسلام کی داستان بیان کرتے ہوئے کہا: ''برطانیہ کی سوسائٹی برائے نفسیاتی و روحانی مطالعہ کے صدر کی حیثیت سے نفسیات اور متعلقہ مضامین کے مطالعہ کے دوران میں مجھے مذاہب سے واقفیت حاصل ہوئی۔

میں نے ہندومت، بدھ مت اور کچھ دوسرے مذاہب و عقائد کا مطالعہ کیا۔ جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو دوسرے مذاہب سے اس کا موازنہ کیا۔

"قرآن حکیم کی بے مثال طب" کے موضوع پر کانفرنس کے دوران میں مجھے یہ احساس ہوا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں بہت زیادہ فرق ہے، پھر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام ہی سب سے مناسب دین ہے جو میری پیدائشی فطرت اور طرزِ عمل کے لیے موزوں ہے۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کیا کہ کائنات کو کنٹرول کرنے والا ایک اللہ ہے جو اس کائنات کا خالق ہے، لہٰذا جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ عقل اور سائنس سے متصادم نہیں ہے۔

پس مجھے یہ یقین ہو گیا کہ یہی اللہ واحد کا دین ہے۔ جب میں نے اس سچائی کو دیکھ لیا تو میں نے کلمہ ءشہادت پڑھ لیا۔ جونہی میں نے یہ کلمہ پڑھا، مجھے آرام اور سکون واطمینان کا عجیب سا احساس ہوا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔"

پروفیسر موصوف نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا: "مادی دنیا اب ایک نازک مرحلے سے گزر رہی ہے۔ جو کچھ لوگ کہتے اور دیکھتے ہیں اس سے حقائق پوری طرح واضح نہیں ہوتے۔

اب یہ ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ گمراہ اور پریشان حال انسانیت کی نفسیاتی وروحانی ضروریات پوری کریں، پھر انسانیت کو مذہب، سائنس اور اس دنیا و آخرت میں ایک گہرا تعلق نظر آنے لگے گا اور ایک ایسا مجموعی ماحول بنے گا جس میں انسان خوش رہ سکے گا۔" پروفیسر عبد اللہ ایلیبس نے مزید کہا کہ انھوں نے ڈاکٹر محمد یحییٰ کے ساتھ مل کر ایک مقالہ پیش کیا تھا جس میں توجہ کا مرکز قرآنِ حکیم کی سورۃ الزمر کی یہ آیت تھی:

((اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ)) (الزمر:39/42)

"اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہوتی ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں وفات دیتا ہے۔ تو جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے ان (کی روح) کو تو روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے رہائی دے دیتا ہے۔

اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔" انھوں نے کہا" اس آیت ہی کے ذریعے سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ نیند اور موت ایک جیسے عمل ہیں جن کے دوران میں ارواح جسموں سے نکل جاتی ہیں۔ نیند سے بیداری کی صورت میں روح جسم میں واپس آ جاتی ہے اور موت کی صورت میں واپس نہیں آتی۔

یہ آیت مبارکہ ہم پر واضح کرتی ہے کہ روح قبض کرنے سے مراد نیند اور موت دونوں ہیں۔ پیراسائیکالوجی (Parapsychology) کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے۔"

پیراسائیکالوجی علم نفسیات کی وہ شاخ ہے جو تین انسانی حالتوں سے متعلق ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

☆بیرونِ جسم تجربہ(OBE):

کچھ لوگوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انھیں اس قسم کا تجربہ ہوتا ہے جس میں اُنھیں اپنا جسم کسی اور جگہ یا بستر پر پڑا ملتا ہے۔

اسے بیرون جسم تجربہ کہا جاتا ہے۔جب ایسے مریضوں کا سروے کیا گیا تو اُن میں سے 10 تا20 فیصد لوگ ایسے ہی تجربے سے گزر چکے تھے۔

☆موت سے مشابہ بے ہوشی:

شدید بیماری کی حالت میں بعض لوگوں پر ایسا سکتہ یا بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کہ معالج ڈاکٹر اُنھیں طبی طور پر مردہ قرار دے دیتے ہیں۔

لیکن بعض طبی امدادوں سے وہ دوبارہ ہوش میں آسکتے ہیں۔ ایسے لوگ ہوش میں آنے کے بعد اس حالت میں دیکھے ہوئے عجیب و غریب واقعات سناتے ہیں۔ایسے تجربات قرآن کریم کی روشنی میں سائنسی تجزیہ اور مطالعہ کے قابل ہوتے ہیں۔

☆خواب :

خواب دیکھنے کے دوران میں کچھ لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ وہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس کیفیت پر کیے جانے والے سائنسی تجربات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ نیند کے دوران میں جسم سے ایک چیز نکل جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ''روح'' ہے۔

پروفیسر عبداللہ ایلییس نے مزید بتایا کہ اس کانفرنس میں جب انھوں نے قرآن اور سنت میں موجود ایسے حقائق سُنے جن سے ایسی مخلوقات کا پتہ چلتا ہے جن کی تصدیق سائنس نے بھی کر دی ہے، تو انھیں یہ احساس ہوا کہ قرآن پاک کسی بھی صورت میں انسانی اختراع نہیں ہے بلکہ چودہ سو سال پہلے جو باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ اسی بنا پر میں کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور عبداللہ ایلییس نام رکھ لیا۔

انھوں نے مغرب میں اسلام کی دعوت کے لیے سائنسی حقائق کے حوالے سے بات کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ یہی مناسب ترین طریقہ ہے۔ مغرب میں حصول علم کا طریقہ یہ تاثر پیدا کرتا ہے کہ انسان ایک محدود تعداد میں خلیات کا مجموعہ ہے اور کائنات دکھائی اور سنائی دینے والی چیزوں کا مجموعہ ہے۔جب کبھی انسان کوئی چیز دریافت کرتا ہے تو اُسے اپنی کم علمی کا پہلے سے زیادہ احساس ہوتا ہے۔

جب ہم نفسیات اور اس سے متعلقہ مضامین پر غور کریں تو یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے۔

فاضل پروفیسر نے یہ بھی انکشاف کیا کہ وہ قرآن وحدیث کی تعلیم کی روشنی میں مطالعہ ٔنفسیات کا ایک ادارہ لندن میں قائم کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ قرآن حکیم میں موجود سائنسی حقائق مغربی دنیا کو بتا سکیں۔ اس ادارے میں انگریزی اور عربی کتابوں کی ایک لائبریری قرآن کریم کی روشنی میں سائنسی ریسرچ کی تجربہ گاہوں کے علاوہ ہو گی۔[1]

(K.Mohammad-Doha, Qatar) [کے محمد-دوحہ،قطر]

قبلِ اسلام کی کچھ وجوہات

ایک باشعور آدمی جدید فکری رجحانات پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اسے اپنی سوچ کا رُخ خود ہی متعین کرنا چاہیے۔

کئی مکاتب فکر ہیں اور اظہار کے اتنے طریقے ہیں کہ اگر انسان ایک مشین کی طرح محض اپنے گردوپیش کے افکار و نظریات تک ہی محدود نہ رہے اور ہمیشہ روایتی یا مقبول عام نظریات کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اُسے چاہیے کہ صحرا میں جا کر غور و فکر کرے اور اس سے رہنمائی حاصل کرے۔

ایک مفکر کو داخلی تحریک بھی وہیں جا کر ملے گی جو اُسے اپنے خیالات سے دوسروں کو آگاہ کرنے کے قابل بنا دے گی۔ اس کے سامنے کئی راستے ہوں گے۔ ایک راستہ اس کے سامنے قدیم روایتی رومن کیتھولک مذہب کا ہو گا جو خود کو خطا سے پاک قرار دیتا ہے۔

یہ ایسا چرچ (کلیسا) ہے جو اپنی رسوم، عبادات، قدامت اور پیروکاروں کی وسیع تعداد کے باعث کئی ذہنوں کے لیے زبردست کشش کا حامل ہے۔ اس کے پیروکار دنیا بھر میں موجود ہیں اور اس میں مذہبی فرائض سرانجام دینے کے بے شمار طریقے رائج ہیں۔

پروٹسٹنٹ فرقہ فرد کے اظہارِ حق اور ضمیر، سوچ اور عمل کی آزادی کے دعوے کی بنا پر بعض کو اچھا لگ سکتا ہے، مگر غور سے دیکھنے پر معلوم ہو گا کہ یہ بھی محض روایتی عقائد کی رسمی اور اندھا دھند تقلید کی ایک اور قسم ہے، بالکل اس مذہب (کیتھولک) کی طرح، جس کی جگہ لینے کے لیے یہ وجود میں لایا گیا۔ کئی لوگ عقلیت (Rationalism) پر مبنی فلسفہ ٔحیات کو اس لیے اچھا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سائنس کو بہ خوشی قبول کرتا ہے اور پادریوں کی اجارہ داری کو رد کرتا ہے۔ ماضی میں پائے جانے والے تعصبات کو ختم کر کے اس فلسفے نے انسانیت کی بڑی خدمت کی ہے، لہٰذا اُن لوگوں کی نظر میں یہ فلسفہ ٔحیات مذہب یا سیاست میں حقیقی آزادی کے علم بردار دوسرے نظریات وعقائد سے بہتر ہو سکتا ہے۔

اس قسم کی رسم شکنی (iconoclasm) بلاشبہ انسانی ذہن کو حقیقی آزادیٔ فکر یا نئی دریافتوں پر غور کرنے کا موقع ملنے تک ضروری ہے۔

سوشلزم اور کمیونزم اپنے سماجی، معاشی اور سیاسی مساوات کے نظریات کی بنا پر فوری نتائج کے حصول کے لیے بلاشبہ فروغ پا سکتے ہیں اور دنیا میں پھیلی ہوئی موجودہ افراتفری جس کو شدید تر کرنے میں عالمی جنگ (1914-18ئ) نے اہم کردار ادا کیا، دور کر کے انسانی معاشرے کو از سرِنو منظم کر سکتے ہیں، اگرچہ یہ نظمِ نو خالص مادیّت پرستانہ ہو گا۔

پچھلے چند سالوں میں کئی نئی نظریاتی تنظیمیں وجود میں آئیں جن میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ دنیا کو جس فکری رہنمائی کی ضرورت ہے وہ فراہم کر سکتی ہیں۔ ان تنظیموں اور برادریوں کی تعداد ہی وقت کے شعور کی عکاسی کرتی ہے کہ مثالی نظام حیات کی طلب دنیا میں شدید تر ہوتی جارہی ہے۔

اگر ان میں سے کوئی ایک یا سب اپنے اپنے لائحہ عمل پر پوری طرح عمل کر سکتیں اور اُن دعووں پر پوری اترتیں جن کا اعلان اور پرچار بآوازِ بلند فصیح و بلیغ انداز میں کیا جارہا ہے، تو ایک سے دوسرے دور میں منتقلی کا عبوری عرصہ بہت آسان ہو جاتا، بہ نسبت اُن ہنگامی اور متشدد طریقوں کے جن کا تجربہ پچھلے چند سالوں میں (کمیونزم کے نفاذ کی صورت) میں ہوا۔

بہر صورت میرا خیال ہے کہ اسلام میں مجھے ایسے عناصر نظر آتے ہیں جو استحکام پیدا کر سکتے ہیں، جیسے سادگی، رسم و رواج سے کنارہ کشی، رواداری اور تحمل، سماجی اور نسلی امتیازات اور تعصبات سے پاک ہونا، توہمات سے خالی ہونا اور ایسی پُر اسرار باتوں سے مبرّا ہونا جو بعض مخصوص لوگوں یا امیر اور با رسوخ افراد کے لیے مختص ہوں۔ مستقبل میں جدید دور کے کسی دوسرے مذہب سے زیادہ اس کے امکانات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو میرے خیال میں انسان کے اعلیٰ ترین سماجی، سیاسی اور مذہبی مقاصد کے حصول کے لیے یہ دین باقی سب مذاہب، عقائد اور فلسفوں سے بہتر ہے۔[1]

[ڈیوڈ عمر نکلسن] (David Omar Nicholson)

اسلام نے میرا دل کیسے جیت لیا؟

[کرنل ڈونلڈ ایس راک ویل (Col. Donald S.Rockwell) ٹیلرول (Taylorville) کے مقام پر امریکی ریاست الِی نائے (Illinois) میں پیدا ہوئے اور واشنگٹن کے سپرنگ فیلڈ (Springfield) سکول میں تعلیم حاصل کی۔

انھوں نے اپنی تعلیم واشنگٹن اور کولمبیا کی یونیورسٹیوں میں مکمل کی جہاں کئی علمی اعزازات حاصل کیے۔ کرنل راک ویل ایک شاعر، ادبی نقاد "ریڈیو پرسنیلٹیز" (Radio Personalities) کے چیف ایڈیٹر اور 'Beyond the Brain'، اور 'Bazar of Dreams' کے مصنف تھے۔

وہ دنیا کے معروف سیاح تھے اور انھوں نے بہت سے مسلمان ممالک کی سیر کی۔] (ایڈیٹر) اسلام میں سادگی، مساجد کی ایمان افروز فضا، مسلمانوں کے دینی ذوق و شوق اور پانچوں وقت اذان پر لبیک کہنے والے لاکھوں نمازیوں کے اعتماد افزا عمل نے مجھے شروع سے متاثر کیے رکھا۔ جب میں نے اسلام قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیا تو مجھے بہت سی وجوہ نظر آئیں جو میرے فیصلے کی توثیق کرتی تھیں۔

ان میں زندگی کا سہل تصور، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اذکار، تجربہ و ذہانت پر مبنی نصیحتیں، صدقہ و خیرات کی ترغیب، انسانیت سے محبت اور عورتوں کے حق ملکیت کا سب سے پہلے اعلان اور اس طرح کی دیگر ایسی وجوہ ہیں جو کہ اسلام کے عمل پسند مذہب ہونے کا واضح ثبوت ہیں جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع الفاظ [اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ] "پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھیں پھر اللہ پر اعتماد کریں۔"[1] سے عیاں ہوتا ہے۔ انھوں

نے ہمیں ایک عملی مذہبی نظام دیا اور ایک غیبی طاقت کے تحفظ پر اندھا یقین رکھنے کے بجائے ایسا اعتماد بخشا کہ ہم احتیاطی تدابیر اختیار کرنے اور حتی المقدور کوشش اور عمل کرنے کے بعد رضائے الٰہی پر بھروسا کر سکتے ہیں

۔اسلام میں دیگر مذاہب کے لیے لچک دار رویے نے اسے روشن خیال لوگوں میں مقبول بنا دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو عہد نامۂ قدیم وجدید پر ایمان رکھنے والوں سے اچھا سلوک کرنے اور حضرت ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام کو اللہ کے انبیاء کے طور پر تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔یقیناً دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام میں یہ نظریہ زیادہ قابلِ قبول اور ترقی یافتہ ہے۔

بت پرستی، چاہے جدید شکل میں پوجا کا تصور ہو یا گرجوں کے دریچوں، طاقچوں اور مزاروں میں رکھے ہوئے ان گنت ولیوں کے مجسّمے اور تصویریں ہوں، اس بت پرستی سے مکمل آزادی اسلامی عقیدے کے درست، مضبوط اور خالص ہونے کی علامت ہے۔

دین اسلام کی رو سے مسجد، گھر اور دل ودماغ میں ایک اللہ کا تصور ہے جسے عیسائیوں کی طرح بہت سے ولیوں کی رنگین تصاویر اور آراستہ مجسّموں کی پرستش سے داغدار کیا گیا ہے نہ نبی کو اللہ کے مشابہ قرار دینے کا غلط تصور قائم کیا گیا ہے۔

جس سے وحی الٰہی سے فیض یاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جن کے ذریعے سے ایک مشرک قوم پر توحید پرستی کا سبق دینے والا قرآن نازل کیا گیا، نیز اللہ کی وحدانیت کے تصور کو الگ سے نبی کی پرستش سے ماند کیا گیا ہے نہ الوہیّت کو تثلیث میں تقسیم کرنے اور ایک نجات دہندہ کا عقیدہ گھڑ کر اسے الٰہ کا درجہ دینے کی جسارت کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیت کا عقیدہ ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اس لیے واجب الاحترام ہیں کہ ان پر آسمانی وحی کا نزول ہوا، انھیں ان کے پرجوش پیروکاروں نے الٰہ کا درجہ دیا ہے نہ ان سے اس طرح کی الوہی شان منسوب کی گئی ہے جو کہ عیسائیت کے ''شہیدوں'' کا خاصہ بتائی جاتی ہے۔

مزید برآں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعلیمات خود سر شارحین اور فقیہوں کے ہاتھوں بھی تبدیل نہ ہو سکیں۔ قرآن کریم بھی بعینہ اسی حالت میں محفوظ ہے جس حالت میں یہ مشرکینِ مکہ کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا۔

یہ اسلام کی مقدس روح کی طرح غیر مبدّل ہے۔ اسلام کی امتیازی تعلیمات، اعتدال اور رواداری نے میرا دل جیت لیا۔ پیغمبر اسلام نے اپنے پیروکاروں کے نہ صرف عقائد کی اصلاح کی اور ان کی روح کو پاک کیا بلکہ ان کی جسمانی صحت کے لیے طہارت وصفائی اختیار کرنے کا حکم بھی دیا۔

اور روزے رکھ کر شہوت پر قابو پانے کی ترغیب دی۔ اس سال گرمیوں میں، میں نے پورے سپین کے بڑے بڑے گرجاگھروں کا دورہ کیا جن میں سے کئی ابتدا میں مسجد کے طور پر تعمیر کیے گئے تھے اور اس دورے کے فوراً بعد میں نے فاس (Fez)، مراکش شہر، رباط، مکناس (Meknes) تطوان (Tetuan) اور مراکش کے دوسرے شہروں کی کئی مساجد میں ہزاروں مور نسل [1] کے مسلمانوں کے ساتھ نمازیں ادا کیں۔

دھندلی روشنی والے گرجاگھروں کی محرابوں میں جب باجوں کے سُر اور عیسائیت کے مذہبی گیتوں کی آوازیں گونجتیں اور ہسپانوی کلیساؤں کے بلند ستونوں کے درمیان اگربتیوں اور لوبان کی خوشبو رقص کرتی تو مجھے ماننا پڑجاتا کہ یہ گانا بجانا اور خوشبوئیں ایک اچھا مظاہرہ کرنے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوتی ہیں مگر مذہب کو ڈرامائی مناظر کا سہارا نہیں لینا چاہیے، بلکہ اس کی بنیاد کسی آرائش کے بغیر سادہ وپاکیزہ عبادت پر ہونی چاہیے۔ موسیقی اور خوشبو جذباتی ردعمل پیدا کرتی ہیں جو روحانی خلوص کی بجائے جذباتی ہیجان پر مبنی ہوتا ہے۔

موسیقی اور خوشبو تو مذہبی طور پر پھسڈی لوگوں کو متحرک کر سکتی ہیں۔ گویا یہ عیسائیت کی شراب اور کافی ہیں جو اعصاب اور جذبات کو عارضی طور پر چست کرتی ہیں۔ لیکن جب میں استنبول، دمشق، یروشلم، قاہرہ، الجزیرہ، طنجہ، فاس اور دوسرے شہروں کی مساجد کے روح پرور ماحول میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا تھا تو مجھے عیسائیت کی موسیقی اور خوشبو سے پیدا ہونے والے عارضی جذباتی ہیجان سے بڑھ کر ولولہ اور روحانی تحریک محسوس ہوتی تھی۔ اسلام کی عبادات میں جو سادگی اور رفعت ہے اس کے خیال ہی سے روحانی ارتقاع محسوس ہوتا تھا۔

یہ روحانی کیفیت کسی قسم کی پُر تکلف آرائش ونمائش، مورتیوں، تصویروں، موسیقی اور رسمی عبادت کی مرہونِ منت نہیں تھی۔

مسجد ایک ایسی جگہ ہے جہاں توحیدِ الٰہی کی عظیم تر حقیقت کے ادراک اور پُرسکون غور وفکر کا موقع ملتا ہے۔

اس کے لیے منظر کشی، آواز کے جادو اور خوشبو کی سحر کاری کا تین دائروں والا سرکس پجاریوں کو متوجہ کرنے اور اجتماعی عبادت منعقد کرنے کے لیے درکار نہیں ہوتا۔ اسلام کی عمومی مساوات نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے۔ مسجد کے فرش پر بادشاہ اور گداگر برابر ہوجاتے ہیں۔

دونوں نہایت عجز سے رکوع میں جھکتے ہیں۔ وہاں چرچ کی طرح کرائے پر لی گئیں یا بڑے لوگوں لیے مخصوص نشستیں نہیں ہوتیں۔

ایک دوسرے مذہب (عیسائیت) کے بجا طور پر احترام کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ روحانی رہنمائی کے لیے رہبانیت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے نہ یہ روحانیت کا صحت مند لازمہ ہے۔ گوشہ نشین پادری کی خانقاہی زندگی کی نسبت ایک عام گھریلو زندگی بسر کرنے والا آدمی اپنے جیسے انسانوں کے مسائل اور ان کی کمزوریوں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

بلاشبہ جسم اور نفس کی خواہشات کے لیے اپنے مذہبی لبادے کے تقدس کو پس پشت ڈالنے والے منحرف پادریوں کو دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام پادریوں کا کوئی الگ طبقہ یا چرچ کی افسر شاہی کا نظام وجود میں نہیں لاتا۔

ایک مسلمان اپنے اور اپنے رب کے درمیان کسی رابطہ کار کا وجود قبول نہیں کرتا۔ انسان براہ راست اپنے خالق اور زندگی کے نظر نہ آنے والے منبع یعنی اللہ تعالٰی کے حضور پیش ہوتا ہے۔

وہ عیسائیت جیسے کسی وسیلۂ نجات یا کسی معلمِ دین کے اللہ سے معافی دلانے کے اختیار پر بھروسا نہیں کرتا۔ مجھے دین اسلام کی طرف مائل کرنے والی ایک اور بات عالمگیر اسلامی اخوت ہے جس کا مجھے سیاحت کے دوران میں کئی مرتبہ تجربہ ہوا۔

میں نے دیکھا کہ اسلام کا یہ نظمِ اخوت رنگ، نسل اور وطن سے بالاتر ہے۔ اس بات نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ مجھے لندن، پیرس، نیویارک، مراکش، ہندوستان، ایران، ترکی، شام، مصر اور پولینڈ کے مسلمان بھائیوں کی جانب سے مہمان نوازی کا تجربہ ہوا اور اس عظیم مقصد (اسلام) کے لیے ان کے جذبے اور خلوص کی حرارت میں نے اپنے دل میں بھی محسوس کی۔ جریدہ ''اسلامک ریویو'' کے جو شمارے امریکہ میں مجھے دستیاب ہوئے، انھوں نے مجھے اپنے اختیار کردہ دین پر قائم رہنے میں مزید استقامت عطا کی۔

اور مجھے اپنے ادارتی فرائض کی ادائیگی کے دوران میں رُک کر ووکنگ (Woking) میں ہونے والے قابل قدر کام کی تعریف و تحسین کرتے اور دنیا بھر کے مسلمان بھائیوں کو اپنے پُر جوش مقصدِ حیات یعنی اسلام کے احیاء میں مدد کا یقین دلاتے اور مغربی دنیا میں اسلام کو مستحکم کرنے کے عزم کا اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے۔[1]

[کرنل ڈونلڈ ایس راک ویل] (Col. Donald S.Rockwell)

میرے قبلِ اسلام کی وجوہات

میں عہد جوانی ہی سے اسلامی تہذیب کے تمام پہلوؤں بالخصوص شاعری اور فنِ تعمیر سے بہت متاثر رہا ہوں۔

میں نے اکثر اپنے آپ سے یہ کہا ہے کہ جو لوگ دنیا کو ثقافت کے ہر شعبے میں اتنی حسین اور اہم تخلیقات سے مالا مال کر سکتے ہیں انھوں نے یقیناً فلسفہ اور مذہب کے میدانوں میں بھی کمال کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی ہو گی۔ جب مجھے عربوں کے رہائشی فنِ تعمیر کا شاہکار ''الحمرا'' یاد آتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ایک حسین خواب دیکھ رہا ہوں۔ جیسے کسی جن نے جادو کی چھڑی سے الف لیلہ کے طلسماتی محلوں جیسی یہ عمارت کھڑی کر دی ہو۔

اپنی ساخت کی مضبوطی کے باوجود، بظاہر تقریباً ماند پڑتے حُسن کی حامل عمارت کے پتلے ستونوں پر خالص عربی طرز کے بھاری بھر کم محراب دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان ستونوں نے اتنا بھاری بوجھ کیسے اٹھا رکھا ہے۔

میں آپ کی آگاہی کے لیے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے انسانوں کی پیکر تراشی اور تصویر کشی کے بجائے اپنی تمام تر تخلیقی صلاحیتیں آرائش کے فن پر صرف کر کے بہت اچھا کیا اور اس فن میں عروج تک پہنچے۔

آرائش میں مسلمانوں جتنا تنوّع رُوئے زمین پر کوئی اور قوم پیدا نہ کر سکی۔ گنبدوں کو سجانے کی حیرت انگیز عربی فنکاری، دیواروں، ٹائیلوں اور پلیٹوں پر بیل بوٹے بنانے کا فن، دھات کی مصنوعات، فرنیچر، جلد سازی، بھرائی کا کام اور بے شمار دوسری مصنوعات جو مسلمانوں نے تیار کیں، آج بھی بے مثال ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

اطالوی لوگ انسانی پیکر تراشی اور تصویر کشی کے بہت ماہر رہے ہیں، مگر آرائشی چیزیں بنانے میں وہ عربوں کی برابری کبھی نہ کر سکیں گے۔ جب شاہ چارلس پنجم نے الحمرا میں قدم رکھا تو وہ بے ساختہ چلا اٹھا: ''اگر بوعبدل (شکست خوردہ بادشاہ ابو عبداللہ جو فرار ہو گیا تھا) کی جگہ میں ہوتا تو فرار ہونے کی بجائے اس خوبصورت عمارت کے ملبے تلے دب کر مرنے کو ترجیح دیتا۔'' اس کے بجائے اسے کہنا چاہیے تھا: ''بوعبدل! اللہ تم پر رحم کرے کہ یہ معجزہ نما محل صحیح سالم چھوڑے جا رہے ہو۔''

اور سلطان ابو عبداللہ محمد کا فرڈینڈ (Ferdinand) کی طاقتور فوج سے شکست کھا کر فرار ہوتے ہوئے اپنے شہر (غرناطہ) کے چھن جانے پر رونا بزدلی نہیں تھا۔ وہ ایک دلیر آدمی تھا اور بزدل نہیں تھا جیسا کہ تھیوفائیل گاتھئیر (Theophile Gauthier) اور کئی دوسرے مؤرخین نے کہا ہے اور اس کی ماں کا یہ کہنا بھی غلط تھا: ''جس تخت کی تم اپنی تلوار سے حفاظت نہ کر سکے اب اس کے چھن جانے پر بچوں کی طرح رونے کا کیا فائدہ؟'' ہاں اے لاچار بوعبدل! تم سپاہی سے زیادہ ایک فنکار تھے، اس لیے تم نے لڑائی سے وقتی شہرت کے حصول کی خاطر فن کے ایک لافانی شاہکار کو دشمن کے ہاتھوں تباہ کروانے کے بجائے اسے صحیح سالم چھوڑ کر فرار ہونے کو ترجیح دی۔

تمھارے دشمن اس زبردست کشمکش کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو تمھاری روح کی سرزمین پر تمھارے فنکارانہ ضمیر اور ایک ڈرامائی جنگ کے زعم کے درمیان برپا ہوئی ہوگی۔ نہیں، بوعبدل! وہ یہ بات کبھی نہیں سمجھ سکتے۔

تم اتنے ہولناک منظر (الحمرا کی تباہی) کو دیکھنا کیسے گوارا کر سکتے تھے۔ تم اس خواب نما محل کی شاندار دیواروں کو، جس میں تم بادشاہ کی حیثیت سے رہتے تھے، ایک دوسری کے اوپر گر کر تمھارے فنکاروں کے آرائشی شہ پاروں کو چکنا چور کرتے دیکھنا کیوں کر گوارا کر سکتے تھے؟ نہیں! تم پر تنقید کرنے والے لوگ کچھ نہیں جانتے۔

بھائی سلطان بُوعبدل! میں تصور کی آنکھ سے تمھیں اس محل میں مصلّٰی بچھائے نماز پڑھتے دیکھ رہا ہوں۔ میں شرطیہ طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ محل اپنے حُسن میں پورے سپین سے زیادہ قدر و قیمت کا حامل ہے۔

تم نماز پڑھتے ہوئے اللہ سے ہدایت کی دعا کر رہے ہو گے کہ اس فیصلہ کن اور نازک گھڑی میں کیا کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے فوراً اپنے دل سے یہ آواز آتے ہوئے سنی ہوگی: ''یہ محل چھوڑ دو تاکہ بعد میں آنے والے اہلِ ایمان اسے دیکھ کر خوش ہوں۔ طاقتور دشمن کے مقابلے میں فضول مزاحمت چھوڑ دو اور یہاں سے فرار ہو جاؤ۔''

سو تم فرار ہو گئے اور صلیب کی رہنمائی میں وحشی لوگ تمھارے اس طلسماتی محل میں سیلاب کی طرح داخل ہوئے اور اُن عجیب و غریب آرائشی چیزوں کو دیکھ کر، جو وہاں رکھی ہوئی تھیں، مبہوت ہونے کے بجائے اُن قیمتی خزانوں کو لوٹ لیا مگر اللہ کے فضل و کرم سے محل صحیح سالم رہ گیا اور اب ہم اس میں داخل ہو کر علم اور تخیّل کی مدد سے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ تمھارے دربار کے زمانۂ عروج میں اس کی اور تمھاری کیا شان رہی ہوگی۔

تم نے حُسن سے محبت کی خاطر اُس شہرت کو قربان کر دیا جو تمھیں دشمن کا مقابلہ کر کے حاصل ہو سکتی تھی اور اب اس قربانی سے ہر شخص مستفید ہو رہا ہے۔ ہاں سلطان بو عبدل! تم ایک ہیرو ہی تھے۔ تمھاری بلند پایہ روح اتنا بڑا جرم گوارانہ کر سکی۔[1] اُن عجیب و غریب عربی طرز کے ظروف، دھاتوں سے مرصّع آرائشی سامان، شیشے کی آرائشی اشیاء، جھالروں، پردوں اور قالینوں اور جلد سازی کے شاہکاروں کے متعلق میں کیا بتاؤں کہ وہ کتنی حسین چیزیں تھیں۔ لندن کے ساؤتھ کنسنگٹن (South Kensington) میوزیم میں جا کر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک امیر عرب گھرانے میں آرائش کے لیے کیا کچھ سامان ہوتا تھا۔ نہ صرف امیر بلکہ متوسط اور غریب گھروں میں بھی بہت کچھ ہوتا تھا۔

ہر چیز فن کا اتنا عمدہ نمونہ تھی کہ ان میں سے جو چیزیں بچ گئیں، آج اسلامی آرٹ کے عجائب گھروں میں شیشے کے صندوقچوں میں سجا کر رکھی جاتی ہیں۔ فن کے ان نمونوں نے تحریک احیائے علوم کے دور میں یورپ کو ایک نئی روشنی دی۔ اس فن کی مصنوعات دنیا میں بے مثال ہیں اور باریک نقاشی اور مسودات کی تو شان ہی نرالی ہے۔ قرآن کریم کے کئی پرانے قلمی نسخے دیکھ کر میں بہت محظوظ ہوا۔

فن خطاطی اور آرائش کے یہ نمونے واقعی شاہکار ہیں۔ اس فن میں اطالوی اور دنیا کی کوئی اور قوم بھی ان کی گرد کو نہ پہنچ سکی۔ اور پھر کتنے زبردست تخلیق کار تھے وہ اہلِ قلم جنھوں نے شہرزاد کی کہانیاں لکھیں۔ اُن لوگوں کو تو اب کوئی نہیں جانتا مگر وہ کتاب (الف لیلہ) جو انھوں نے لکھی آج بھی اتنی تروتازہ لگتی ہے کہ جیسے کل ہی لکھی گئی ہو۔ اس کتاب نے دنیا بھر کے ادب میں ایک نئی روح پھونک دی۔

اس میں گہرے فلسفے اور اُس دور کی دانش انسانی کے علاوہ ہوا میں پرواز، سمندر کی تہ میں سفر، دُور سے چیزوں کو دیکھنے کے کمال اور بہت دور کی آوازیں سننے جیسے تخیّل کی ایسی قیاس آرائیاں بھی ہیں جو آج سائنس کی وجہ سے حقیقت بن چکی ہیں، لہٰذا یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس قدیم دور میں ایسی حیرت انگیز باتیں لکھنے والوں کا تخیّل کتنا دور رس اور درست تھا۔

عرب کے عظیم مفکروں، شاعروں، فلسفیوں، ماہرین فلکیات اور سیاست دانوں کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، لہٰذا میں اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں۔ اسلام کے لیے اپنے جوش و خروش کی وجہ سے میں نے تمام مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ قدیم ترین مذاہب سے لے کر آج تک کے مذاہب کا موازنہ کیا اور تنقیدی نگاہ سے اُن کا جائزہ لیا۔

آہستہ آہستہ مجھے یقین ہونے لگا کہ مسلمانوں کا طریقۂ عبادت ہی صحیح دین ہے اور قرآن پاک میں وہ سب کچھ موجود ہے جو روح کو اپنے ارتقا کے لیے چاہیے۔ میں نے قرآن کریم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ اس کے ترجموں پر انحصار کرنا پڑا۔ مگر مجھے اچھی طرح یہ احساس تھا کہ یہ اپنی اصل زبان میں کتنا دلکش اور معانی سے کتنا لبریز ہوگا۔

میں کیتھولک ماحول میں پیدا ہوا مگر میرے تمام خاندان نے روم کو پوپ کی اجارہ داری سے نجات دلانے کی بھرپور جدوجہد کی۔ میرے والد کو ایک سال تک ایک گہری، تاریک اور کال کوٹھڑی میں قید رکھا گیا۔ میرے چچا کو بھی قید کر دیا گیا اور بعد میں میرے والد کو سزائے موت دے دی گئی۔ میرے والد اور چچا کا جرم یہ تھا کہ وہ گیری بالڈی[1] (Garibaldi) کے ساتھ ساز باز کر کے اُس کے لیے شہر پناہ کے دروازے کھول دینے کا

منصوبہ بنارہے تھے۔ مگر یہ سازش پکڑی گئی کیونکہ پوپ کی حکومت کو ماہر جاسوسوں کی خدمات حاصل تھیں۔ میرے چچا جان بچانے کے لیے ترکِ وطن کر کے افریقہ چلے گئے اور بقیہ زندگی وہیں بسر کر دی۔ میرے والد بے چارے بہت مصیبت میں مبتلا رہے کیونکہ انھوں نے اپنی کثیر دولت اٹلی کو پوپ سے نجات دلانے پر صرف کر دی۔

آخر کار اٹلی کی فوجیں اس ابدی اہمیت کے حامل شہر میں داخل ہو گئیں۔ میں اگرچہ عمر میں بہت چھوٹا تھا مگر اپنے والد کے اثرات اور ان کی رہنمائی کی وجہ سے کیتھولک مذہب کی پیچیدہ اور ناقابل یقین توہم پرستی کو پسند نہیں کرتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام بنی نوع انسان کی اخوت کی پیش گوئی کی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہم سب برابر ہیں۔ مرد عورت، امیر غریب میں کوئی فرق نہیں۔ آپ اگر کیتھولک چرچ میں داخل ہوں تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں امیر اور غریب میں کتنا فرق ہے۔ امیر پہلی صف میں مخمل کے گدوں پر مقامِ دعا کے قریب جُھک کر عبادت کرتے ہیں جبکہ غریب بہت پیچھے لکڑی کے سخت تختوں پر بیٹھ کر یہی عمل کرتے ہیں۔

اگر کوئی آدمی کارڈینل (Cardinal پوپ کے نائب) سے بات کرنا چاہے تو اُسے باقاعدہ اجازت لینا پڑتی ہے اور پیشگی اپنا مدعا بیان کرنا پڑتا ہے جو کہ اکثر مسترد کر دیا جاتا ہے کیونکہ کارڈینل اپنے آپ کو کیتھولک چرچ کے شہزادے سمجھتے ہیں۔ ان سب باتوں کا اس سادگی اور بھائی چارے سے کیا واسطہ جس کی تعلیم مسیح عیسیٰ علیہ السلام دیتے رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تو غریب اور سادہ لوگ تھے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اگر دوبارہ زمین پر واپس آکر ان لوگوں کے تکبّر اور تعیّش کے خلاف تبلیغ کریں جو زمین پر ان کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں تو یقیناً یہ لوگ انھیں دوبارہ سولی یا اس کی جدید متبادل صورت کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔

پوپ جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب کہتا ہے، وہ غالباً دنیا میں سب سے زیادہ رئیسانہ طرزِ زندگی کا رسیا ہے۔ اودے رنگ کی مخمل، ریشم، جھالروں اور قاقم کے لباس میں ملبوس، بیش قیمت چمکدار نگینوں سے مرصع عبا پہنے، سونے کے تخت پر بیٹھا، بھڑکیلے رنگوں کی وردی میں ملبوس محافظوں اور قیمتی چغوں والے پادریوں میں گھرا ہوا پوپ جسے ہر شخص (سوائے میرے) جھک کر سلام کرتا ہے۔

اگر بتیوں اور لوبان کی خوشبو کے بادلوں میں گھرا پوپ واقعی بہت حسین لگتا ہے۔ اس کی تھیٹر کے اداکاروں جیسی آن بان اپنی جگہ مگر اس کی شخصیت میں روحانیت کا ذرا سا بھی اثر نظر نہیں آتا۔ کیتھولک فرقے کی تقریبات کے موقعوں پر پوپ لوگوں کے اظہارِ عقیدت کی خاطر اپنا ہاتھ اور کبھی اس سے بھی زیادہ ذلت آمیز چیز، اپنا پاؤں آگے بڑھا دیتا ہے جسے لوگ بوسہ دیتے ہیں۔

کیا اس سے زیادہ تکبر کے کسی اور مظاہرے کا تصور بھی ممکن ہے؟ کیا اس قسم کی قدیم رومی شہنشاہوں کی نقالی سے خود کو دینی رہنما ظاہر کرنے والا غریب اور موٹے کپڑے کے کرتے میں ملبوس، ننگے پاؤں چلنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمائندہ کہلا سکتا ہے؟ اتنے واضح تضاد سے ایک صاحبِ شعور انسان کیوں کر متاثر ہو سکتا ہے؟ فرض کریں کہ آپ روم میں سینٹ پیٹر (St.Peter) کے چرچ میں کسی دینی بزرگ کی یاد میں منعقدہ تقریب

میں یا کسی اور محفل میں شامل ہوں تو آپ کو ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ چرچ کے اندر سفارتی نمائندوں یا دوسرے بڑے لوگوں کے لیے خصوصی گیلریاں بنی ہوتی ہیں جو اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کی مسجد کتنی خوبصورت اور سادہ ہوتی ہے۔

اور مکّہ کا حج کتنا دلکش ہوتا ہو گا جہاں غریب اور امیر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا اور اللہ کے سامنے وہ سب یکساں ہوتے ہیں۔ اب میری ساری روحانی تمنّاؤں کا محور یہ ہے کہ میں حج کر سکوں۔ میں اپنے شاعرانہ تخیل کی آنکھ سے کبھی کبھی خود کو عرب کے صحرا میں بالکل اکیلا کھڑا دیکھتا ہوں جہاں سمندر کی طرح میلوں دور تک صحرا پھیلا ہوا ہے اور میں اپنے رب کے حضور اکیلا کھڑا ہوں۔

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اُس کے ہاتھ میں ریت کا ایک ذرّہ ہوں۔ میں ستاروں کو گہری نظر سے دیکھتا ہوں اور اس پُر جلال وسعت میں کھو جاتا ہوں۔ دنیا کی تمام پریشانیوں سے دور کائنات کی بے انتہا وسعتوں میں کھو کر لحہ بہ لحہ میرا یقین فزوں تر ہو جاتا ہے کہ سائنس جوں جوں زیادہ بڑے اور حیرت انگیز قوانینِ فطرت دریافت کرتی جائے گی، ہمیں اللہ کی زبردست قوت کا زیادہ سے زیادہ ادراک ہوتا جائے گا۔

اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ سفید، بھورے، سانولے یا سیاہ رنگ کے لوگ جنھیں ایک دوسرے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، سب کے سب قبلہ ہی کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اللہ نے رنگوں کا کوئی امتیاز قائم نہیں فرمایا اور ہر آدمی کے پاس اپنے رنگ پر مطمئن ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ موجود ہے۔

مجھے سانولے اور سیاہ رنگ کے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ جلد کی رنگت کا دارومدار سورج کی حرارت کی مقدار پر ہے۔ انسانی جلد جتنی زیادہ حرارت جذب کرے گی اس کا رنگ اتنا ہی سانولا یا سیاہ ہو گا اور جتنی کم حرارت جذب کرے گی اتنا ہی زرد یا سفید ہو گا۔ اس لیے قطب شمالی کی طرف جتنا آگے جائیں لوگوں کا رنگ اتنا ہی زرد یا سفید اور ان کے بالوں کا رنگ دیکھنے میں اتنا ہی پھیکا نظر آتا ہے۔

اس کے برعکس خطِّ استوا کی طرف آئیں تو رنگ بتدریج سانولا اور پھر سیاہ نظر آتا ہے۔ برف موت کی علامت ہے اور سورج زندگی کی۔ اس لیے میں برف والے علاقے اور مذہب کو چھوڑ کر سورج کی حرارت، دھوپ والے علاقے (عرب اور اسلامی ممالک) اور دین کی طرف جانا پسند کرتا ہوں۔ آدمی کی اصل قیمتی چیز اُس کی جلد کی رنگت نہیں بلکہ اس کے دل کی ہوتی ہے۔ کیا سیپ (صدف) بھورے رنگ کی اور اُس کے اندر کا قیمتی موتی سفید اور چمکدار نہیں ہوتا؟ پس میں روح کو موتی اور جسم کو صدف سمجھتا ہوں۔

سانولے اور سیاہ لوگوں کی تصویریں بنانے میں، میں نے بہت لطف محسوس کیا۔ اگر میری جلد کی رنگت سیاہ ہوتی تو مجھے خوشی ہوتی کیونکہ مرد کو یہی رنگت سجتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر مجھے ملکِ عرب میں جانے کا موقع ملا تو وہاں کی تیز دھوپ میں میرا رنگ بھی سانولا ہو جائے گا۔ سانولی رنگت پر سفید پگڑیاں، یہ تصور ہی کتنا دلکش ہے۔ اور مجھے یہی امید ہے کہ جب میں دھوپ میں سانولا ہو جاؤں گا اور حاجی بن جاؤں گا تو میری شخصیت کا ایک نیا رُوپ سامنے آئے گا! اب میں اپنے خاص موضوع کی طرف آتا ہوں۔

میرا یہ یقین روز بہ روز پختہ ہوتا گیا کہ کوئی اور مذہب دین اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ دین حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے لیکن اپنے تمام دوستوں اور ہم وطنوں کا مذہب ترک کر کے کوئی اور دین اختیار کرنے کا اعلان کرنے سے پہلے انسان کو مناسب موقع کے انتظار میں اس وقت تک صبر وضبط سے کام لینا پڑتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہدایت نہیں ملتا اور انسان پر اللہ کی رحمتوں کا نزول نہیں ہوتا۔ میں اس نور کا منتظر رہا لیکن میرے ضمیر میں ایک شبہ موجود رہا کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اگر میں نے مصوری جاری رکھی تو کیا میرا یہ کام گناہ ہوگا یا نہیں؟

اس کشمکش ہی کی وجہ سے میں خاصے عرصہ تک قبول اسلام میں متذبذب رہا، پھر میں نے کچھ مسلم اہل دانش سے مشورہ کیا۔ اُن میں سے بعض نے مجھے جواب دیا کہ مصوری گناہِ کبیرہ نہیں۔ کچھ نے یہ کہا کہ آج کل تو کئی نیک اور اچھے مسلمان بھی مصوری کر رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بعض نیک اور پارسا مسلمان سلاطین نے اپنی تصویریں بنوائیں۔

لندن کی نیشنل گیلری میں جینٹائیل بیلینی (Gentile Bellini) کے ہاتھ کی بنی ہوئی مراکش کے سلطان محمد خامس کی بہت موثر تصویر دیکھنے والوں سے دادِ فن وصول کرتی ہے۔ میرے پاس موجود آرٹ کی کتابوں میں کچھ پرانی تصویریں ہیں، ان میں دو تصویریں غرناطہ کے سلطان ابوعبداللہ محمد (بوعبدل) کی بھی ہیں۔ ایک سادہ لباس میں جبکہ دوسری میں شاہی تاج پہنے ہوئے۔

مگر اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک تصویر سلطانہ کی بھی ہے جس میں اُن کا چہرہ بے نقاب دکھایا گیا ہے۔ اس سے زیادہ وزنی دلیل تصویر کشی کے جواز کی اور کیا ہو سکتی ہے؟ میرے محترم بھائی حاجی علی رضا نے مجھے بتایا کہ اگرچہ تصویر کشی کو گناہ شمار کیا جا سکتا ہے مگر یہ اتنا بڑا گناہ نہیں جس پر اللہ کی شدید ناراضی کا خدشہ ہو۔[1] اور حاجی علی رضا کوئی عام آدمی نہیں بلکہ دین اسلام کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پس میں نے مصوری کا کام جاری رکھا۔ آخر کار میرے رسمی طور پر قبولِ اسلام کا لمحہ بھی آ گیا۔ ایک رات عجیب وغریب خواب کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک طوفانی سمندر میں اپنی جان بچانے کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں اوبھری ی ہوئی موجوں سے پنجہ آزمائی کے بعد بالآخر ساحل پر پہنچ ہی جاتا ہوں۔

اس وقت سمندر کی گھن گرج سے بھی بلند تر ایک آواز مجھ سے پوچھتی ہے: "تجھے ڈوبنے سے کس نے بچایا؟ اور اب تو (اس طاقت پر) ایمان لانے میں دیر کیوں کر رہا ہے؟" کچھ دیر بعد میں نے حاجی علی رضا کے پاس جا کر اسلام کا اقرار کر لیا اور انھوں نے مجھے حسبِ معمول نہایت شفقت اور فراخ دلی سے نماز اور اسلام کے بارے میں دیگر تفصیلی ہدایات سے آگاہ کیا اور اس طرح میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میرے تمام کیتھولک دوستوں کے گھروں کے دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے ہر کیتھولک دوست کے بجائے مجھے دس مسلمان بھائی مل جائیں گے۔ جب سے میں نے مسلمانوں کے اجتماعات میں جانا شروع کیا، مجھے یہ نیا دین قبول کرنے کے ناگزیر نتائج کا احساس ہونے لگا مگر اب باقاعدہ طور پر یہ دین اختیار کرنے کے بعد اور ووکنگ (Woking) کی مسجد میں گزشتہ بار جانے کے بعد

مجھے کھلی دشمنی کے آثار صاف دکھائی دینے لگے اور ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے چند ہی دن بعد مجھے ڈاک کے ذریعے سے بھیجے گئے ایک خط میں قتل کی دھمکی بھی موصول ہوئی۔

میں اس دھمکی پر ہنس دیا کیونکہ میری حفاظت اب میرا اللہ کرے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور مجھے یقین ہے کہ میں بقیہ زندگی میں اپنا کام اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک وقت مقررہ پر اللہ مجھے اپنے پاس واپس بلا نہ لے۔

میں اس کی نعمتوں کا آخر دم تک شکر ادا کرتا رہوں گا، خاص طور پر اپنے فنکارانہ مزاج کے لیے جو مجھے اس کے بے مثال حُسن تخلیق کو دکھانے میں مدد دیتا ہے۔ میری مصوری اس کی حمد و ثنا کی ایک صورت ہے کہ اس نے کس قدر فیاضی سے ہمیں آنکھوں کے ذریعے سے روح کو مسرور کرنے کا سامان عطا کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ میں مرنے سے پہلے بہت جلد لندن کے وسط میں وہ خوبصورت مسجد ضرور دیکھ لوں گا جس کا شاندار ڈیزائن ہمارے نوجوان اور ذہین ماہر تعمیرات شیخ عبدالحمید نے تیار کیا ہے۔ صرف ایک مسلمان کی روح کی گہرائیوں ہی سے ایسی خوبصورت مسجد کا تصور برآمد ہو سکتا ہے اور صرف ایک صاحبِ ایمان کو ہی اس کی تعمیر کا حق حاصل ہے، کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں۔[1]

[کاؤنٹ ایڈوارڈو جیوجا، اٹلی] (Count Eduardo Gioja,Italy)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

Some little .There was a veil past which I could not see "There was a door to which I found no key: talk awhile of me and thee "...There seemed and then no more thee and me " میرے آگے ایک دروازہ تھا جس کی چابی میرے پاس نہ تھی، ایک پردہ حائل تھا جس کے پار میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر میرے اور تمھارے درمیان ایک لمحے کو یوں لگا کوئی بات ہوئی اور پھر "میں" اور "تم" کے حجابات اٹھ گئے۔" کئی دوسرے انگریزوں کی طرح میں نے بھی چرچ آف انگلینڈ سے عیسائیت کی تعلیم حاصل کی اور اس چرچ کی باقاعدہ رکنیت اختیار کی۔ میں نے زیادہ تر بچپن ایک پُرانے کتھیڈرل(Cathedral) [2]والے شہر میں گزارا۔

یہ شہر اُس زمانے میں بڑی تعداد میں گرجاگھروں اور شراب خانوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے اساتذہ اور دوسرے لوگوں نے بائبل کے دس احکام ربّانی، عیسائیت کے بنیادی اصولوں اور بائبل کی تعلیمات وغیرہ سے آشنا کیا۔ مگر اس تمام تر تربیت سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ فقط ایک عجیب قسم کی جذباتیت اور مذہبی تعلیم کے مختلف امتحانوں میں کامیابی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

مجھے وہ روحانی ضبط حاصل نہ ہو سکا جو مجھے زندگی کی مشکلات کے لیے تیار کر سکتا۔ 1918-19ء کے دوران میں، میں نے مصر میں رائل ایئر فورس (Royal Air Force) میں کچھ دیر کام کیا۔ وہاں ایک انگریز دوست کے ہمراہ مجھے ایک رات نصف شب کے قریب ولاتِ نبوی کے سلسلے کی ایک تقریب میں شمولیت کا موقع ملا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت ہم اس تقریب سے بہت متاثر ہوئے۔

عربی میں نعت خوانی، ہوا میں لہراتے ہوئے اسلام کے پرچم، عقیدت مندوں کے خلوص اور ان کی مشفقانہ مہمان نوازی نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ مگر میں یہ اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہم محض تماشائی تھے۔ انگلینڈ واپسی پر میری جستجو اور تجسس کا آغاز ہوا۔

دانشِ حقیقی کی تلاش پر مجھے پرینٹس ملفورڈ (Prentice Mulford) کی ایک چھوٹی سی کتاب "Thoughts are Things" نے آمادہ کیا۔

اس چھوٹی سی کتاب نے سادہ لفظوں میں مجھے قوتِ فکر سے آشنا کیا۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ کس طرح بُرے خیالات ایک برا ماحول مرتب کرتے ہیں جبکہ اچھے خیالات اچھا ماحول قائم کرتے ہیں اور درست سائنسی سوچ خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہے۔

یہ تلاش تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی۔ اس عرصے میں میں نے وسیع مطالعہ کیا، مختلف تقاریر سنیں اور مباحثوں میں حصہ لیا۔ مذہبی فلسفہ (Theosophy)، بدھ مت، یوگا (Yoga) کا فلسفہ، روحانیت، تصوف، کیتھولک مذہب، فکرِ جدید اور پیلمن ازم (Pelmanism) وغیرہ پر خوب پڑھا۔ غرض ہر مذہب اور ہر فلسفے کا مطالعہ کر ڈالا مگر ہر فلسفے میں چند ایک ابدی حقائق کے سوا اور کچھ نہ ملا، لہٰذا یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ میں خالی ہاتھ ہی لوٹ آیا۔ 1924ء تک میں اسلام کی سادہ مگر انتہائی معقول اور اطمینان بخش تعلیمات سے متعارف نہیں ہوا تھا۔ ایک دن مڈلینڈ (Midland) کی ایک پبلک لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا تو رسالہ "اسلامک ریویو" کا ایک تازہ شمارہ دیکھا۔ "اسلام کیا ہے؟" کے عنوان سے اس رسالے میں چند صفحے دیکھ کر مجھے فوراً پتہ چل گیا کہ یہی میرا مطلوبِ جستجو تھا۔

میں نے ان صفحات میں ایک ضابطۂ قوانین پڑھا جن پر عمل کرنے سے دنیوی اور دائمی کامیابی، ذہنی سکون اور دانش حاصل ہو سکتی ہے اور جن کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ ماضی کی غلطیوں کی تلافی کیسے کی جا سکتی ہے۔

میں نے ایک شاندار فلسفہ پڑھا جو بظاہر سادہ تھا مگر اس میں اتنی گہرائی بھی تھی جو زندگی بھر کے مطالعہ کو کافی تھی۔ یہ ضابطۂ قوانین روح کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب دے کر اسے اس طاقتور نظام کائنات میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔

اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد میں نے باقاعدہ طور پر اسلام قبول کر لیا اور امام خواجہ نذیر احمد نے مجھے مشرف بہ اسلام کر کے اسلامی برادری کا رُکن بنایا۔ اس دن سے میں دنیا کے معاملات کو درست زاویۂ نگاہ یعنی اسلامی زاویۂ نگاہ سے دیکھنے لگا ہوں۔

اب میں دنیا کے مسلط کیے ہوئے جھوٹے عقائد اور مادیت پرستانہ آراء کی گرفت میں نہیں ہوں، جس میں وہ ہزاروں لوگ گرفتار ہیں جو سچ اور جھوٹ، غلط اور درست میں تمیز نہیں کر سکتے۔ آخری بات یہ ہے کہ اسلام خود غرضی کو گناہِ کبیرہ قرار دے کر اس سے منع فرماتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر

ایک بھائی تکلیف میں مبتلا ہو تو دوسرا اس سے لاتعلق ہو کر خوش نہیں رہ سکتا۔ ایک معروف مشرقی مفکر نے ایک دفعہ کہا تھا: ”ہمارا جذبۂ خدمتِ خلق زندگی میں ہمارے لیے روشنی کا چراغ ہے، خواہ ہمارا پیشہ کوئی بھی ہو۔“

اپنی روز مرّہ ضروریات پوری کرنے کے بعد اور اپنے مادی مستقبل کو محفوظ بنالینے کے بعد ہم سب مسلمانوں کو چاہیے کہ خدمت خلق کا کوئی نہ کوئی شعبہ اپنالیں۔ خدمتِ خلق کا کام کسی بھائی کا مادی بوجھ کم کر کے یا اس کی روحانی مدد کر کے کیا جاسکتا ہے، لیکن پہلے ہمیں اس کا تعین کر لینا چاہیے کیونکہ یہی ہمیں لازوال مسرت سے ہم کنار کر سکتا ہے اور دنیا و آخرت میں ہمارے وجود کا یہی جواز ہو سکتا ہے۔ [1]

[فضل کریم سانڈرز] (Fazl Karim Saunders)

میرا اسلام کا تجربہ

[اسلام قبول کرنے کے بعد مسٹر فریڈرک حمید اللہ بومین (Mr.Frederick Hameedullah Bowman) نے اگست 1939ء میں ”اسلام کا پیغام“ کے عنوان سے ایک لیکچر دیا۔

ان کا مضمون ” اسلام کا تجربہ “ پیش کرنے سے پہلے ہم ذیل میں ان کے قبولِ اسلام کا اقرار نامہ شائع کر رہے ہیں۔] ”میں فریڈرک حمید اللہ بومین ساکن لیور پول (Liverpool) (انگلینڈ) ایمان اور خلوص سے، بہ رضا و رغبت اعلان کرتا ہوں کہ میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور میرا یہ ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کا برابر احترام کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں گا۔

لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ” (ایف ایچ بومین) (F.H.Bowman) امام صاحب کی فرمائش پر مجھے اُن حالات کا مختصر بیان پیش کر کے خوشی محسوس ہو رہی ہے جن حالات میں پہلے پہل میں اسلام کی حقیقت سے آشنا ہوا۔

میری والدہ ایلس برتھا بومین (Alice Bertha Bowman) شاعرہ اور ناول نگار تھیں اور ان کی تحریریں شاہی خاندان سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر چکی تھیں۔ کئی سال پہلے اُن کے مضامین اور نظمیں ” دی الہ آباد ریویو“ (The Allahabad Review) میں شائع ہوئیں۔

یہ جریدہ ہندوستان سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ناشر سربلند جنگ ایم حمید اللہ تھے جو بعد میں حیدر آباد دکن کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ میں بچپن میں یہ رسالہ اور دوسرے جرائد جن میں میری والدہ کی تحریریں چھپتی تھیں، پڑھا کرتا تھا۔

اس طرح بچپن ہی سے میرے دل میں اپنا نام بھی چھپا ہوا دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

خاص طور پر میری والدہ کو" دی اینگلو انڈین ویکس ٹائمز" (The Anglo-Indian Week's Times) میں اُن کی کہانی "اے رومانس آف لینگولن" (A Romance of Leangollen) چھپنے پر انعام ملا تو میرا یہ شوق کچھ اور بڑھ گیا۔ سکول میں، میں اپنی ادبی صلاحیت کو بروئے کار لایا اور سکول کے درجہ پنجم کے میگزین کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ سکول چھوڑنے سے پہلے ہی میری تحریریں اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔

مسٹر حمید اللہ جو اُس وقت وکیل تھے، میرے ادبی ارتقا میں دلچسپی لینے لگے۔ میں نے اُن کا نام اپنا قلمی نام بنالیا۔ افسوس کہ اب جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے، میں اپنا پُر خلوص اظہارِ تشکر اُن کے بجائے اُن کے خاندان کو منتقل کر رہا ہوں۔ ان کے نامور فرزند محمود اللہ ہوم سیکرٹری صوبہ جات متحدہ (ہندوستان) سے میری خط وکتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری ہے۔

مسٹر محمود اللہ اپنے قدیم دہلوی آباؤ اجداد کی بلند پایہ روایات کو نہایت خوبی سے نبھارہے ہیں۔ جب میں سکول میں پڑھتا تھا تو لیورپول (Liverpool) میں ایک مسجد تھی جہاں میں اپنی والدہ کے ہمراہ کئی اجتماعات میں شامل ہوا۔

مجھے (اسلام سے) اتنی دلچسپی ہوگئی کہ میں گھر کے بنے ہوئے جبے (گاؤن) میں ملبوس ہو کر ایک صندوق پر چڑھ کر مقامی شیخ کے انداز میں اپنے ہمسایوں کے اجتماع کو اسلام کی حقانیت کی تعلیم دینے لگا۔ لیورپول (Liverpool) کی مسجد رفتہ رفتہ بند ہوگئی اور کچھ عرصہ تک میرا اس دین سے رابطہ منقطع رہا۔ میں سٹیج کے لیے ڈرامے لکھنے اور تھیٹر میں پیش کرنے لگا۔

لندن کے ممتاز ناشرین سے میں نے اپنی کہانیاں اور سلسلہ وار ناول اور ڈرامے شائع کرائے۔ فلموں کی کہانیاں لکھیں، کچھ فلموں میں اداکاری بھی کی اور بعض فلموں کے گیت بھی لکھے۔ میں ہمیشہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی کردار کو سامنے رکھتے ہوئے اذیت میں مبتلا جانوروں کلا ردرہا۔ آپ کی رحم دلی انتہائی نچلے درجے کی مخلوق تک پھیلی ہوئی تھی۔

اب میں جانوروں کی خدمت کی انجمن (Animal Service Association) کا صدر ہوں جو میں نے باربردار جانوروں کے تحفظ کے لیے قائم کی ہے۔ میرا تازہ ترین گیت "جنگ اور خواتین" (Women and War) امن کی اپیل ہے۔ کچھ عرصہ سے میں اپنے اخبار کی ادارت کر رہا ہوں جس کا نام "The Talking Picture News" ہے۔ جون 1934ء میں مجھے سینٹ جیمز پیلس (St. James's Palace) میں شاہ جارج پنجم کی خدمت میں پیش ہونے کا موقع ملا۔ اس سال میرے علم میں یہ بات آئی کہ ووکنگ (Woking) کی مسجد کے امام صاحب ساؤتھ پورٹ ریلیجئس کانفرنس (Southport Religious Conference) سے خطاب کریں گے۔ پس میں اُن کا خطاب سننے چلا گیا۔

بعد میں اُن سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ہم نے وہاں نہایت دلچسپ گفتگو کی۔ مجھے امید ہے ہمارا آپس میں رابطہ رہے گا۔ میں لیورپول میں پیدا ہوا اور میرا خاندان مذہباً پروٹسٹنٹ تھا، تاہم میں نے ہمیشہ اپنی فکر کو آزاد رکھا اور اللہ عزوجل کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ مجھے ہمیشہ اچھا لگا۔[1]

[فریڈرک حمید اللہ بومین-لیورپول، برطانیہ] (Frederick Hameedullah Bowman-Liverpool, U.K)

ایک ذی شعور انسان کا پسندیدہ دین

کئی سال سے عیسائی دنیا کے مذہبی جرائد میں مختلف فرقوں کی جانب سے یہ واویلا کیا جارہا ہے کہ مذہبی حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہورہی ہے۔اور واقعی صورت حال ایسی ہے کہ عیسائی طبقۂ علماء کی سرگرمیوں اور سرتوڑ کوششوں کے باوجود لوگوں کی عیسائیت میں دلچسپی ہر سال کم ہوتی جارہی ہے۔لوگوں کی اس بے اعتنائی کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں مگر اصل وجہ بتانے سے عموماً گریز ہی کیا جاتا ہے۔

خالق نے انسان کو ذہن استعمال کے لیے دیا ہے اور انسان اسے جتنا زیادہ استعمال کرے اتنا ہی اُس کا اعتماد اپنے ضعیف الاعتقاد اور غیر مہذب آباؤاجداد کے نظریات سے اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں ذہن سے کام لینے والے لوگ صرف پادری ہوا کرتے تھے۔

سب سے طاقتور ہتھیار''علم'' صرف انھی کے ہاتھوں میں ہوتا تھا، یہاں تک کہ جو آدمی بھی لکھنا پڑھنا سیکھ لیتا وہ از خود دینی عالم ہونے کا دعویٰ کر دیتا، یعنی اسے پڑھا لکھا سمجھا جاتا اور کلیسا کے لیے جدوجہد (دینی نہیں بلکہ سیاسی اور مالی فوائد کے حصول کی جدوجہد) میں سرگرم علماء کی فہرست میں اس کا نام درج ہو جاتا۔

یہ جدوجہد دماغ اور جسم کی کشمکش تھی یا دوسرے لفظوں میں ایک طرف علم کی طاقت اور دوسری طرف جسمانی طاقت کے درمیان تصادم کی صورتِ حال تھی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کا مقابلہ ان پڑھ سپاہیوں سے ہوتا تھا، ایک طرف عاقل اور فاضل تھے اور دوسری طرف نادان مسلح افراد، جس کا صرف ایک ہی نتیجہ ممکن تھا کہ چرچ (کلیسا) دولت میں کھیلتا رہا، لہٰذا جان (John) اورالیگزینڈر بورجیا(Alexander Borgia) جیسے لوگوں کو بھی پوپ کے منصب پر فائز ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

یہ بات بہر حال تسلیم کرنی پڑے گی کہ طبقۂ علماء میں اچھے اور نیک لوگ بس گنتی کے تھے جو خلوصِ نیت سے اپنے پیروکاروں کو جنت کی راہ دکھانے کی کوشش کرتے، مگر اُن کی راہ میں بھی یہ ناقابل عبور رُکاوٹ حائل رہی کہ اُن کے خطبات کا متن لاطینی زبان میں ہوتا تھا جس کا کوئی مربوط جملہ ہزاروں کے اجتماع میں سے ایک فرد بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی تھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی سوچ سے کام لے کر، دی جانے والی دینی تعلیم کی صداقت کو چیلنج کرتا تو اسے موت کی نیند سلا دیا جاتا۔ چرچ کی صداقت کے متعلق سوال کرنے کی جرات ''انحراف'' شمار ہوتی تھی جس میں کلیسا کی طرف سے زندہ آگ میں جلا دینے کا حکم صادر ہوتا تھا۔عیسائی دنیا میں اب بھی یہی صورت حال جاری ہے۔

رومن چرچ اپنی تعلیمات کی ''بے عیبی'' کے متعلق کسی کو سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اگرچہ اب سزاؤں کی صورت حال بہت مختلف ہے۔جب تعلیم پر چرچ کی اجارہ داری جاتی رہی اور مشینی طباعت کے باعث کتابیں عام لوگوں کی دسترس میں آ گئیں تو پھر یہ ہوا کہ لوگ اپنی سوچ سے کام لینے لگے اور صدیوں بعد ہی سہی،لوگ بالآخر اُن پرانے قصے کہانیوں کی صداقت کو چیلنج کرنے لگے جن کو اتنا عرصہ چرچ سے باہر کسی نے چیلنج نہیں کیا تھا۔

سالہا سال بلکہ یوں کہیے کہ انیسویں صدی کے آخر تک فیشن کی خود سر دیوی کا یہ حکم چلتا رہا کہ گرجے میں حاضری معاشرے کے لیے ضروری ہے مگر اب جبکہ سوچ کا انداز بدل گیا ہے تو ہم اتوار کو گرجے میں جمع ہونے والے بے مقصد عبادت گزاروں کے ہجوم کا کھوکھلا پن صاف دیکھ سکتے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ اب جو لوگ چرچ جاتے ہیں اُن میں خاصی تعداد کی گرجے میں حاضری اپنی جوانی کے دور کی عادت کے باعث ہوتی ہے نہ کہ کسی اخلاقی فائدے کی غرض سے۔ پھر بھی انسانیت کو بہر حال کسی نہ کسی صورت میں مذہب کی ضرورت تو ہے۔

آج کے دور میں ہر وقت تفریحِ طبع کا جو جنون دیکھنے میں آرہا ہے اس کا کوئی نہ کوئی ردّ عمل تو یقینا ہوگا۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ کوئی بھی صاحبِ شعور انسان کسی ایسے مذہب کو قبول نہیں کر سکتا جو یہ کہے کہ "جب تک آپ بعض انتہائی مشکوک حقائق پر ایمان نہ لے آئیں اور اپنے اللہ کے بارے میں ایک ناممکن سا تصور نہ اپنا لیں آپ کی نجات نہیں ہو سکتی۔"

ایسے مذہب کی مشکوک باتوں کے کوئی ثبوت فراہم نہیں کیے جاتے اور الٹا ناممکنات پر اندھا دھند ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے جبکہ ذی شعور لوگوں کو کسی ایسی بات پر رضامند کرنا نا معقولیت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر برنارڈ شا (Bernard Shaw) کی اسلام کے غلبہ کی پیش گوئی [1] سچی ثابت ہونے والی ہے مگر ہم مسلمانوں کے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے۔

دنیا "اسلام" جیسے دین کی طرف ہی راغب ہو سکتی ہے لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ اس کا رُخ خالص اور سادہ اسلام کی طرف موڑ دیں۔

جلد ہی حق کے متلاشی اتنے زیادہ ہو جائیں گے کہ تاریخ میں اس کی مثال ہی نہیں ملے گی۔ وہ پرانے مقبول عام نعروں سے مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ ایک ایسے دین کا تقاضا کریں گے جو ان کے تمام سوالات کے جوابات دے اور اُن سے بچوں جیسا سلوک نہ کرے کہ وہ اپنی فرمائشیں شفیق باپ سے براہِ راست کرنے کی بجائے آیا کو وسیلہ بنائیں۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ آیئے ہم مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

ذاتی طور پر میں حق کے متلاشی گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے پردادا ڈاکٹر پائی سمتھ (Dr.Pye-Smith) نے 1843ء میں بائبل اور علم الاَرضیات کے باہمی ربط و تعلق پر اپنی مشہور کتاب شائع کی جس پر انھیں شدید مذمّت کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی لوگوں نے انھیں مذہب کا دشمن قرار دیا مگر انھوں نے سچائی کا راستہ بہر حال دکھا دیا۔

آج کوئی بھی آدمی اس موضوع پر اُن کے خیالات سے سنجیدگی کے ساتھ اختلاف نہیں کر سکتا، جیسا کہ اس وقت انھیں انقلابی قرار دیا گیا تھا۔ میں خود بھی چرچ آف انگلینڈ کے مطابق مذہبی تربیت پانے کے باوجود یا شاید اسی تربیت کے خلاف رد عمل کے طور پر عیسائی نظریات سے مطمئن نہ رہ سکا۔ ملایا (ملائیشیا) میں اچھے مسلمانوں کے قریب رہ کر میں اسلام کی حقیقت کا کھوج لگانے سے باز نہ رہ سکا تا آنکہ مجھے حتمی طور پر یہ یقین ہو گیا کہ میرے تمام سوالات کا جامع جواب اسی دین کے پاس ہے اور یہ وہ جواب ہے جو اللہ عزوجل کی طرف سے آیا ہے اور عیسائیت ان سوالات کا جواب دینے سے گریزاں ہے۔ [1]

[جیفرے ایچ آر پائی سمتھ، اسلامی نام: جعفر بن داود] (Geoffrey H.R.Pye-Smith-Islamic name, Ja'far bin Dawud)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

بچپن ہی سے میرے دل میں اسلام کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل کرنے کی تڑپ موجود تھی اور میں نے بڑی احتیاط سے قرآن حکیم کا ایک ترجمہ اپنے آبائی شہر کی لائبریری سے لے کر پڑھا۔ یہ 1750ء کا ترجمہ تھا اور یہ قرآن پاک کا وہ ایڈیشن تھا جس سے گوئٹے (Goethe) نے بھی اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔

اس وقت میں اسلامی تعلیمات کی بدرجہ اَتم معقولیت اور موثر اندازِ بیان سے بے حد متاثر ہوا۔ میں اس زبر دست روحانی انقلاب سے بھی بہت متاثر ہوا جو ان تعلیمات سے اس دور کی اسلامی اقوام میں برپا ہوا تھا۔ بعد میں برلن (Berlin) میں مجھے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور برلن کی مسجد اور برلن میں پہلے اسلامی مشن کے بانی سے قرآن پر فکر انگیز اور ولولہ خیز تبصرہ سننے کا اتفاق ہوا جس سے میں مزید متاثر ہوا۔

اس نمایاں شخصیت کے ساتھ کئی سال تک عملی تعاون کرنے اور ان کی روحانی محنت سے میں مسلمان ہو گیا۔ اسلام نے میرے ذاتی نظریات کو انسانیت کے متعلق انتہائی پُر مغز تصورات سے آشنا کر کے مزید تقویت فراہم کی۔ اسلام میں اللہ پر ایمان ایک پاکیزہ بنیادی عقیدہ ہے۔

اسلام ایسے نظریات سے خالی ہے جو جدید سائنس سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لیے اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی تصادم نہیں۔

یہ ایک بے مثال خوبی ہے اور اس آدمی کے لیے یہ دین بہت فائدہ مند ہے جو سائنسی تحقیق میں حسبِ صلاحیت کام کرنا چاہتا ہو۔ اسلام کی برتری کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی تعلیمات محض تصورات پر مبنی نہیں جو عملی زندگی سے لگا نہ کھاتی ہوں، بلکہ یہ ایک ایسا نظام تعلیم ہے جو انسان کی زندگی کو عملاً متاثر کرتا ہے۔ اسلام کے قوانین شخصی آزادی کو سلب کرنے والے سخت قوانین نہیں بلکہ ایسی ہدایات ہیں جو منظم آزادی فراہم کرتی ہیں ۔ سالہا سال تک میں یہ دیکھ کر مطمئن ہوں کہ اسلام ہی انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک توازن اور ایک رابطہ قائم کرتا ہے۔ یہ دین تعصب سے خالی اور رواداری سے مالا مال ہے۔ یہ اچھائی کو پسند کرتا ہے خواہ وہ کہیں سے بھی ملے۔[1]

[ڈاکٹر حامد مارکس، سائنسدان، مصنف، صحافی - جرمنی]

(Dr. Hamid Marcus, Scientist, Author and Journalist-Germany)

میرا قبولِ اسلام

[پروفیسر ہارون مصطفٰی لیون (Leon) پی ایچ ڈی، ایل ایل بی، ایف ایس پی، نے 1882ء میں اسلام قبول کیا۔ آپ یورپ اور امریکہ کی کئی علمی انجمنوں سے وابستہ رہے اور ان کے اعزازی رکن رہے۔ آپ ایک قابل ماہرِ لسانیات تھے اور اس وقت [1] "Isle of Man Examiner" نامی جریدے میں انسانی زبانوں کی درجہ بندی پر سلسلہ وار مضامین لکھ رہے تھے۔

علاوہ ازیں آپ نے اسلامک ریویو اور اسلامک کلچر کے لیے بھی کئی مضامین لکھے۔ سائنس کی اس اہم شاخ (لسانیات) میں آپ کی خدمات کا اعتراف بڑے بڑے علمی اداروں نے کیا۔ امریکہ کی پوٹومیک یونیورسٹی (Potomac University) نے آپ کو ایم اے کی ڈگری جاری کی۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک مستند ماہرِ ارضیات بھی تھے۔ آپ اکثر مختلف علمی اور ادبی انجمنوں میں سائنس اور ادب کے موضوعات پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ آپ "La Societe Internationale de Philologie, Sciences et Beaux-Arts" کے سیکریٹری جنرل کے اہم عہدے پر فائز رہے۔ یہ سوسائٹی 1875ء میں قائم ہوئی تھی۔

آپ لندن سے شائع ہونے والے سائنسی جریدے Philomathe کے مدیر بھی رہے۔

ڈاکٹر لیون کو عثمانی سلطان عبد الحمید خان اور آسٹریا کے فرمانروا نے کئی اعزازات سے نوازا۔ (ایڈیٹر)] اسلام کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد عقل پر ہے، لہٰذا یہ اپنے پیروکاروں سے اس نعمت عظمیٰ کو ترک کر دینے کا تقاضا کبھی نہیں کرتا۔

بعض دوسرے مذاہب اس کے برعکس اپنے پیروکاروں کو ذاتی تحقیق اور اطمینان کے بغیر کچھ نظریات کو محض چرچ کے حکم پر قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسلام تحقیق کی دعوت دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے مطالعہ، تحقیق اور چھان بین کر لیا کریں (کہ واقعی یہ حکم ثابت ہے یا نہیں)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ نے عقل سے بہتر کوئی چیز نہیں بنائی۔ انسان کو تمام فوائد اسی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں اور عقل ہی سے سمجھ پیدا ہوتی ہے۔"[2]

[1] مِنَ الْعَقْلِ) ''اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی جو عقل سے بڑھ کر اللہ کو محبوب ہو۔'' (تاریخ ابن عساکر: 11/454) عقل کے متعلق یہ حدیث اور دیگر تمام احادیث ضعیف یا موضوع ہیں۔ دراصل اہل فلسفہ، اہل منطق اور عقل پرست لوگوں نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے اپنی خواہشات کے مطابق مفہوم نکالنے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دین و شریعت میں عقل کا استعمال مستحسن ہے، مختلف قسم کی احادیث وضع کیں اور ایسی موضوع اور باطل احادیث پر مشتمل کتب تصنیف کیں۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کتاب العقل'' کے نام سے چار آدمیوں نے کتابیں گھڑی ہیں۔ سب سے پہلے میسرہ بن عبدربہ نے عقل کے متعلق احادیث پر مشتمل ایک کتاب وضع کی، پھر اس سے داود بن محبر نے چوری کی اور ان احادیث کو میسرہ کی سندوں کے علاوہ دیگر اسناد سے ملادیا، پھر انہیں عبدالعزیز بن ابو رجاء نے چوری کیا اور ان میں مزید سندیں ملادیں، پھر سلیمان بن عیسیٰ سجزی نے انہیں چوری کیا اور ان میں اپنی سندیں بیان کیں۔'' نیز ایک جگہ فرماتے ہیں: [قد رويت في العقل أحاديث كثيرة ليس فيها شيئ يثبت] ''عقل کے متعلق بہت زیادہ احادیث روایت کی گئی ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔'' امام ابن حبان پر اگرچہ یہ الزام ہے کہ وہ اہل فلسفہ میں سے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں: لست أحفظ عن رسول اللّٰہ e خبرا صحيحاً في العقل] ''مجھے عقل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی صحیح حدیث یاد نہیں پڑتی۔'' پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے تقریباً 10 ایسے راویوں کا ذکر کرتے ہیں جو عقل کے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''یہ تمام راوی اور دیگر راوی جو اس قسم کی روایات بیان کرتے ہیں سب ضعیف ہیں۔'' امام عقیلی فرماتے ہیں: ''عقل کے معاملے میں کوئی بھی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔'' امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے بھی عقل کے متعلق وارد شدہ احادیث و آثار میں غور وفکر کیا ہے اس کے لیے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ان احادیث و آثار کی بنیاد کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں تحریف بھی کی گئی ہے۔'' مندرجہ بالا تمام اقوال امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے بیان کردہ ہیں۔ ان اقوال کو بیان کرنے کے بعد فرماتے

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ حَتَّى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ كُلَّهَا ، وَمَا يُجْزَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا بِقَدْرِ عَقْلِهِ))[1]

"بے شک انسان نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ سب فرائض ادا کرتا رہے مگر روز قیامت (اللہ تعالیٰ) اُس کو اس کی عقل کے بقدر ہی صلہ دے گا۔"[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تمثیلی اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ بھی اسلام کے مطابق ہے اور یہ قول بھی کہ "ہر بات کا ثبوت تلاش کر لیا کرو اور پھر ان میں سے اچھی باتوں کو اپنالو۔"

جو لوگ اندھا دھند تقلید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل کا استعمال کر کے عمل نہیں کرتے، انھیں قرآن حکیم کی سورۃ الجمعہ (آیت:5) میں کتابوں سے لدے ہوئے گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اسلام سچائی کا دوسرا نام ہے اور سچائی تک رسائی اسلام کے شان دار اور ہمیشہ فروزاں رہنے والے سورج کی روشنی اور علم کی مدد ہی سے ممکن ہے لیکن علم حاصل کر کے سچائی تک پہنچنے کے لیے عقل کا استعمال ضروری ہے۔"[2]

اس موقع پر سب سے زیادہ معنی خیز بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے ارشاد فرمائی جب عظیم الشان سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے آخری رسول جن کو اللہ نے اپنے رحم و کرم سے سچائی اور نیکی کا پیغام بر بنا کر بھیجا تھا، اپنے حجرے میں اپنی محبت شعار زوجہ کے زانو پر سر رکھے لیٹے ہوئے تھے۔ مدینہ کے اہل ایمان مرد، عورتیں اور بچے اللہ کے، آخری رسول امین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چٹائی کے گرد عیادت کے لیے جمع تھے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اسلام کے انتہائی دلیر اور پختہ کار مجاہدوں کے رخسار بھی آنسوؤں سے تر تھے۔ اُن کے قائد، دوست، محبوب، معلم اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے اُن لوگوں کو وہم و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر حق کی روشن راہ دکھائی تھی، انھیں امن و سلامتی والے دین اسلام سے روشناس کرایا تھا، اب اُن سے جدا ہو رہے تھے، اس لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے رواں تھے اور ان کے دل بوجھل اور اداس تھے۔

پریشانی بلکہ مایوسی کے عالم میں ایک صحابی نے بے ساختہ کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بیمار ہیں۔ اگر آپ انتقال فرما گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھارے پاس قرآن حکیم جو ہے۔" "جی ہاں، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کتابِ ہدایت کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں کبھی کبھی آپ سے مشورہ، نصیحت یا ہدایات لینا پڑتی تھیں۔

اگر آپ ہم سے دور ہو گئے تو ہماری رہنمائی کون کرے گا؟" جواب ارشاد ہوا: "میرے قول و فعل کو رہنما سمجھ کر اُسی کے مطابق عمل کرنا۔" "مگر اے اللہ کے رسول! آپ کے جانے کے بعد کوئی ایسی نئی صورت حال بھی پیدا ہو سکتی ہے جیسی پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی ہو تو اس وقت ہم کیا کریں؟ اور ہمارے بعد آنے والے لوگ (آپ کی رہنمائی کی عدم موجودگی میں) کیا کریں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستگی سے اپنا دستِ مبارک اور سر اُٹھایا، آپ کے رُخِ انور سے پیغمبرانہ شان جھلک رہی تھی اور آنکھوں میں ذہانتِ نبوی کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ آپ نے باآواز بلند فرمایا: " اللہ نے ہر انسان کو رہنمائی کے لیے عقل اور ضمیر عطا کیا ہے۔

سو تم لوگ عقل اور ضمیر کو ہر معاملہ میں استعمال کروگے تو اللہ کی رحمت تمھاری رہنمائی کرے گی۔"[1] [2]

[پروفیسر ہارون مصطفیٰ لیون] (Prof. Haroun Mustapha Leon)

میں کیوں مسلمان ہوا؟

یہ بیان لکھتے ہوئے میرا یہ ہرگز ارادہ نہیں کہ مذاہب کے تقابل پر کوئی لمبی چوڑی بحث پیش کروں اور نہ میرا مقصد اسلام کا تنقیدی جائزہ لینا ہے۔ اس کے بجائے میں اپنے قبولِ اسلام کے بارے میں ایک جامع وضاحتی بیان دینا چاہتا ہوں۔

میری ابتدائی تربیت عیسائی عقیدے کے مطابق ہوئی مگر اس تربیت کی وجہ بدقسمتی سے میری عیسائی گھرانے میں پیدائش تھی کیونکہ بچوں کی تعلیم و تربیت عام طور پر والدین کے مذہب کے مطابق ہی ہوتی ہے اور بعد میں ہم اس مذہب کو ہی حقیقی دین سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔

تاہم عجیب بات یہ ہے کہ ہم اور تو ہر چیز کو خوب چھان پھٹک کر دیکھنے کے بعد ہی قبول کرتے ہیں مگر مذہب اور بالخصوص عیسائیت کے نام لیوا اسے آنکھیں بند کرکے قبول کر لیتے ہیں۔ مسیحی بائبل جو عیسائیت کی نصابی کتاب ہے، اسے میں نے کئی بار پڑھا ہے۔ میرے خیال میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو اس میں مذکور ہولناک خون ریزی، تباہی، حرام کاری، زنا بالجبر اور فحاشی سے لبریز واقعات پڑھ کر کانپ نہ اُٹھتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ بائبل پڑھ کر انسان عیسائیوں کے "خدا" کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تقریباً ہر عیسائی گھرانے میں بائبل موجود ہے مگر اسے عموماً سامانِ آرائش کے طور پر گھر میں رکھا جاتا ہے۔ اگر بائبل کا کوئی ناشر کتاب کے اوراق کی کٹائی کیے بغیر یہ کتاب تقسیم کردے تو مدتوں کتاب اسی حالت میں پڑی رہے گی کیونکہ اسے کھول کر کوئی نہیں دیکھے گا۔

چارلس فرانسس پوٹر ڈی ڈی(Charles Francis Potter D.D.) نے اپنی کتاب "The Story of Religion" میں لکھا ہے: "مسیحی بائبل کو تو شاید امریکہ میں کوئی نہ جانتا ہو مگر قرآن کریم وہ کتاب ہے جسے ہر مسلمان پڑھتا ہے۔"

ہاں واقعی عیسائیوں کو یہ فائدہ ضرور حاصل ہے کہ اُن کی کتاب سب کے لیے اجنبی ہے۔ (وہ نہیں جانتے کہ اس میں کیا کیا ہولناک باتیں لکھی ہیں۔)

مجھے عیسائیت سے برگشتہ کرنے کا پہلا سبب بائبل ہی تھی۔ عیسائیت سے جب مجھے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تو میں نے دنیا کے دوسرے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور ان کے علاوہ جو دوسرے نظام اور فلسفہ ہائے حیات تھے اُن کو بھی پڑھا۔ اس تمام تر مطالعے کا نتیجہ لادینیت اور دہریت کی صورت میں رونما ہوا۔ تاہم میرا یہ ایمان ہے کہ انسان کے اندر فطری طور پر ایک خاص قسم کا یقین موجود ہوتا ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں اور جو ہمیشہ

انسان سے کہتا رہتا ہے کہ ایک رب موجود ہے جو کائنات کا خالق اور مالک ہے، مگر یہ رب ایسا نہیں ہو سکتا جو ظلم، خونریزی اور ہوسناکی کو پسند کرے۔ اسی اندرونی یقین نے مجھے مذاہب کے مزید مطالعے پر آمادہ کیا۔ مجھے دین اسلام میں خاص کشش محسوس ہوئی کیونکہ یہ قرینِ عقل ہے، فحاشی اور بے حیائی سے پاک ہے اور انسان کو قائل کرنے میں جبر سے کام نہیں لیتا۔ میرے علم میں ہے کہ اسلام انسان کی عقل کو متاثر کرتا ہے۔

یہ بدھ مت کی طرح مایوسی پیدا نہیں کرتا۔ یہ شنطوازم (جاپان کا قدیم مذہب جس میں مظاہر پرستی، بلکہ ارواح پرستی بھی کی جاتی تھی) یا کنفیوشزم (چینی فلسفی کنفیوشس کے نظریات) کی طرح الوہیت سے خالی ہے نہ یہ دولت کی پیداوار ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ حصولِ علم کی دعوت دیتا ہے اور حصولِ علم میں حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ تاریخ کے صفحات ایسی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں کہ عیسائیت نے تہذیب اور ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الجنةِ، وَإِنَّ الملائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطالبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَصْنَعُ، وَإِنَّ الْعالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ حَتَّى الحِيتَانُ فِي الماءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ))

"جو کوئی علم کی جستجو کا راستہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے اس کی خوشی کے لیے اپنے پر اس کی راہ میں بچھا دیتے ہیں اور طالب علم کے لیے زمین و آسمان میں بسنے والی تمام مخلوقات حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کی بخشش کی دعا کرتی ہیں اور بے شک عالم کو عابد (عبادت کرنے والے) پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔" [1]

ایک لادین شخص جوزف مکیب (Joseph Mccabe) نے اپنی کتاب Religious Controversy (مذہبی بحث) میں لکھا ہے کہ "سائنس کی کوئی ایسی شاخ نہیں جو مسلمانوں کی ممنونِ احسان نہ ہو۔" میں کسی جھجک کے بغیر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر مغربی دنیا میں اسلام بہتر طور پر متعارف ہو جائے تو دنیا اس کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافے پر حیران رہ جائے۔

اس کے بہتر طور پر متعارف نہ ہوسکنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں مستند یا تعصب سے پاک لٹریچر بآسانی دستیاب نہیں ہوتا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وقت اس صوتِ حال کی اصلاح کر دے گا۔

اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے میں لاکھوں اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر کلمہ طیبہ [لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ] پڑھتے ہوئے بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔[1]

[ہیری ای ہنکل] (Harry E.Heinkel)

میں نے اسلام کا انتخاب کیسے کیا؟

اسلام سے میرا تعارف آج سے پانچ سال قبل اس وقت ہوا جب میں نے ایک جلسۂ عام میں ایک مسلمان کو اپنے دین کی وضاحت کرتے ہوئے سنا۔ سامعین میں شامل ہونے کا میرا اصل مقصد اُس کا مذاق اُڑانے والوں کی طنزیہ باتوں سے محظوظ ہونا تھا، مگر مقرر کے حُسنِ بیان سے میں اتنا متاثر ہوا کہ مجھے اس موضوع سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور میں ایسے جلسوں میں بڑے ذوق وشوق سے شامل ہونے لگا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے "اسلامک ریویو" کے چند شمارے ملے جنھوں نے میرے علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ایک مسلمان کا قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا تو کارآمد نصائح، ولولہ انگیز عبارتیں اور روز مرہ زندگی کے بارے میں دانش مندانہ اور قابل عمل ہدایات پڑھ کر حیران رہ گیا۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ عیسائی مذہب میں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط باتیں بتائی گئی ہیں اور اس حیرت انگیز دین (اسلام) کے بارے میں مجھے سچی باتیں کیوں نہ بتائی گئیں؟ قدرتی طور پر مجھے اس کتاب عظیم (قرآن) میں درج چند قوانین، تنبیہات اور بشارتیں یاد ہو گئیں اور اس کے بعد جب کبھی مسلمانوں سے ملاقات ہوتی تو میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ کیا وہ لوگ ان باتوں پر عمل کرتے ہیں اور پورا پورا عملی نمونہ ہیں؟ وہ کبھی اونچی آواز میں نہیں بولتے، کسی کی بات نہیں کاٹتے، شدید دباؤ کی حالت میں غصے پر ہمیشہ قابو پالیتے ہیں، ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور مسلمان خواتین ہمیشہ اسلامی تقاضوں کے مطابق لباس پہنتی ہیں۔

ایک موقع پر میں نے کئی نوجوانوں کو بڑی فکر مندی سے یہ بحث کرتے سنا کہ "کہیں رقص سے قرآن کریم کے فلاں حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہوگی؟" اُن کے اس خلوص اور اس قدر جانفشانی سے اسلام کے اصولوں کی پابندی نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس دین کے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں گا۔ مزید مطالعہ سے مجھے یہ علم ہوا کہ اگر خلوصِ دل سے اس پر عمل کیا جائے تو اسلام انسان کے دماغ اور جسم دونوں کو سلامتی فراہم کرتا ہے (سلامتی کا مفہوم لفظ اسلام ہی میں شامل ہے) اور ایک مکمل سماجی نظام مرتب کرنے کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔

یوں اس عقیدے سے میری محبت روز بہ روز بڑھنے لگی۔

میرا قبولِ اسلام اسی دلی محبت کا نتیجہ ہے اور میں یہ قدم اٹھا کر بہت خوش ہوں۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسلمان بھائی بہنوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی پُر خلوص محنت اور اسلام کے مقدس مقصد کی خاطر قربانیوں سے مجھے مدد ملی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔ اللہ مجھے اس اُمّت کا ایک مفید رکن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔[1]

[حسن وی میتھیوز] (Hassan V.Matthews)

میں نے احمدیت (مرزائیت) کو کیوں ترک کیا؟

میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے ہر گز احمدیت یا اس کے پیروکاروں سے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔ میں دل سے یہ بات مانتا ہوں کہ اپنے دین اور ایمان کے بارے میں ہر انسان انفرادی طور پر اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہے۔

میرا بنیادی مقصد یہاں واضح الفاظ میں یہ اعلان کرنا ہے کہ میرے علم کے مطابق احمدیت اسلام نہیں ہے۔ یہ بات کہنا اس لیے ضروری ہے کہ نائیجیریا میں احمدیت کے ایک پیروکار کو میں نے بار بار یہ کہتے سنا کہ "میرے (ڈاکٹر اسماعیل کے) احمدی ہونے کی وجہ سے انھوں نے احمدیت قبول کی تھی۔" لہٰذا جب مجھے احمدیت کی حقیقت معلوم ہوگئی تو یہ بات میرے لیے ایک بھاری ذمہ داری بن گئی اور میری یہ تحریر اسی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ایک کوشش ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ))

"(اے نبی!) انسانوں کو دانائی (وحی والہام ربانی جو قرآن وحدیث کی صورت میں ہے) اور خوش گفتاری سے دین کی دعوت دیجیے اور اُن سے اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔ بیشک آپ کا رب سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون گمراہ اور کون ہدایت یافتہ ہے۔" [1]

اس تحریر سے میرا مقصد احمدیت کے بارے میں حقیقت حال سے واقفیت کے خواہاں حضرات کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے حق بات سمجھنے کی توفیق عطا کر دے اور انھیں سیدھا راستہ دکھادے۔

ایسے لوگوں کے لیے میری یہ دعا ہے کہ اللہ اُنھیں سمجھ عطا کرنے اور سیدھا راستہ دکھانے کے بعد غلط راستہ ترک کرنے کی بھی ہمت عطا کر دے تاکہ وہ گمراہی کے راستے پر مزید آگے نہ جاسکیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ))

"اور اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو اللہ کی آیات (ثبوت، شہادتیں، اسباق، علامات، الہامات، وغیرہ) یاد دلائی جائیں تو وہ اُن سے منہ پھیر لے؟ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔"[1]

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا))

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجیے کہ کیا ہم تمھیں بتائیں کہ بہ اعتبار اعمال کے سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ وہ لوگ جن کی اس دنیا میں تمام محنت ضائع ہو گئی اگرچہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بہت اچھے اعمال کر رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات اور اُس سے ملاقات کے منکر ہیں۔ لہٰذا اُن کے اعمال ضائع ہو گئے اور یوم حساب ہم ان کو کوئی وزن نہیں دیں گے۔ ان کا صلہ جہنم ہو گا کیونکہ انھوں نے کفر اختیار کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔"[2]

مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کے خلاف ایک عالمگیر تحریک کا آغاز ہو چکا ہے۔

ہندوستان کے باسی مرزا غلام احمد نے 1908ء میں وفات سے قبل اپنی ذات اور اپنے پیروکاروں کو عام لوگوں سے ممیز کرنے کے لیے اپنے مذہب کا نام احمدیت رکھا تھا۔ یہ تحریک بنیادی طور پر ان مسلمانوں کی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ احمدی خفیہ طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اُن کے حقوق پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ جدوجہد زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ احمدیت کا ضرر دنیا بھر میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ پاکستان ہی میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں احمدیت صرف لوگوں کے دین ہی نہیں بلکہ سیاست پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔

جیسا کہ پاکستان کے مکمل نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہی سے ظاہر ہے کہ یہ ملک اسلام کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے آئین میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی رکھی گئی ہے کہ ملک کا سب سے بڑا سیاسی اور انتظامی سربراہ صرف مسلمان ہی بن سکتا ہے۔ آئین میں یہ حکم مذہبی تعصب کی بنا پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا اصل مقصد پاکستان کے ریاستی یا سرکاری دین اسلام کے مفادات کا تحفظ ہے۔

یہ شق بلاشبہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اور اس بنا پر رکھی گئی ہے کہ پاکستانی مسلمان روز اول ہی سے اپنی حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ احمدیوں کو اقلیت (بلکہ کافر و مرتد) قرار دیا جائے اور اُنھیں اُن دوسری تمام اقلیتوں میں شامل کیا جائے جن میں سے کوئی بھی فرد اس ملک کا صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت احمدیت کو اسلام کا حصہ سمجھتی ہے نہ احمدیوں کو مسلمان تسلیم کرتی ہے۔ آیئے احمدیت (مرزائیت) کے خلاف دنیا بھر کے مسلمانوں کے موقف کا تجزیہ کریں۔

بچپن میں مجھے اُن احمدی واعظین اور مبلغین کا احترام کرنا سکھایا گیا تھا جو ہماری سرگرمیوں کے منتظم اور رہنما سمجھے جاتے تھے۔ جب یہ مبلغین ہمارے بزرگوں کے پاس آکر نوجوان نسل سے بات کرتے تو ہم ان کی ہر بات کو حق سمجھ کر تسلیم کر لیتے کیونکہ ہمیں ان پر مکمل اعتماد کرنا سکھایا گیا تھا۔

اُن کی تبلیغ ہمارے لیے قابل قبول تھی اور ہم نیک نیتی سے ان کے دلائل قبول کر لیتے تھے۔ وہ اپنے دعووں کے ثبوت میں اسلامی کتابوں کے حوالے پیش کرتے تھے اور مزید تحقیق کے بغیر ہم ان حوالوں کو من وعن قبول کر لیتے کیونکہ ہمیں ان مبلغین پر بھروسا تھا۔ اُن کا طریق کار ہمیں راسخ العقیدہ مسلمانوں سے بیزار کرنا تھا۔ ان مبلغین کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ احمدیت کے نام سے ہمیں اصل اسلام سے آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ اکثر ہم پر یہ واضح کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ تقسیمِ ہند سے پہلے پورے ہندوستان میں اور بعد ازاں پاکستان میں اُن کی جو بھرپور مخالفت کی جارہی ہے یہی ان کے سچا ہونے کا قطعی ثبوت ہے کیونکہ بہر صورت کسی بھی نبی کو اپنے شہر یا ملک میں فوری طور پر سچا نہیں سمجھا جاتا۔ ہمیں یہ دلیل بھی قابلِ قبول لگتی، لہٰذا ہم مکمل اعتماد کے ساتھ اُن مبلغین کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اسی اعتماد کے ساتھ میں نے اکتوبر 1972ء میں احمدیہ یوتھ کانفرنس سے خطاب کیا تھا۔ بعد میں کچھ واقعات نے مجھے احمدیت کے مسلمہ دعاوی پر نظر ثانی اور اُن کے حوالہ جات کی تحقیق پر مجبور کر دیا۔ میرا مقصد دراصل یہ تھا کہ احمدیت کی روز افزوں مخالفت کے پیش نظر میں خود کو مضبوط دلائل سے آراستہ کر لوں۔ ایک یونیورسٹی سکالر کی حیثیت سے میں جانتا تھا کہ احمدیت کی حمایت میں میرا اعلان اسلامی مصادر کے مصدّقہ حوالوں سے مزین ہونا چاہیے۔ تاہم احمدی مبلغین کے کتابی حوالوں کی حد تک میری تحقیق کے نتائج مایوس کن نکلے اور مکمل غور وخوض اور تحقیق کے بعد میں اللہ تعالیٰ اور تمام انسانوں کو گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ احمدیت کے مبلغین اپنے اکثر پیروکاروں کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ کئی صورتوں میں وہ ایسے مصنفین کے حوالے پیش کرتے ہیں جو احمدیت کے سخت مخالف ہیں مگر وہ یہ حوالے اس چالاکی سے پیش کرتے ہیں کہ ایسے لگتا ہے جیسے وہ مصنفین احمدیت کے حامی ہیں۔ حوالہ جات کی اصل کتب کے مطالعے ہی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس تناظر میں احمدی مبلغین نے یہ حوالے پیش کیے ہیں، ان کتب کے مصنفین کا نظریہ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس تحقیق ہی سے حق کے متلاشی کو یہ پتہ چل سکتا ہے کہ پاکستانی احمدی دنیا کو کس طرح دھوکا دے رہے ہیں۔

مثال کے طور پر مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کے حق میں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اکثر دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں: ”کہہ دیجیے کہ آپ خاتم النبیین ہیں مگر یہ نہ کہیے کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں۔“ یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ سے منسوب یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداود، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی میں سے کسی بھی کتاب میں موجود نہیں اور نہ مؤطا امام مالک اور مسند احمد میں کہیں اس کا ذکر ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح بھی اس حدیث سے خالی ہے جو کہ مندرجہ بالا کتب احادیث میں سے منتخب احادیث کا مستند مجموعہ ہے۔

بہر صورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب یہ حدیث من گھڑت اور بے بنیاد ہے، مگر چونکہ احمدی اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، لہٰذا آئیے، اس کے مقابلے میں مستند احادیث کو دیکھیں۔ یاد رہے کہ احمدی اس حدیث کا حوالہ یہ ثابت کرنے کے لیے دیتے ہیں کہ ”خاتم النبیین“ کے معنی وقت کے لحاظ سے آخری نبی نہیں (بلکہ ان کے نزدیک خاتم النبیین کا مطلب ”نبیوں کی مہر“ ہے جس کی تصدیق کے ساتھ اور نبی آتے رہیں گے۔) خاتم النبیین کے صحیح مفہوم کی وضاحت فرماتے ہوئے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان فرمائی:

((إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ.))

"میری اور مجھ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے بہت حسین و جمیل محل بنایا مگر کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ وہاں کا چکر لگاتے تو یہ عمارت انھیں حیرت زدہ کر دیتی اور وہ کہتے: اگر تو یہاں ایک اینٹ لگا دیتا تو تیری عمارت مکمل ہو جاتی۔" پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ہی وہ اینٹ ہوں (سلسلۂ نبوت میرے آنے سے مکمل اور ختم ہو گیا)۔" [1]

مذکورہ بالا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، جسے تمام محدثین نے صحیح شمار کیا ہے، یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کو یہ یقین تھا کہ خاتم النّبیّین کا مفہوم آپ کو سب سے افضل اور سب سے آخری نبی ہی ثابت کرتا ہے اور اس کے مطابق آپ کے بعد کوئی اور نبی (بحیثیت نبی) دنیا میں نہیں آسکتا۔ قرآن حکیم نے اسی لیے آپ کا کوئی بیٹا نہ ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا))

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے والد نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔" [1]

غلام احمد کو نبی ثابت کرنے کے جنون میں احمدیہ مشن کے لوگ حیرت انگیز اور شرمناک انداز میں قرآن حکیم کی بعض آیات کے مفہوم کو بھی توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے مطابق پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کی توڑ پھوڑ کی ایک مثال اُن کا قرآن حکیم کی اس آیت کا ترجمہ ہے، وہ کہتے ہیں:

((وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ)) "اور جو کوئی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانے۔" [2] وہ قرآن کے الفاظ (وَالرَّسُولَ) کا ترجمہ "اور اُس کے اِس رسول" کا کرتے ہیں، حالانکہ اس کا اصل مفہوم ہر لحاظ سے "اور اُس کے رسول" بنتا ہے، اس کا مفہوم کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

احمدیوں کا ترجمہ قرآنِ حکیم کے متن سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ یہاں لفظ (هٰذَا) "اس" کا اضافہ کرتے ہیں، حالانکہ متن میں لفظ (هٰذا) موجود نہیں۔ احمدی مشن کی اس معنوی تحریف پر عقلی اعتبار سے غور کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کے متن میں لفظ (هٰذا) کا اضافہ کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں جو کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک سنگین جرم ہے۔ اگر احمدیہ مشن کا قرآن مجید کا ترجمہ صرف انگریزی ہی میں شائع ہو تو اس میں بہت سی باتیں قرآن کریم کے اصل عربی متن سے مختلف ہوں گی۔ کیا اب وقت نہیں آ گیا کہ نائیجیریا اور افریقہ کے مسلمان جو احمدیہ مشن کا ساتھ دے رہے ہیں اگر وہ اسلام سے (واقعی) مخلص ہیں تو اپنی اس رفاقت پر غور کریں کیونکہ احمدیوں کا اسلام وہ اسلام نہیں جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لے کر آئے۔ احمدیہ مشن نے اس آیت کے پہلے حصہ میں تحریف کر کے اسے اپنے مقصد کے مطابق بنا لیا۔ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے:

((وَمَن يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا))

"جو لوگ اللہ اور (اُس کے) رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ یہ بلحاظ رفاقت بہترین لوگ ہیں۔" [1]

اس آیت کے مفہوم میں غلط بیانی کر کے قادیانی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے کوئی انسان درجۂ نبوت تک پہنچ سکتا ہے،وہ کہتے ہیں: " رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو انبیاء علیہ السلام آئیں گے ان کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت یعنی احکامِ قرآن وحدیث کی اطاعت لازم ہے کیونکہ انھیں روحانیت کا یہ مقام آپ کی اطاعت ہی کے سبب ملے گا،اس کے بغیر نہیں۔اس کا مطلب بالآخر یہی بنتا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ضابطۂ حیات یعنی قرآن لے کر آنے والے آخری نبی ہیں۔ آپ کے قوانین کوئی منسوخ کر سکے گا نہ اس کی جگہ کوئی اور قانون نافذ کر سکے گا۔"اس غلط بیانی کا مقصد صرف یہ ہے کہ غلام احمد کو تمام امتِ مسلمہ بلکہ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے کے بر عکس نبی ثابت کر کے دکھا دیا جائے۔ کتنی تعجب والی بات ہے کہ علامہ راغب کی کتاب" مفردات القرآن" جیسی مستند لغت قرآن اور معروف و مقبول تفاسیر اور کتب حدیث کو نظر انداز کر کے اس آیت کا ایک خود ساختہ مفہوم نکال لیا گیا۔ قادیانی ان مستند کتب میں معتبر علماء کے قلم سے کی گئی اس آیت کی تشریح سے لاعلمی کا بہانہ ہرگز نہیں کر سکتے۔اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے گریز کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اپنی عظیم الشان جنت میں داخل فرمائے گا اور اسے انبیاء(علیہ السلام) کا ساتھ نصیب فرمائے گا،اور پھر اس آیت میں مذکور دیگر نیک بخت لوگوں یعنی صدیقین، پھر شہداء اور اس کے بعد عام نیکو کار مومنین کی صحبت عطا کرے گا جن کا ظاہر و باطن ایک ہے،اور پھر اللہ تعالیٰ فرمانبردار لوگوں کی یوں تعریف فرماتا ہے کہ وہ رفاقت کے اعتبار سے بہترین لوگ ہیں۔"[1] صحیح مسلم، مسند احمد اور کئی دوسری کتب حدیث میں اس آیت کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے اور امام طبری نے بایں طور ذکر کیا ہے:) "ایک دن انصارِ مدینہ میں سے ایک شخص حزن وملال کی حالت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی اداسی کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا:" اے اللہ کے رسول! مجھے ایک خیال ستا رہا ہے۔" آپ نے پوچھا: "وہ خیال کیا ہے؟" اس نے کہا:" ہم دن رات آپ کی زیارت اور صحبت سے مستفید ہوتے ہیں مگر کل (باروز قیامت)

آپ انبیاء(علیہ السلام) کے ساتھ ہوں گے، پھر تو ہماری آپ تک رسائی ناممکن ہو جائے گی۔" آپ نے اس شخص کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا، پھر جبرائیل علیہ السلام یہ آیت {ومن یطع اللہ...الایۃ} (النساء:4/69) لے کر آئے۔ تب آپ نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور خوشخبری سنائی۔"[2] اور اس سے ملتی جلتی روایت مجمع الزوائد میں بھی ہی جس میں یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے آخرت میں وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔[3] یہ صاف اور واضح تشریحات اور پس منظر پڑھ کر اس آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے اور کسی وضاحت کی مزید ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ احمدی قرآن کے مفہوم و مطالب کو صحیح طور پر سمجھ کر اپنے مبلغین کے ایجاد کیے ہوئے دینی فلسفے کو رَد کر دیں جس کے ذریعے سے انھیں بڑی مہارت سے گمراہی کے راستے پر ڈال دیا گیا ہے۔ بے شک کوئی آدمی یا گروہ سب لوگوں کو ہر وقت بے وقوف نہیں بنا سکتا،ایک نہ ایک دن یہ سلسلہ ختم کرنا ہی پڑتا ہے۔نائیجیریا کے احمدیوں سے گزارش ہے کہ وہ مہربانی فرما کر ان باتوں پر غور کریں اور اپنے دینی عقائد پر نظر ثانی کریں۔ جہاں تک احمدی مشن کے قرآنِ حکیم کی سورۃ الاعراف کی آیت 35 کے حوالے کا تعلق ہے تو اس کی تشریح بھی احمدی علماء سیاق وسباق سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کرتے ہیں تا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا تسلسل جاری رہنے کا گمراہ کُن نظریہ ثابت کر سکیں۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شرکت نہ کرنا بھی قرآنِ کریم کے حکم اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی خلاف ورزی ہے جس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أُمَّتِي لاَ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلاَلَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ))

" میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہو گی (اے مومنین!) اگر تم میں باہمی اختلاف رونما ہو تو تم پر اکثریت (کے فیصلے) کی پابندی کرنا لازم ہے۔"[1] مرزائیوں کا عام مسلمانوں سے اپنی بیٹیوں کا رشتہ کرنے سے انکار بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اس نظریے کے حق میں احمدیوں کی دلیل یہ ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ بیٹیوں کے نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔ احمدیوں کے اس نظریے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر احمدی مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ ان کا یہ نظریہ صرف اس صورت میں جائز ٹھہرتا ہے جب احمدیت کو غیر احمدی اسلام سے ایک الگ دین تسلیم کیا جائے، ورنہ یہ موقف نہ تو جائز ہے اور نہ اس کا دفاع ممکن ہے، لہٰذا اگر سعودی حکومت یا کوئی بھی حکومت احمدیت کو غیر اسلام (کفر) قرار دے اور احمدیوں کو کافر، تو حقیقت سے آشنا کوئی بھی شخص اس حکومت کے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دے سکتا۔

احمدیوں کی ایک اور خصوصیت جو انھیں مسلمانوں سے الگ کرتی ہے، یہ ہے کہ وہ بڑی مکاری سے مسلمانوں کو پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنھیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ مسلمان انھیں قبول نہیں کرتے، لہٰذا وہ اپنے پڑھے لکھے لوگوں کو اہم سرکاری عہدوں پر متعین کروانے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کے ذریعے سے اسلام کے نام پر احمدیت کو فروغ دیتے ہیں۔ میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ احمدی اپنا موقف دنیا پر واضح کر دیں اور یہ صاف صاف بتادیں کہ وہ مسلمان ہیں یا مسلمانوں سے علیحدہ ایک نیا گروپ۔

اگر وہ مسلمان ہیں تو اجماعِ اُمتِ مسلمہ کی پیروی کرتے ہوئے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی "امتی نبی" کا تصور ترک کر دیں اور مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرکے اسلام کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔

اس کام کے لیے ان کے تعاون کی بہت ضرورت ہے اور یہ کام وہ مسلمانوں کو اپنے کافرانہ عقائد اور اعمال کی بنا پر متنفر کرکے نہیں بلکہ اُن کے عقائد و اعمال اختیار کرکے ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ اگر احمدی ایک الگ جماعت اور نئی تنظیم ہیں تو اُنھیں عام مسلمانوں سے الگ ہو کر اپنی شناخت کروانی چاہیے تاکہ جو لوگ احمدیت قبول کریں اُنھیں شروع ہی سے یہ علم ہو کہ وہ ایک نئے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ خود کو مسلمان سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ غلام احمد کو صرف مجدّد سمجھ کر جماعت کا نام احمدیہ رکھنا بھی قابل قبول نہیں کیونکہ غلام احمد اسلام کا مجدّد نہیں تھا۔

اس سے پہلے اسلام میں کئی مصلح مختلف اوقات میں آئے اور اُن میں سے ہر ایک نے اسلام کی مجموعی ترقی کی خاطر کچھ مخصوص فرائض سرانجام دیے لیکن کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسلام میں یہ شرط نہیں ہے کہ مصلح کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مخصوص نام سے ایک الگ جماعت بنائے اور غلام احمد سے پہلے کسی مجددِ اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ اب تک اسلام میں قابلِ قدر مصلحین میں سے ایک مصلح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، مگر انھوں نے کوئی ایسی جماعت نہیں بنائی۔ مجھے علم ہے کہ نائیجیریا کے احمدی اور کچھ دوسرے احمدی، مثلاً لاہوری احمدی غلام احمد کو امتی نبی (نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے نبی) نہیں مانتے بلکہ اسے صرف مجدد مانتے ہیں۔

تاہم یہ وضاحت ضروری ہے کہ مسلمان احمدیوں کے ان دونوں فرقوں کو خلافِ اسلام سمجھتے ہیں۔[1]

یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت دونوں سے یکساں سلوک کرتی ہے۔ حکومت سعودی عرب کی اِس سلوک کے بارے میں دلیل یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان کوئی بنیادی فرق ہوتا تو دونوں فرقے احمدی ہی کیوں کہلاتے ؟ تمام غیر احمدی یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ "احمدیت" غلام احمد قادیانی کے نام سے لیا گیا ہے جو احمدی گروپ کا بانی تھا۔ ان کے مخالف انھیں قادیانی کہتے ہیں جو مرزا غلام احمد کی جائے پیدائش یعنی بھارتی پنجاب کے شہر قادیان کی مناسبت سے ہے۔ کسی کو بھلا لگے یا برا، احمدیت یا تو معتزلہ کی طرح تاریخ کے صفحات میں دفن ہو جائے گی یا اسلام سے الگ ایک مذہب کی شکل میں باقی رہے گی۔ لاہوری فرقے جیسے لوگ جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکر (غلام احمد) کو مجدد سمجھتے ہیں، وہ خود کو مسلمان کہلوا کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں۔

(دنیا بھر کے احمدی میرے مخاطب ہیں) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ احمدیت اسلام ہے تو احمدی لوگ مسلمانوں کو احمدی بنانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ اس تبدیلیٔ مذہب کا مطلب کیا یہی نہیں ہے کہ احمدیت بذاتِ خود ایک مذہب ہے۔

اگر احمدیت ایک نیا مذہب نہیں ہے تو احمدیوں کو اُن کے پاکستانی پیشوا یہ نصیحت کیوں کرتے ہیں کہ اگر کوئی احمدی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی اور احمدی نہ ہو تو اسے نماز باجماعت کی بجائے الگ نماز ادا کرنی چاہیے تاوقتیکہ وہ کچھ اور لوگوں کو احمدیت کا پیروکار بنا کر اُن کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکے۔ احمدیت کے حوالے سے یہ سوالات واعتراضات ضروری ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ نائیجیریا اور افریقہ کے احمدی لوگ غور وفکر اور اپنی احمدیت سے وابستگی پر نظر ثانی کریں۔

اگر اُنھیں اسلام سے دلچسپی ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ احمدیت اسلام نہیں ہے۔ اگر میری بات غلط ثابت ہو تو بے شک میرے والد مجھے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور احمدی مل جل کر مجھ پر لعنت بھیجیں اور مجھے مصلوب کر دیں۔

لیکن اگر میری بات درست ثابت ہو تو میرے رشتہ داروں سمیت نائیجیریا کے تمام احمدیوں پر یہ لازم ہو گا کہ احمدیت سے اپنے تعلق پر نظر ثانی کریں اور خلوصِ دل سے اللہ سے دعا کریں جیسا کہ میں کر تا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں اسلام کا راستہ دکھا کر اس پر چلنے کی توفیق عطا کر دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ((وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ)) "اور جو ہدایت کی پیروی کرے گا اُسے سلامتی نصیب ہو گی۔"[1]

میں آخر میں پوری سنجیدگی اور خلوص سے اُن تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں جو اسلام سے سچی محبت رکھتے ہیں اور حق کی تلاش کی خاطر ابھی تک احمدیت سے منسلک ہیں، کہ انھیں اب یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ احمدیت اپنے بنیادی عزائم اور مقاصد کے مطابق کسی بھی لحاظ سے اسلام نہیں ہے۔ اس کے بانی کا اس کو احمدیت کا نام دینا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک الگ مذہب ہے۔

علاوہ ازیں اپنے کچھ عقائد واعمال کے سبب بھی احمدیت اسلام سے بالکل الگ مذہب ہے۔

فضائل دعوت اور اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں؟

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر آدمی کو اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کا حق حاصل ہے (مگر اس مذہب کو کسی اور دین کے لبادے میں نہیں ہونا چاہیے۔) بے شک یہ قانون کی حاکمیت کا تقاضا اور بنیادی انسانی حق ہے۔

بہر صورت یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کو اپنے عمل کی اصابت سے آگاہ ہونا چاہیے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ احمدیت اسلام سے الگ ایک مذہب ہے۔ اس کے محکم پیروکاروں کو قرآن حکیم کے اس بیان پر غور کرنا چاہیے:

((وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ))

"اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی ہو تو اس کا دین ہر گز قابلِ قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔" [1]

مزید ارشاد ہے: ((وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا))

"کہہ دیجیے کہ حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا، یقیناً باطل نابود ہونے والا ہی ہے۔" [2] سلامتی ہو ان پر جو راہِ ہدایت پر چلتے ہیں!

درج ذیل کتب احمدیت کے مطالعہ اور موقف کی حقیقت سمجھنے اور اشاعت کے لیے تجویز کی جاتی ہیں کیونکہ ان میں مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کو جرأت اور واضح الفاظ کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے۔

ان میں حسب ذیل موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے:

☆ احمدیت کا عروج تاریخی تناظر میں

☆ قادیانیت کے فلسفے کا ارتقا

☆ غلام احمد کی زندگی اور کردار کے نمایاں پہلو تحریک احمدیت اور اس کے بانی مرزا غلام احمد کا تنقیدی مطالعہ

☆ قادیانیت کی سرگرمیوں، دعووں، اغراض و مقاصد اور احمدیت کے "الہامات" کا جائزہ

☆ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مرزائیوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں

1. Save Muslim Africa from the Clutches of the Qadianis (Ahmadis) apostasy --- a revealing booklet by Adam Muhammad Traore of Ghana.

.Islam versus Ahmadiyyah in Nigeria by Dr. Ismail A.B. Balogun .2

.Islam and Ahmedism by Dr. Muhammad Iqbal .3

.His Holiness by Phoenix .4

.Qadianism: A Critical Study by Maulana Abul Hasan Ali Nadvi .5

.Qadyaniat: An analytical study by Ehsan Elahi Zaheer .6

Qadianism on Trial (The case of Muslim Ummah against .7

.(Qadianis presented before the National Assembly of Pakistan

.The Qadiani Problem by Syed Abul-Ala Maududi .8

یہ کتابیں درج ذیل مقامات سے مل سکتی ہیں:

1۔مکتبہ دارالتصنیف، دارالتصنیف لمیٹڈ، شاہراہِ لیاقت صدر، کراچی فون نمبر: 524325

2۔ملک سراج الدین اینڈ سنز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز، کشمیری بازار، لاہور، پاکستان۔

بشکریہ (The Universal Message, Karachi) [1]

(پروفیسر ڈاکٹر اسمٰعیل اے بی بیلوگن۔شعبہء عربی واسلامیات، اِبادان یونیورسٹی، اِبادان۔نائیجیریا)

(Prof. Dr. Ismail A.B.Balogun, University of Ibadan, Ibadan, Nigeria)

اسلام مجھے کیوں پسند ہے؟

[مسٹر جان فشر(Mr.John Fisher) کے بیان " اسلام مجھے کیوں پسند ہے؟" کی تفصیلات دینے سے پہلے اُن کے قبلِ اسلام کا اقرار نامہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے:]

اقرار نامہ

میں جان فشر ولد چارلس فشر (John Fisher son of Charles Fisher) ساکن، 3 کیمبرج سٹریٹ، نیو کاسل (Cambridge St. Newcastle) بذریعہ تحریر ہذا خلوصِ قلب سے حلفاً یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنی مرضی سے اسلام کو بطور دین قبول کرتا ہوں۔

میں اللہ واحد کی عبادت کرتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو برابر احترام کا مستحق سمجھتا ہوں اور میں اللہ کی توفیق سے ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں گا۔

[لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ] دستخط (جان فشر) (John Fisher) مغربی شعور کے لیے اسلام کی سب سے دلکش خوبی اس کی سادگی ہے۔ اگرچہ ایک دو اور مذاہب میں بھی بہت آسانی ہے مگر وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین جیسی قوتِ حیات اور روحانی و اخلاقی رفعت سے خالی ہیں۔ اسلام کی معقول سادگی میں جذباتی لوگوں اور نمائشی مذہبی سرگرمیوں کے گرویدہ لوگوں کے لیے کوئی کشش نہیں پائی جاتی۔

ایسے لوگوں کو اپنی پسند کا میدانِ عمل بعض فرقوں میں دستیاب ہے جہاں آنکھوں کو بھڑکیلے رنگوں کی چکا چوند، کانوں کو سریلی کلاسیکی موسیقی اور دلوں کو پھولوں سے لدی قربان گاہیں اور جذباتی ڈرامے کیف و سُرور سے مسحور کرتے ہیں۔

(یہ سب کچھ عیسائیت کے کیتھولک فرقے میں اور کسی حد تک ہندومت میں ہوتا ہے۔) ایسی نمائشی سرگرمیاں عقلِ سلیم کو کبھی بھی متاثر نہیں کر سکتیں۔ علاوہ ازیں بعض مذہبی فرقوں میں تو عام آدمی کو مذہبی معاملات میں عقل کے استعمال کی اجازت ہی نہیں ہوتی بلکہ ذہن کو ایک ایسی زمین سمجھا جاتا ہے جس میں پادری یا پیشوا جو چاہے کاشت کردے۔

کتنا تضاد ہے ان مذاہب کی تنگ نظری اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس فرمان میں کہ "علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے"[1]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناجانتے تھے کہ انسان کے ذہن پر پابندیاں عائد کرنا کس حد تک ناروا ہے۔ اسلام کی رواداری بھی انسان کو لازماً متاثر کرتی ہے۔ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام اور رُوئے زمین پر آنے والے دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔

یہ طرزِ عمل عیسائیوں کے لیے ایک مثال ہے جو آپس میں دُشنام طرازی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ہمیں (مسلمانوں کو) بھی نشانہ بناتے رہتے ہیں۔

عیسائیت کی تنگ نظری اور عدم رواداری ہی نے مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ بچپن میں، میں نے عیسائیوں کے ایک مذہبی اجتماع میں جب اُن مقررین کی باتیں سنیں جو کچھ عرصہ ان کے بقول "خون کے پیاسے" مسلمانوں کے ساتھ رہ کر آئے تھے تو میں ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ چند سال بعد جب خوش قسمتی سے مجھے ایک مسلمان مبلغ کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا تو اسے عیسائیوں کے ایک ایسے مجمع کے سامنے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ

کرتے دیکھا جس میں بیشتر افراد اپنا مسیحی اجتماع چھوڑ کر اور اپنے عقیدہ کے مطابق، اسے کافر سمجھ کر اس کا مذاق اڑانے آئے تھے۔ اُس کی باتوں اور اُس کے طرزِ عمل نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ عیسائیت پر میرا پختہ یقین چکنا چور ہو گیا۔

کئی دفعہ میں نے کسی عیسائی مبلغ سے کوئی سوال پوچھا تو یہ جواب ملا:

"میں تمھارے سوال کا جواب نہیں دے سکتا مگر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم کسی دلیل کے بغیر میری بات مان لو۔"

اسلام عیسائیت سے کتنا مختلف ہے جس میں کوئی سوال جواب سے ماورا ہے نہ بالا تر۔ نامور جرمن شاعر گوئٹے (Goethe) نے قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد بے اختیار کہا: " اگر یہی اسلام ہے تو ہم میں سے ہر صاحبِ فکر انسان در حقیقت مسلمان ہے۔" عیسائیت کے مختلف چرچ (فرقے) آج کے دور کے مسائل سے قطعاً نہیں نمٹ سکتے۔ ان مسائل کا حل صرف اسلام ہی پیش کرتا ہے مگر مغربی دنیا کے دل و دماغ میں اسلام سے بغض اب بہت گہرا ہو چکا ہے۔

کبھی کبھی غیر متوقع ذرائع سے کوئی حوصلہ افزا خبر سُورج کی کرن بن کر آجاتی ہے، جیسے چند سال قبل جنرل سمٹس (General Smuts) کا یہ بیان کہ افریقہ میں جہاں عیسائیت کے تمام چرچ مل کر ایک آدمی کو دائرہ عیسائیت میں داخل کرتے ہیں وہاں دس لوگ داخل اسلام ہوتے ہیں۔[1] عیسائیت کی ایک ضرب المثل "سچائی بالآخر غالب آکر رہے گی" اس حوالے سے سچی ثابت ہو رہی ہے۔[2]

[جان فشر] (John Fisher)

میں نے نفسیاتی نقطۂ نظر سے اسلام قبول کیا

نفسیات ہمیں بتاتی ہے کہ جو کچھ بھی ہم کرتے، کہتے یا سوچتے ہیں اُس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے خواہ شروع میں وہ سمجھنے میں کتنی ہی مشکل کیوں نہ محسوس ہو۔ یہ دیکھ کر کہ نفسیات ہماری زندگی میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے، یہ دلیل بجا ہوگی کہ جب کوئی شخص ایک انقلابی قدم اُٹھاتا ہے جس سے اس کا طرزِ حیات اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر بدل جاتا ہے، تو اُس کی کوئی معقول اور واضح وجہ ہوتی ہے اور یہ وجہ شناخت کرنا اس کے لیے مناسب ہوتا ہے، لہٰذا میں نے اپنے اس خطاب کا عنوان یہی سوچ کر رکھا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے اور اس کی وجہ بیان کرنے اور آپ کو بتانے کے لیے کہ میں کیوں مسلمان ہوا ہوں، میں نے اپنا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔

کئی سال سے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میری زندگی میں کوئی کمی ہے جس کی ماہیت شروع میں تو واضح نہ تھی، بس یوں سمجھ لیجیے ایک خواہش تشنۂ تکمیل تھی۔ اس کی وجہ سے ایک طرح کی بے چینی سی لاحق تھی اور ایک احساس سا تھا کہ مجھے کوئی چیز چاہیے مگر وہ میری رسائی سے باہر تھی۔

میری زندگی اس شدید احساس کی گرفت میں تھی۔ میں بے چینی کا شکار تھا اور میرا مذہب مجھے کوئی تسکین فراہم نہ کر سکا۔

میں کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز کی تلاش میں مارامارا پھرتا، گویا اندھیرے میں راستہ تلاش کر رہا تھا مگر مجھے راستے کا سراغ مل سکا نہ ذہنی سکون۔

صاف ظاہر تھا کہ میں غیر معینہ مدت تک اس اضطراری اور ناآسودہ ذہنی کیفیت میں نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے میں نے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا۔ کچھ ایسے لمحات ہوتے ہیں جن میں ہم اپنی ذات سے نکل کر ایک مختلف زاویے سے اپنے آپ کا جائزہ لیتے ہیں، یہ زاویۂ نظر روحانی ہے، جب یہ روحانی جسم جو اصل انسان نہیں بلکہ ارتقا کی منازل طے کر کے اپنے داخلی روحانی عمل سے حسین اور مہذب بن گیا ہے، یہی اصل انسان ہے، اسے ایک طرف رکھ کر ایک خارجی وجود کی طرح دیکھا جاسکتا ہے، جس کے اجزاء کو موضوعی ذہن الگ الگ کر کے دیکھ سکتا ہے۔

اس طرح لمحہ بھر کی قوتِ ارادی کی اچانک بالا دستی ہی سے ہم اللہ عزوجل کو اور جو کچھ وہ ہم سے چاہتا ہے اُسے اعلیٰ ترین مذہبی اور روحانی ماہرین کے تمام تر دلائل کی نسبت بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ایک ایسے ہی مرحلے میں مجھے اپنی زندگی میں کمی کا ادراک ہوا، اور یہ روحانی غذا کی کمی تھی۔ میری روح روحانی غذا کے لیے بے تاب تھی۔ میرے خیال کے مطابق روح ہمیشہ اپنی طبعی حدود کو توڑ کر منتہائے کمال تک پہنچنے کی جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ زندگی بھر جسم اور روح کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے تاوقتیکہ روح کو برتری حاصل ہو جائے۔

اور پھر درجۂ کمال کو پہنچ کر، اندرونی خرابی کے امکانات سے آزاد ہو کر، مادی آلائشوں سے پاک ہو کر اور زمین پر اپنا قرض بے باق کر کے فنا کی حدود عبور کرتے ہوئے یہ اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس واپس چلی جاتی ہے۔

پس میں رفتہ رفتہ یہ حقیقت سمجھ گیا کہ میرے روحانی وجود کو ایک نئی تشکیل وترتیب کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا "یہ تشکیل وترتیبِ نو کیوں ضروری ہے؟ اس کا آغاز کیسے ہوگا؟ میرے مذہب (عیسائیت) نے میری روح کو مطلوبہ تشکیل وترتیب کیوں نہیں دی؟" مجھے محسوس ہوا کہ شک کے عنصر نے میرے ایمان کو دبا رکھا ہے۔

اس مذہب کے کچھ سخت نظریات اور رسوم میری عقل کے لیے قابلِ قبول نہ تھے۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا ایمان داری سے میں ان عقائد اور رسوم کو قبول کر سکتا ہوں؟ کیا میں عیسائیت کے ان عقائد کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) نازل کردہ سمجھوں؟ بعض عقائد تو میری فطری عقلِ سلیم کے لیے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہ تھے۔

میں اس حقیقت کو بدلنے کے لیے انھیں کوئی اور معنی نہ پہنا سکا کہ جب تک میں کسی شرط یا اعتراض کے بغیر اُن عقائد کو قبول نہیں کرتا (عیسائیت کے رائج الوقت نظریہ کی رُو سے) اس وقت تک میں کافر اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود و معتوب رہوں گا۔ یہاں میں یہ ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قبول اسلام سے قبل میں عیسائیت کے کیتھولک چرچ (فرقے) سے وابستہ تھا اور اس کی تعلیم یہ تھی کہ اس چرچ کے اصول اور فیصلے ہر خطا سے مبرّا ہیں، لہٰذا انھیں کسی تنقید واعتراض کے بغیر آنکھیں بند کر کے ہی قبول کرنا لازم ہے۔ اس میں "ہاں" یا "نہیں" کہنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ مذہب پر پادریوں کی مکمل اجارہ داری تھی جس پر کسی کو اعتراض کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔

چونکہ میری عقلِ سلیم اور میرے ضمیر کو پادریوں کے مسلط کردہ عقائد و تعلیمات پر دیانت داری سے عمل کرنا گوارا نہ تھا، اس لیے بظاہر اس مذہب سے وابستہ رہنا منافقت ہوتا جس کی اجازت میری روح نہیں دے سکتی تھی، لہٰذا میرے لیے اب واحد متبادل راستہ یہ تھا کہ اس مذہب سے روگردانی کرکے اپنے پسندیدہ عقائد اور نظریات کے مطابق زندگی بسر کروں۔

یہ تو ٹھیک تھا مگر جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ مجھے اپنے ایمان کے لیے کوئی بنیاد درکار ہے، تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا:

"میرے اصل عقائد اور نظریات کیا ہیں اور میں صدقِ دل سے کن پر ایمان رکھتا ہوں ؟"

☆ توحید پر ایمان :

میں ایک ایسے اللہ واحد کے وجود پر یقین رکھتا تھا جو تمام کائنات کا مالک ہے اور اس کی محبت اور طاقت کا اظہار دیدہ اور نادیدہ مخلوقات کی صورت میں ہوتا ہے۔

ایک سے زائد معبودوں کا تصور کبھی میری سمجھ میں نہ آسکا کیونکہ میرے خیال میں اس سے اللہ واحد کی عظمت اور قوت ناقص ہو جاتی ہے۔

☆براہِ راست دُعا پر ایمان :

میں اللہ تعالیٰ سے رابطے اور اُس سے کچھ مانگنے کے لیے کسی سفارش اور ثالثی کو غیر ضروری سمجھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ التجا (دعا) کسی توبہ کرنے والے دل سے آ رہی ہے یا نہیں۔ وہ حاجت کے مطابق کسی درمیانی وسیلے کے بغیر براہِ راست جواب دیتا ہے۔ اپنی نجات کے لیے کوشش مجھے خود ہی کرنی ہے۔

یوم حساب کو اپنی اچھی یا بُری زندگی کے لیے جواب دہ میں خود ہی ہوں گا۔

☆اخروی زندگی پر ایمان :

میں اکثر اپنے آپ سے یہ سوال کرتا کہ اگر ہمیں مرنے کے بعد پھر زندہ نہیں ہونا تو ہم آج کیوں اور کس مقصد کے لیے زندہ ہیں ؟ میں اس سوال کے جواب میں اس نتیجے پر پہنچا کہ موت جسمانی زندگی کا تسلسل ٹوٹنے اور روحانی زندگی کے آغاز کا نام ہے۔

اس کے بعد وہ دور شروع ہوتا ہے جس میں ہمیں اس وقت نظر نہ آنے والی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور روح پاک صاف شکل اختیار کرنے کے آخری مرحلے سے گزرے گی۔

☆اخوتِ انسانی پر میرا یقین:

میں یقین رکھتا تھا کہ ہم سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی نظر میں ہم سب برابر ہیں۔ رنگ، نسل، عقیدے یا مرتبے کے اعتبار سے اللہ نے ہمارے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا۔ زمین پر اللہ کی تدبیر کے مطابق ہم نے ایک مقررہ عرصے تک رہنا ہے اور اگر ہمیں یقین ہو کہ ہمارا خالق ہم سب سے محبت کرتا ہے تو ہمیں بھی ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہیے، یعنی اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ اُس نے ہمیں اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔

☆ انبیاء علیہ السلام پر ایمان:

میرا یہ ایمان تھا کہ مختلف ادوار میں اللہ نے اپنے منشا کے مطابق بعض بندوں پر اپنی وحی نازل کی ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے لیے انھیں منتخب اور مامور کیا ہے۔ یہ محض ایک اجمالی خاکہ ہے مگر یہ میرے عقائد کے بنیادی خدوخال ضرور واضح کرتا ہے۔

آپ پر یہ بات یقیناواضح ہوگئی ہوگی کہ مجھے ایک ایسا دین درکار تھا جو معقول، قابل عمل اور ہر قسم کے شخصی تسلط سے آزاد ہو۔

محض رسمی اور بلا دلیل دعووں یا پیشوائی قانون پر مبنی نہ ہو کہ اُسے اپنانے میں اپنے ضمیر سے ناانصافی کرنی پڑے۔

یہ دین مجھے اسلام کی صورت میں مل گیا۔ دیارِ مشرق کی سیاحت کے دوران میں اسلام کی سادگی اور اس کے پیروکاروں کے خلوص سے متاثر ہوا۔

میری پرورش عیسائیت کے مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ میرے والد نظم وضبط کی سخت پابندی کرواتے تھے۔

بعض اوقات تو مذہبی معاملات میں اُن کی سخت گیری کٹر عیسائی فرقے کے جبر کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ مجھے عیسائیت کے سوا تمام دوسرے مذاہب کو کفر اور اُن کے پیروکاروں کو کافر سمجھنا سکھایا گیا تھا، پھر ذرا غور کیجیے کہ جب میں بڑا ہو کر اپنی نظر سے دیکھنے کے قابل ہوا اور اُنھی لوگوں سے واسطہ پڑا جن کا کافر اور بت پرست ہونا مجھے سکھایا گیا تھا،[1]

تو میں نے کیا محسوس کیا ہو گا؟ اِن تمام دوسرے مذاہب کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سر فہرست ہے جسے اس کے پیروکار عیسائیوں کی طرح صرف اتوار کی صبح کو الماری سے نکالنے کے بعد شام کو بڑے احترام سے واپس الماری میں رکھ نہیں دیتے بلکہ یہ ایک ایسا دین ہے جو اپنے پیروکاروں کی زندگی کا ایک لازمی جز ہے اور اس پر ہر روز عقیدت واخلاص کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔

اس بات نے میرے ذہن پر ایک ان مٹ نقش ثبت کیا جس نے میری زندگی کی ساخت ہی تبدیل کر دی۔

اسلام میں مجھے وہ سب کچھ ملتا ہے جو مجھے اپنی سماجی، اخلاقی اور روحانی رہنمائی کے لیے درکار ہوتا ہے۔ اس دین نے مجھے ایک نئے زاویے سے دیکھنا اور ضبط و تحمل سکھایا ہے۔ اس نے میرے دل میں تمام انسانوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ بہت فعال بنادیا ہے۔

اس نے مجھے اللہ تعالیٰ کے قریب تر کر دیا ہے اور مجھے اپنی روح کو ترقی دینے اور اپنی انا کے انکار کی مؤثر ترغیب دی ہے۔

اپنے عقل وشعور کے مطابق میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر کوئی مذہب مجھے ذہنی سکون، اعلیٰ مقصدِ حیات، اچھا نصب العین اور احکام الٰہی کی پیروی کا جذبہ دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ پر وقار انداز میں، زیادہ براہ راست اور بہتر صورت میں عطا کرتا ہے، تو پھر میرے لیے بہترین ضابطۂ حیات وہی ہے، اور وہ صرف اسلام ہے۔

میرے خیال میں اس دور میں ہمیں مادیت اور عقل پرستی نے جکڑ رکھا ہے اور یہ رویہ ہماری زندگی اور ہماری فکر میں پوری طرح رَچ بس گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ہم صرف حال ہی میں قید ہیں اور اسی کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں۔

لیکن اگر ہمارا کوئی نصب العین ہے تو وہ ہمیں ہمیشہ مستعدی سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ فکر و عمل کی پاکیزگی حاصل کر سکیں۔ اسلام نے مجھے اپنے پانچ ستونوں میں سے نماز کے ذریعے سے مادیت کے سب بندھنوں کو توڑنے کا آسان اور قابل عمل طریقہ سکھا دیا ہے۔ نماز ہمیشہ مجھے اللہ عزّوجل، اپنی روح اور بنی نوعِ انسان کی طرف سے مجھ پر عائد فرائض یاد دلاتی رہتی ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد سے میں نے نماز کی پوری پابندی کی ہے، حتیٰ کہ جب دنیوی معاملات میں مشغول ہوتا ہوں تو بھی نماز وقت پر ادا کر لیتا ہوں اور مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ میں پہلے کی نسبت اپنے اللہ کے کتنا زیادہ قریب ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ یہ میرے عقائد کا محض ایک اجمالی خاکہ ہے اور میرے عقائد کی نفسیاتی اہمیت یہ ہے کہ جن اصولوں پر میرا ایمان ہے میں انھی کے مطابق سوچتا اور عمل کرتا ہوں۔

میرا عقیدہ اپنے دین کے بارے میں میرا ذہنی رویّہ ہے جو اسے میری روحانی اور عمومی رہنمائی کا اہل قرار دیتا ہے۔

پس میرے ایمان کی بنیاد اس بات پر ہے:

[لَاَ مَعْبُوْدَ اِلَّاَ اللّٰہ لَاَ مَوْجُوْدَ اِلَّاَ اللّٰہ] ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے سوا کوئی کائنات میں ہر جگہ موجود نہیں۔“ [1]

ممکن ہے میں اپنے ایمان پر مبنی نظریات اور اصولوں کا جامع خاکہ پیش نہ کر سکا ہوں کیونکہ میرے لیے اپنے افکار کی تلخیص کرنا آسان کام نہیں اور مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں کن کن امورِ دینیہ کی صحیح تفہیم و توضیح سے معذور ہوں۔

اپنے دلائل کی بنا پر مجھے یہ احساس ہے کہ اسلام کو بطور دین اپنا کر میں اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے رہا بلکہ یہ دین اپنا کر میں ابدی صداقت اور حکمت الٰہیہ کے زیادہ قریب ہو گیا ہوں۔ اللہ ہمارے اندر ایک نامعلوم طریقے سے اپنا اثر جاری وساری فرماتا ہے، لہٰذا مجھے یقین ہے کہ اس نے کوئی بات مجھ سے اوجھل نہیں رہنے دی جو میری روحانی ضرورت تھی۔[2]

[خالد ڈی لارنجر ریمراف] (Khalid D'Larnger Remraf)

اسلام تک میرا سفر میرے لیے اسلام کی اہمیت کی وجوہ اتنی زیادہ ہیں کہ اس محدود تحریر کے اندر نہیں سما سکتیں۔ بہر صورت میں چند وجوہات بیان کروں گا جن کی بنا پر مجھے یہ احساس ہوا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو میرے لیے اور آج کی تمام دنیا، بالخصوص میری نسل کے لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔

میری پرورش اور تربیت پروٹسٹنٹ عقائد کے مطابق ہوئی اور کم سنی ہی میں مجھے عیسائیت کی تعلیمات ناقص نظر آنے لگیں۔

میں نے بچپن میں بائبل کے حوالے سے کئی مقابلوں میں انعامات حاصل کیے لیکن اپنے مذہب کے بارے میں میرا علم جتنا بڑھتا گیا میں اتنا ہی اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتا گیا۔ چودہ برس کی عمر میں مجھے اپنے مذہب کی مستقل رکنیت کی رسوم سے واسطہ پڑا۔

مجھے توقع تھی کہ یہ مذہبی تقریب میرے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کر دے گی اور روح اللہ کی مدد سے میں ہر مشکل کا سامنا کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ (مجھے بتایا گیا تھا کہ جب بشپ میرے سر پر ہاتھ رکھے گا تو خدا کی روح اُس کی انگلیوں کے ذریعے سے میرے وجود میں داخل ہو جائے گی)۔

تاہم اس تقریب سے اپنے مذہب پر میرے ایمان میں اضافہ ہونے کی بجائے میرے ہر آن بڑھتے ہوئے اس یقین کو تقویت ملی کہ میرا مذہب تو محض حماقت آمیز توہمات اور مضحکہ خیز رسوم کا مجموعہ ہے۔ جب میں سکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر یونیورسٹی پہنچا تو میرا یہ شک یقین میں تبدیل ہو چکا تھا کہ جو مذہبِ عیسائیت میں نے اپنا رکھا ہے وہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میں ایک برگزیدہ انسان اور شہید تو مانتا تھا مگر انھیں الٰہ کا مرتبہ دینا مجھے سراسر نامعقول اور اُن کی اپنی تعلیمات کے برعکس لگا۔ جس مذہب کو میں رد کر چکا تھا اُس کی خامیاں تلاش کرنے میں تو مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی مگر اس کی جگہ کوئی اور معقول مذہب تلاش کرنے میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائیت تو محض تضادات اور توہمات کا مجموعہ تھی۔

عقل پرستی بھی بطورِ عقیدہ ناکافی تھی اور یوں لگا کہ کوئی ایسا معقول دین ہے ہی نہیں جو ان تمام مذاہب کی خوبیوں کا مجموعہ ہو جن کے بارے میں میں نے پڑھا یا سنا تھا۔ میں اپنے تمام طے شدہ نظریات پر مشتمل کسی مسلّمہ دین کی تلاش سے تقریباً مایوس ہو گیا اور خاصے عرصہ تک اپنے مبہم سے عقائد ہی پر قناعت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دن اتفاقاً مجھے خواجہ کمال الدین کی کتاب "Islam and Civilisation" مل گئی۔

عیسائیت کے متعصبانہ رویے کی بجائے اسلام کی فراخدلی، قرونِ وسطیٰ میں دوسرے ممالک میں رائج جہالت اور توہم پرستی کے مقابلے میں مسلمانوں کا علم اور تمدن اور آخرت کے حوالے سے مسیحی کفارے کی بجائے جزاوسزا کا منطقی نظریہ، یہ چند نکات تھے جنھوں نے پہلے پہل مجھے متاثر کیا۔ بعد میں مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ ایک ایسا دین ہے جو پوری انسانیت کا احاطہ کرتا ہے۔

غریبوں اور امیروں کو یکساں رہنمائی فراہم کرتا ہے اور رنگ و نسل اور عقیدے پر مبنی تعصبات سے پاک ہے۔ مسلم مشن (Muslim Mission) سے میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل کیں۔

ووکنگ (Woking) کی مسجد کے امام صاحب میرے تمام اعتراضات اور تنقیدی سوالات کے بہ خوشی جوابات دیتے رہے۔

ان کے دوستانہ اور دلچسپ خطوط نے اس مذہب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی۔ اسلام کی حقانیت اور تمام روحانی ضروریات کی تکمیل کر سکنے کی اہلیت دیکھ کر تقریباً ایک دو ماہ بعد ہی میں خود کو مسلمان سمجھنے لگا۔

تاہم میں نے جلد بازی کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اپنے اس نئے مذہب کے ہر پہلو پر غور وخوض کرنے کے بعد بالآخر اسے اپنا ضابطۂ حیات بنایا۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ آسانی سے ہاتھ آنے والی چیزیں آسانی سے کھو بھی جاتی ہیں۔

اسی طرح کسی غور وخوض کے بغیر اختیار کیے ہوئے عقائد آسانی سے رَد بھی کر دیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے اسلام پر ہر تنقیدی کتاب کا مطالعہ کیا ۔خاص طور پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیمات کے بارے میں مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھیں۔

جو کچھ میں نے پڑھا اس میں کئی باتیں اسلام کے خلاف تھیں۔ مگر بہتر اور غیر جانبدار مصنفین نے بالعموم اسلام کی قدر و قیمت، اس کے نظریۂ تہذیب اور بعض نے تو اس کے پیغام کی صداقت کا بھی اعتراف کیا۔ میں نے ایک پڑھے لکھے صائب الرائے دوست سے اپنے اسلامی عقائد پر بحث کر کے بھی ان عقائد کی مزید جانچ پرکھ کی۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ میرا دوست بہت سی باتوں میں میرا ہم خیال نکلا۔

دراصل غیر شعوری طور پر وہ بھی مسلمان ہی تھا۔ اُس جیسے ہزاروں لوگ ہوں گے جنھوں نے غیر ارادی طور پر اسلامی نظریات تک رسائی حاصل کی ہوگی۔ انھیں پتہ بھی نہیں ہوگا کہ یہ تو اسلامی نظریات ہیں جن کی تعلیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں پہلے دی تھی۔ پچھلے چند ماہ میں اسلام پر میرے ایمان میں اضافہ ہوا ہے اور اب مجھے پورا یقین ہے کہ مجھے آخر کار سچائی مل گئی ہے۔

اب جبکہ میرا ایک ایسا دین ہے جسے میں پوری طرح سمجھ سکتا ہوں اور اس پر عمل بھی کر سکتا ہوں تو مجھے مکمل ذہنی اطمینان ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نئے ولولے کے ساتھ اسلام کی روشنی میں زندگی کے مسائل کا سامنا کر سکتا ہوں۔ ایک حسنِ اتفاق یہ بھی ہے کہ جب سے مجھے اپنا اصلی دین نصیب ہوا ہے، میری روز مرّہ زندگی میں زیادہ خوشی اور خوش نصیبی آگئی ہے۔ میرا یہ ارادہ ہے کہ اسلام کی روشنی اُن لوگوں تک بھی پہنچاؤں جو میری طرح اپنے آبائی عقائد سے بیزار ہیں اور اس طرح اُنھیں وہ ذہنی سکون فراہم کروں جو ہمارے عظیم الشان دین کا ثمر ہے۔[1]

[ٹی ایچ میک بارکلے] (T.H.Mc C.Barklie)

میری نظر میں اسلام کا حسن کیا ہے؟

میں نے لائیڈن یونیورسٹی(University of Leiden) (ہالینڈ) سے 1919ء میں مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی اور ماہر عربیات پروفیسر سی سناؤک ہر گرونجی[2]

(Prof.C.Snouck Hurgronje) کے لیکچر سننے کا موقع ملا، پھر میں نے عربی زبان سیکھی اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "تفسیر القرآن" اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے بارے میں کتب پڑھیں اور ان کا ترجمہ کیا۔ اسلام کی تاریخ اور اسلامی اداروں کے بارے میں معلومات میں نے یورپ میں رائج الوقت معلومات ناموں(Hand books) سے حاصل کیں۔

1921ء میں، میں ایک ماہ قاہرہ میں رہا اور جامعۃ الازہر کا معلوماتی دورہ کیا۔ عربی کے علاوہ میں نے سنسکرت، ملائی اور جاپانی زبانیں بھی سیکھیں۔ 1927ء میں، میں اُس دور کے نیدرلینڈ کیجزائر (جزائر شرق الہند یعنی موجودہ انڈونیشیا) کے اعلیٰ تعلیم کے ایک خصوصی سکول میں جاپانی زبان اور ہندوستان کی ثقافتی تاریخ پڑھانے پر مامور ہوا۔ یہ سکول جوگ جکارتہ(Jog Jakarta) میں واقع تھا۔

پندرہ سال تک میں قدیم وجدید جاپانی زبانوں اور جاپانی ثقافت کے خصوصی مطالعے میں مصروف رہا اور اس عرصے میں اسلام سے کم ہی رابطہ رہا اور عربی سے میرا تعلق بالکل منقطع رہا۔ جاپان میں جنگی قیدی کی حیثیت سے ایک مشکل وقت گزارنے کے بعد میں 1946ء میں دوبارہ نیدرلینڈ (ہالینڈ) گیا اور ایمسٹرڈم(Amsterdam) کے رائل ٹراپیکل انسٹی ٹیوٹ(Royal Tropical Institute) میں مجھے نئی ملازمت مل گئی۔ یہاں جب مجھے "جاوا میں اسلام" کے بارے میں ایک مختصر معلومات نامہ مرتب کرنے پر مامور کیا گیا تو مجھے اسلام کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

اس دوران میں مجھے نئی اسلامی ریاست پاکستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شوق لاحق ہوا تو میں 1954-55ء کے موسم سرما میں پاکستان پہنچا۔ اب تک میں نے اسلام کے بارے میں معلومات یورپ کے لوگوں سے حاصل کی تھیں، مگر لاہور پہنچ کر مجھے اسلام کا ایک بالکل نیا پہلو نظر آیا۔ میں نے اپنے مسلمان دوستوں سے کہا کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجدوں میں مجھے بھی ساتھ لے جایا کریں۔

اس کے بعد میں نے مساجد میں جانا شروع کر دیا تو مجھے اسلام کی عظیم روایات کا علم حاصل ہوا۔ جب لاہور کی ایک مسجد میں مجھے لوگوں سے خطاب کی دعوت دی گئی اور پھر وہاں مجھے ان گنت نئے دوستوں اور بھائیوں سے مصافحہ کرنے کا موقع ملا تو میں نے اُسی لمحے اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا شروع کر دیا۔ پاکستانی جریدے "پاکستان کوارٹرلی"("Pakistan Quarterly", Vol.v,No:4,1955) میں، میں نے اپنے ایک مضمون میں اس واقعہ کے حوالے سے لکھا: "ہم اب نسبتاً ایک بہت چھوٹی مسجد میں گئے جہاں خطبہ ایک ایسے عالمِ دین کو دینا تھا جو روانی سے انگریزی بول سکتے تھے۔[1]

وہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک اہم منصب پر فائز تھے۔ اُنھوں نے اجتماع سے کہا: ”میں نے جان بوجھ کر خلاف معمول اپنے خطاب میں جابجا انگریزی کے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں تاکہ دور دراز ملک نیدر لینڈ سے آئے ہوئے بھائی میرا خطاب آسانی سے سمجھ سکیں۔“ خطبہ کے بعد حسبِ معمول دو رکعت نمازِ جمعہ امام صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد بقیہ نماز خاموشی سے فرداً فرداً ادا کی گئی۔ میں جانے لگا تو علامہ صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا: ”لوگوں کی خواہش ہے کہ آپ اُن سے خطاب کریں۔

میں آپ کی گفتگو کا اردو میں ترجمہ کر دوں گا۔“ میں مائیک کے سامنے کھڑا ہو گیا اور آہستہ لہجے میں اپنی بات شروع کی۔ میں نے کہا کہ میں ایک دور دراز ملک سے آیا ہوں جہاں مسلمان بہت کم ہیں۔

میں اُن سب کی طرف سے آپ سب حاضرین کو السلام علیکم کہتا ہوں۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ سات سال قبل آپ نے اپنی اسلامی ریاست قائم کر لی ہے اور چند ہی برسوں میں اس ریاست کو مستحکم بنا لیا ہے۔ ایک مشکل آغاز کے بعد آپ یقیناً ایک خوشحال مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں۔

میں نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ اپنے وطن واپس جا کر پاکستانی مسلمانوں کی مہمان نوازی اور مہربانیوں سے اپنے اہلِ وطن کو آگاہ کروں گا۔

ان الفاظ کا اُردو میں ترجمہ سن کر حیرت انگیز طور پر سیکڑوں لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔

بوڑھے، جوان، ہر ایک نے بہت پیار سے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے اسلام قبول کرنے پر مبارک باد دی۔ میں اُن کا یہ بے ساختہ اظہارِ محبت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خصوصاً اُن کی آنکھوں میں پیار کی وہ چمک تو مجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ اسلام کے عظیم رشتۂ اخوت سے میں بھی جڑ گیا ہوں جو عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اور اس پر میں ناقابل بیان حد تک خوش ہوا۔“

پاکستان کے لوگوں نے مجھے اسلام کے سمجھنے میں مدد دی اور میں جان گیا کہ دین اسلام قانونِ شریعت کی تفصیلات و جزئیات سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہ کہ اخلاقی اقدار پر ایمان اوّلیت رکھتا ہے اور اس دین کو سمجھنے کے لیے ان اقدار کا پہلے سے علم ہونا ضروری ہے۔

اسلام میں مجھے کیا خوبی نظر آئی اور خصوصاً کس چیز نے مجھے یہ عقیدہ اپنانے پر مائل کیا، میں مختصر طور پر صرف چھ نکات میں ذکر کیے دیتا ہوں:

☆ ایک عظیم و برتر اور بے مثال ذات کا اعتقاد جس پر ہر ذی شعور مخلوق کے لیے ایمان رکھنا آسان ہے اور وہ اللہ عزوجل ہی کی ذات ہے جس کے سب محتاج ہیں، اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا ہمسر کوئی نہیں ہے۔ وہ تمام حکمتوں کا منبع، تمام قوتوں کا مالک اور تمام اعلیٰ صفات سے متصف ہے اور اس کے رحم و کرم کی کوئی انتہا نہیں۔

☆ اس وسیع کائنات کی مخلوقات جن میں سے انسان کو برتری حاصل ہے، ان کا اپنے خالق کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ ایک مومن کو کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ اسلام پاپائیت کی تعلیم دیتا ہے۔

دین اسلام میں انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی نوعیت کا انحصار خود انسان پر ہے۔ اس زندگی میں انسان کو عاقبت کی جزاو سزا کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہے جن کا کسی معصوم انسان کی قربانی سے مداوا نہیں ہو سکتا۔

کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

☆ اسلام کی رواداری کا اصول بڑے واضح انداز سے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

{لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ } "دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں "(البقرۃ:2/256) ہر مسلمان سے اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ حق و صداقت کی تلاش میں جدوجہد کرتا رہے اور جہاں بھی حق بات ملے اسے قبول کرلے۔ یہ حق وصداقت دوسرے مذاہب میں ہو تو بھی قبول کرے۔

☆ اسلام کا نظریۂ اخوت رنگ ونسل اور عقیدے کے امتیاز کے بغیر پوری انسانیت کو محیط ہے۔

صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جو عملی طور پر یہ اصول تسلیم کرانے میں کامیاب رہا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں وہ سب اسلام کے اصول اخوت کی رو سے بھائی بھائی ہیں۔

اللہ عزّوجل کے حضور تمام مسلمانوں میں عملی مساوات کا اظہار حج کے موقع پر احرام کی حالت میں ہوتا ہے جب گورے کالے سب ایک میدان میں ایک ہی لباس میں جمع نظر آتے ہیں۔

☆ اسلام مادے اور عقل دونوں کو مستقل قدریں گردانتا ہے۔

انسانی عقل وشعور کی افزائش لابدی طور پر جسمانی ضروریات سے منسلک ہے اور انسان کا طرز عمل ایسا ہو کہ عقل مادی معاملات کو کنٹرول کرے اور اُن پر عقل کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔

☆ اسلام نے بہت پہلے شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کو ممنوع قرار دے دیا۔ صرف اس اصول کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اپنے وقت سے کہیں آگے ہے۔[1]

[آر ایل میلما[2]، ماہر بشریات، مصنف و محقق-ہالینڈ]

(R.L.Mellema, Anthropologist, writer and scholar- Holland)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسلامک ریویو کے قارئین کے لیے اپنے قبول اسلام کے اسباب لکھتے ہوئے مجھے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ یہ اسباب بہت زیادہ اور متنوع ہیں۔ بہر حال میں اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کروں گا اس توقع کے ساتھ کہ میری تحریر کی فنی خامیوں کو آپ نظر انداز فرمادیں گے۔

میں جوانی کے ابتدائی دور میں قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کے عیسائیوں کے ہاتھوں ان کے اپنے ہم مذہب "بھائیوں" پر ڈھائے گئے خوفناک مظالم کی تاریخ پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ خاص طور پر دفتر مقدس(Holy office) اور اس کی تفتیش(Inquisition) کی تفصیلات بہت المناک تھیں۔

اس کی ہدایات کے تحت اللہ تعالیٰ کے زمینی خلیفہ (انسان) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا، زندہ جلا دیا جاتا یا کوڑے مار مار کر اس کی شکل وصورت مسخ کر دی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر عیسائیوں کے ان سنگین جرائم کی داستان کا ہولناک تاثر کبھی ختم نہ ہوگا۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور ان کے پیروکاروں کے عمل میں خوفناک تضاد کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے جو دنیا کو ہمیشہ یہ یاد دلاتا رہے گا کہ جس رحم دل نبی علیہ السلام نے یہ کہا تھا: "رحم دل لوگوں پر اللہ کی رحمت" اس کے پیروکار اگر ایک بار پھر برسر اقتدار آگئے تو وہ انسانیت کے ساتھ دوبارہ وہی سفاکانہ سلوک کریں گے۔ وقت گزرتا گیا اور میں عیسائیوں کی سرگرمیوں کو مختلف مواقع پر بہت قریب سے دیکھتا رہا۔ بے شک میں عیسائی کلیسا کے اہم نظریات کو قبول نہ کر سکا کیونکہ یہ واضح طور پر بت پرست کفار کے باقی ماندہ نظریات کے مانند تھے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور نظریہ کفارہ پر میرا ایمان برقرار رہا کیونکہ مجھ جیسے بے عمل انسان کے لیے نظریہ کفارہ بہت حوصلہ افزا تھا۔

میں رائج نظریے کی پیروی میں زمانۂ وسطیٰ کے عیسائیوں کے ظلم وستم کو بھی محض ماحول کی خرابی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھ کر زیادہ پریشان نہ ہوا، حتیٰ کہ مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ ماضی قریب تک عیسائی کلیسا ایک طرف تو اپنے ذرائع سے غلامی کے خاتمے کے خلاف پورا زور لگا رہا تھا اور دوسری طرف بچوں سے جبری مشقت لینے کا حامی تھا۔

عیسائیت کے 1900 سال مکمل ہونے پر انگلینڈ کی عظیم الشان ریاست کا تاریخ کے آئینے میں کیسا عبرت ناک منظر دکھائی دیتا ہے کہ محض کم سن بچوں کو صبح سویرے جبراً کارخانوں میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کے کمزور چہروں پر خوفزدہ آنکھیں ابھی تک پوری کھلی بھی نہیں ہوتی تھیں۔

ان کے جسم کے نازک حصوں پر گزشتہ روز کی مارپیٹ کے نشانات ابھی موجود ہوتے تھے۔ پھٹے ہوئے لباس میں سے جسم کے مختلف حصوں پر نیل کے نشانات، خراشیں اور زخم صاف نظر آتے تھے اور اپنے مسیحی آقاؤں کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خوف ان کی نیم مردہ روحوں میں کسی گھناؤنے درندے کی طرح چھپا ہوتا تھا۔ گزشتہ زمانے پر نظر ڈال کر ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ عیسائیت نے انسان کی ذہنی ترقی کی طرف پیش رفت پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ پہلے عیسائی رومن بادشاہ[1]

نے دستور غلامی کے بارے میں ان تمام اصلاحات کو ختم کر دیا جو سلطنت روم میں عظیم مفکر سینیکا(Seneca) کی تعلیمات کے باعث رائج ہوئی تھیں ، پھر چوتھی صدی عیسوی سے 1860ء تک عیسائی سلطنتوں کے اندر جو ظالمانہ دستور غلامی رائج رہا، اس کی داستان لرزہ خیز ہے۔

جس طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے پیروکار اُن کی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں اسے دیکھ کر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزّوجل کے (نعوذ باللہ) سب سے بڑے دشمن ہونے کا تصور اُبھرتا ہے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ سراسر خیر اور انسانوں کے لیے رحیم و کریم ہے اور عیسائیت کے ہاتھوں انسانیت کو جو نقصان پہنچ چکا ہے وہ بھی ہم بخوبی جانتے ہیں اور آیندہ بھی اس سے کسی نفع کا امکان نظر نہیں آتا۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام عیسائی برے ہیں بلکہ اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر اچھے ہیں اور ان کے دل میں بنی نوعِ انسان سے بھلائی کا جذبہ موجود ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ عیسائیت کا فلسفہ اور اصول نہایت مبہم اور اتنے لچکدار اور کمزور ہیں کہ یہ کسی دیرپا خیر اور بھلائی کا باعث نہیں بن سکتے۔ عیسائیت کے درست اور غلط کے تصور میں بھی ابہام موجود ہے اور عیسائی دور میں بار بار غیر محتاط لوگوں نے اس ابہام سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد حاصل کیے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی معاشرے کے غالب طبقہ یعنی پادریوں میں ایسے مشکوک لوگوں کی بھرمار ہے جن کی بدکرداری نے معاشرے کو اخلاقی و روحانی انحطاط سے دوچار کر دیا ہے۔

اس صورت حال کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ دنیائے عیسائیت ان پادریوں کے صدیوں کے غلبے کی وجہ سے ان کی غلامی میں گرفتار ہو چکی ہے جس پر تنقید واجب تعزیر ہے، جبکہ مطلق العنان پاپائیت کو اس سے تقویت ملتی ہے۔ طویل اور محتاط غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عیسائیت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ روز بروز ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو دین عیسائیت کو ایک بے ہودہ مذاق سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کے اجتماعات کی حاضری روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ کچھ لوگ اب بھی اپنے اس دین پر قائم ہیں مگر ان کی وفاداری معقولیت کی بجائے تعصبات اور رواج پر مبنی ہے۔ یہ معقول سائنسی بنیاد سے قطعاً عاری ہے جبکہ جذباتی ایمان عقل سے ماورا ہوتا ہے۔

ہم مخصوص مفادات کے متلاشی پادریوں سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھ سکتے کہ وہ اپنی بھاری بھرکم تنخواہیں کسی مزاحمت کے بغیر چھوڑ دیں گے۔ کئی سالوں سے جاہلانہ جذباتیت (جس کے پادری داعی ہیں) اور عقل و شعور میں ایک جنگ جاری ہے۔

اس میں عقل و شعور اور انسانیت کی فتح نوشتۂ دیوار ہے۔ اب تو عیسائی فرقوں کے سربراہ بھی عیسائیت کی جھوٹی بنیادوں کو تسلیم کر رہے ہیں۔ روم کے گرجا سینٹ پال (St.Paul) کے ڈین (سربراہ) نے حال ہی میں کہا ہے: "یہ بات روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ عیسائی چرچ اپنی موجودہ حالت میں اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتا۔" اور "ماڈرن چرچ مین" (Modern Churchman) نامی جریدے کے مدیر ڈاکٹر میجر (Dr.Major) کہتے ہیں:

"روایتی عیسائیوں کے لیے عقیدے کے مسائل بہت سادہ ہیں جو بائبل یا چرچ یا دونوں کو ہر نقص سے پاک سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ بائبل یا اہل کلیسا کیا کہتے ہیں اور وہ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن روشن خیال اور کشادہ ذہن والے جب بائبل اور کلیسا کی تعلیمات کا مکمل اور ٹھوک بجا کر جائزہ لیتے ہیں تو ان کے عقیدے کی راہ میں ناقابل عبور مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔

ادبی تنقید اور تاریخی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کئی معاملات میں انجیل کے بیانات آپس میں متصادم ہیں اور اسی طرح چرچ کے علماء، پادریوں اور کونسلوں میں بھی اختلافات اور تضادات پائے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں سائنسی علم میں ترقی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی صورتوں میں جہاں یہ پادری آپس میں اختلاف نہیں رکھتے، وہاں بھی یہ غلطی پر ہیں۔

مختصر یہ کہ آج کے انسان کی نظر میں بائبل یا کلیسا کا خطا سے مبرا ہونا ایک ناممکن امر بن چکا ہے۔"

اسلام میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں کوئی اصول اور ضابطہ غیر یقینی یا مبہم نہیں، کوئی بات سائنسی معیار سے غلط نہیں، اسی طرح حکم شریعت اور عمل میں بھی کوئی خوفناک تضاد نہیں۔

نظریات وعقائد میں کوئی تصادم نہیں اور لوگوں کو ایک اللہ عزوجل کی عبادت کے راستے سے گمراہ کرنے والا کوئی پادری طبقہ نہیں۔

اسلام صدیوں سے مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔

یہ زندگی کے پُرشور طوفانی سمندر میں خالص ایمان کی چٹان بن کر اذیت سے دوچار انسانی روحوں کے لیے ایک خداداد پُرامن پناہ گاہ ہے۔ یہ پریشان حال اور بے خانماں لوگوں کا سہارا ہے، ناامیدوں کی امید اور تاریکی میں رہنے والوں کے لیے ایک رہنما روشنی ہے۔[1]

[محمد عبداللہ وارن] (Muhammad Abdullah Warren)

اہل مغرب اسلام کیوں قبول کرتے ہیں؟

[برادر محمد امان ہوبوہم (Muhammad Aman Hobohum) جرمن قوم کے فرد ہیں۔ کسی زمانے میں انھوں نے سفارت کاری کے شعبے میں کام کیا۔ سماجی مصلح ہونے کی بنا پر انھوں نے مشنری کام میں شمولیت اختیار کرلی۔

جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کا راستہ دکھایا تو ان کے احساسات اور جذبۂ طمانیت عظیم دین اسلام سے ہم آہنگ ہوگئے۔ آپ نے دوسرے مذاہب اور سماجی نظریات اور اسلام کا تقابلی جائزہ لیا۔ ان کے تجربات نے انھیں اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرنے میں مدد دی اور اس دینِ نجات کے فوائد سے روشناس کرایا۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والے خالص ایمان کے جذبات ان کی اس تحریر میں صاف جھلکتے نظر آتے ہیں۔

(مدیر)] اہلِ مغرب کے قبول اسلام کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے چند وجوہ درج ذیل ہیں: سچ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اسلام کے اصول حقیقتاً اس قدر انسان دوست، فطری اور پر کشش ہیں کہ وہ سچ کے متلاشی کو بہت متاثر کرتے ہیں، مثلاً اصول توحید کو لیجیے!

توحید پر ایمان انسان کو وقار بخش کر اسے توہمات کی قید سے آزاد کراتا ہے۔ یہ بنی نوعِ انسان کو ایک اللہ کی مخلوق کے طور پر برابر قرار دیتا ہے اور ان سب کو ایک ہی اللہ کے بندے شمار کرتا ہے اور اسی اکیلے پر ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔

ایمان انسان کو عمل کی تحریک دیتا ہے اور اسے خوف سے ناآشنا جرأت عطا کر کے تحفظ کا احساس دیتا ہے۔ ایسا تحفظ جس کے بعد اسے کسی اور تحفظ کی ضرورت نہیں رہتی۔ زندگی کے نصب العین اور معیار مقرر کرنے میں آخرت پر یقین بہت موثر ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی زندگی بذاتِ خود مقصود نہیں اور انسان کی اُخروی فلاح کا دارومدار اعمال پر ہے۔ علاوہ ازیں یوم حساب پر ایمان انسان کو برائیوں سے دور رکھ کر نیکیوں کی ترغیب دیتا ہے اور روزِ قیامت انسان کے لیے جہنم کی آگ سے حفاظت کا ضامن ہے۔

عادل و قادرِ مطلق اللہ کے حضور پیش ہونے کا یقین انسان کو گناہ سے بار بار روکتا ہے۔ اللہ عزوجل کا یہ خوف دنیا میں گناہوں سے بچنے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اور موثر ڈھال ہے۔ اہل مغرب کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے والی ایک اور بات رواداری کا اصول ہے۔ علاوہ ازیں روزانہ نماز انسان کو وقت کا پابند بناتی ہے اور پھر ماہ رمضان انسان کو ضبطِ نفس سکھا کر اسے اپنے جذبات اور حواس کو قابو میں رکھنا سکھاتا ہے۔

ایک عظیم اور صاحب علم انسان وقت کا پابند اور ضبط نفس کا عادی ہوتا ہے۔

اسلام کی سب سے بڑی کامیابی، جبر اور خارجی دباؤ کے بغیر انسان کو بااخلاق اور شائستہ بنا دینا ہے۔ مسلمان خواہ کیسا بھی ہو اسے اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قول وفعل کا جواب دہ ہو گا۔ اس قسم کا احساس اسے گناہوں سے دور رکھتا ہے۔

ہر انسان فطری طور پر نیکی کا رجحان تو رکھتا ہی ہے، اسلام اس رجحان کو بروئے کار لا کر اسے ذہنی اور قلبی سکون عطا کرتا ہے۔ آج کے دور کا مغربی معاشرہ سب سے زیادہ اسی نعمت سے محروم ہے۔

میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے مختلف طرز زندگی گہری نظر سے دیکھے ہیں اور جس حتمی نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام بلاشبہ سب سے مکمل دین ہے۔ کمیونزم میں کچھ فریب کے پہلو پائے جاتے ہیں جن سے سادہ لوح لوگ متاثر ہو جاتے ہیں، جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے اپنے پرستار ہیں۔ کوئی اور دین زندگی کو اتنا باوقار اور مکمل قرار نہیں دیتا جتنا کہ اسلام، اس لیے اہل فکر وشعور خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اسلام محض ایک فرضی یا خیالی دین نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد قابل عمل اصولوں اور عقائد پر ہے۔

اسلام میں فرقوں اور گروہ بندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام تو اللہ کی مرضی کی مکمل اطاعت ہے۔[1]

[محمد امان ہوبوہم، جرمنی] (Muhammad Aman Hobohum, Germany)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

"سچ کی تلاش نے عیسائیت پر نزع کا عالم طاری کر دیا۔" 27 اکتوبر 1993ء کو آکسفورڈ سنٹر برائے اسلامک سٹڈیز میں ایک فکر انگیز خطاب میں پرنس آف ویلز(Prince of Wales) شہزادہ چارلس(Charles) نے 17ویں صدی کے معروف شاعر اور حمد نگار جارج ہربرٹ

(George Herbert) کے یہ اشعار پڑھے:

,A man that looks on glass

:On it may stay his eyes

,Or if he pleaseth through it pass

,And Then the Heaven espy

"جو انسان شیشے کو دیکھتا ہے اس کی نظر اس پر رک جاتی ہے اور اگر وہ چاہے تو اس کی نظر اس سے پار نکل کر آسمان کا بھی سراغ لگا سکتی ہے۔" شہزادہ چارلس نے یہ اشعار یہ بات واضح کرنے کے لیے پڑھے کہ انسان کو چیزوں کی ظاہری صورت دیکھ کر نتائج اخذ نہیں کرنے چاہئیں بلکہ گہرائی میں جا کر ان کی حقیقت تک رسائی حاصل کر لینی چاہیے۔ شہزادہ چارلس کا موضوع سخن یہ تھا کہ مغربی ذرائع ابلاغ میں اسلام کی حقیقت کو سمجھے بغیر اسلام کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔

☆ابتدائی تربیت: میں زمانۂ طالب علمی سے سچائی کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا۔

میں نے بہت دکھ اٹھائے مگر صبر و تحمل سے کام لیا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ مشکلات ہمیشہ نہیں رہتیں اور جلد مجھے اپنی منزل مقصود مل جائے گی۔

قبول اسلام سے قبل میں ہر طرح کی برائیوں کا آسانی سے نشانہ بن جاتا تھا لیکن جیسے ہی میں نے اسلام قبول کر لیا مجھے یقین آ گیا کہ مجھے وہ سچائی مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔

میں نے راہ ہدایت دکھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے:

((وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ))

"جسے اللہ نے ہدایت دے دی اسے سیدھا راستہ نصیب ہو گیا اور جسے اس نے گمراہی میں چھوڑ دیا اسے اس کے سوا کوئی محافظ نہیں ملے گا۔" [1]

میں فلپائن کے ایک غریب عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اگرچہ میرے والد پروٹسٹنٹ اور میری والدہ رومن کیتھولک تھیں مگر مجھے رومن کیتھولک چرچ میں بپتسمہ دلایا گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر کوئی حیرت نہ ہوئی کہ میرے والد میری والدہ کا کتنا لحاظ رکھتے تھے۔

والد چونکہ گھر کے سربراہ تھے، لہٰذا ہماری پرورش پروٹسٹنٹ طریقے پر ہوئی۔ ہمارا ایک مذہبی گھرانہ تھا۔ شہر کے چرچ میں ہر اتوار کو عبادت کے لیے باقاعدہ حاضری دیتے تھے اور میں سنڈے بائبل سکول (Sunday Bible School) میں ہر اتوار کو بائبل کی تعلیم بھی حاصل کرتا تھا۔ رومن کیتھولک کی طرح پروٹسٹنٹ بھی تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں مگر خدا تین نہیں، ایک ہی ہو سکتا ہے۔ جب اس پر اسرار عقیدہ تثلیث کے بارے میں سوال پوچھے جاتے تو پادری ہمیں بڑے آرام سے کہہ دیتا کہ اس عقیدے میں سوالات کی گنجائش نہیں، آنکھیں بند کر کے ہی ایمان لانا پڑتا ہے۔ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسّم خدا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی بھی تعلیم دی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیک وقت خدا اور انسان ہیں جن کے ذریعے سے ہم خدا سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

☆ خاندان کی تبدیلیٔ مذہب: میں نے ہائی سکول کی تعلیم مکمل کر لی تو ہمارے ہاں "خدا کے گواہ" (Jehovah's Witnesses) فرقے کے کچھ لوگ آئے۔ اُن لوگوں نے ہمارے ہر فرقے (رومن کیتھولک، پروٹسٹنٹ، سبتی وغیرہ) کے بزرگوں سے گفتگو کی اور یہ مذاکرات تقریباً ایک سال جاری رہے۔ آخر میں نے اور میرے تمام خاندان نے ان لوگوں کا مذہب قبول کر لیا۔ اسرارِ تثلیث کے حوالے سے کچھ سوالات کے جواب ہمیں مل گئے کیونکہ ہمارے نئے مذہب نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ خدا صرف ایک ہی ہے اور اس کا نام 'جیہووا' (Jehovah) ہے۔

روح القدس کوئی الگ خدا نہیں بلکہ ایک خدائی قوت ہے جو اس نے کچھ لوگوں کو عطا کی ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں بلکہ ان کا مقام خدا سے نیچے اور انسانوں سے اعلیٰ ہے، دراصل وہ خدا اور انسان کے درمیان ایک رابطہ کار ہیں۔ تاہم اس فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسائیت کے تمام فرقوں کے عقائد سوائے تثلیث کے حق پر مبنی ہیں۔ گویا میری سچ کی تلاش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کیونکہ ابھی کئی ایسے سوالات تھے جن کے جواب دیتے ہوئے عیسائیت پر نزع کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

میرا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ عدل کا سرچشمہ ہے، اس لیے اس نے بہت حکمت سے اپنی ذات کا انکشاف کیا ہو گا۔ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، اس لیے اس کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی طرف سے تمام انسانوں کے فرائض اور ذمہ داریاں برابر ہوں، جنھیں ہر انسان اپنے شعور اور حالات کے مطابق پورا کرنے کا پابند ہو۔ اگر اللہ کا نازل کردہ پیغام سمجھ سے بالاتر ہو اور انسانوں کے ذریعے سے تشریح کا محتاج ہو تو پھر یہ پیغام ناقص ٹھہرتا ہے، کیونکہ انسان سے خطا تو بہر صورت ہو ہی جاتی ہے، اسی لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ پیغامات کے لغوی معنوں میں کسی قسم کا ردوبدل نہ کرے کیونکہ اس کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا کیونکہ اللہ مبہم کلام نازل نہیں فرماتا۔

☆اسلام سے وابستگی: 1984ء میں سعودی عرب کی تعمیراتی فرم" تہامہ کنٹریکٹ کمپنی لمیٹڈ ریاض" نے مجھے بطور ایڈمنسٹریٹو خدمات پر مامور کیا۔ چند ماہ بعد میرے کچھ رفقائے کار نے مجھے اسلام سے متعارف کروایا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک سوڈانی رفیق کار عواض حسن ابراہیم نے مجھ سے کہا: "مسٹر کیو(Mr.Cave)! آپ ایک اچھے انسان ہیں، آپ اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ آپ کو اس سے یقیناً فائدہ ہو گا۔"

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر انھوں نے مجھے اسلام کی تعلیم دی۔ کچھ لوگ ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ ریاض(WAMY) سے میرے لیے اسلامی لٹریچر لے آئے، جہاں میں اس وقت ملازمت کر رہا ہوں۔ ان کے علاوہ میں اپنی تعلیم اسلام کے سلسلے میں ٹیلی ویژن کا پروگرام "ISLAM IN FOCUS" بھی دیکھنے لگا جو ڈاکٹر جمال بیضاوی پیش کرتے تھے۔

اس پروگرام میں ڈاکٹر بیضاوی عیسائیت کے کچھ ایسے نظریات کی نامعقولیت پر بحث کرتے تھے جن سے میں آشنا تھا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا پس منظر ایک ہی جیسا ہے۔ تینوں مذاہب توحید کا پرچار کرتے ہیں، اللہ کو قادر مطلق اور حاضر و موجود سمجھتے ہیں۔ تینوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت یعقوب اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اپنا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچایا۔ زمین و آسمان کی تخلیق ربّانی کو بھی تینوں مذاہب مانتے ہیں۔

ملائکہ، شیطان اور یوم حساب کا وجود بھی تینوں تسلیم کرتے ہیں، اور یوم حساب کی سزا و جزا پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ عیسائیت اور اسلام دونوں میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت سے بن باپ کے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اُنھیں انجیل عطا کی گئی اور ان کے ہاتھوں کئی معجزات رونما ہوئے۔ تاہم عیسائیت اور اسلام کے درمیان ایک چیز باعث نزاع ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور مسلمان انھیں صرف ایک نبی تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی نظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا اللہ واحد کی توہین اور صریحاً کفر ہے۔ متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا: "اور یہ دائمی زندگی ہے کہ وہ تجھ ہی کو واحد سچا رب مانیں اور عیسیٰ کو تیرا بھیجا ہوا (نبی) مانیں۔"[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرستادہ ہونے کا اقرار کر کے خود کو الوہیت سے بالکل الگ کر دیا۔

انجیل کا یہ حصہ قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ہے:

((وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ))

"اور ان کے پیچھے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے انھیں انجیل عطا کی جس میں نور اور ہدایت تھی۔"[2]

☆قبلِ اسلام :

اسلام کے بارے میں مطالعہ کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ اسلام خالص ترین شکل میں توحید سکھاتا ہے۔ اللہ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ وہ خالق ہے، محبت کرنے والا، سہارا دینے والا اور تمام کائنات کا حاکم مطلق ہے۔

ہماری تمام تر پر خلوص عبادت اور احترام کا وہی مستحق ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں پائی جانے والی صفاتِ عالیہ کا وہی اکیلا مالک ہے۔

مخلوق میں سے کسی کو ان صفات کا دعوے دار نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا یا الہ سمجھنا توحید کے منافی ہے۔

اسلام نے مجھے واقعی سچائی کی روشنی دی ہے، درست عقیدہ عطا کیا ہے اور خالق کی طرف لے جانے والا صحیح راستہ دکھایا ہے۔ تقریباً9 ماہ تک اسلام کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد مجھے کسی مضائقہ کے بغیر اسلام کی مکمل صداقت کا یقین ہو گیا اور میں نے 3 جون 1985ء کو اسلام قبول کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھے اسلام قبول کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان باشعور مخلوق ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ نہ صرف حق کو تسلیم کرے بلکہ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر حال میں حق کا اعلان کرے اور اس کا دفاع کرے۔

حق کو نظر انداز کرنا ڈھٹائی، خواہشاتِ نفس کی پیروی، شرمناک فعل اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ اپنے خالق سے بغاوت اور غداری ہے جس نے ہمیں وجود بخشا۔ اگر وہ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا ارادہ کرتا تو کسی بھی لمحے ہمیں ملیامیٹ کر سکتا تھا مگر اس نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک مخصوص مقصد کے لیے پیدا کیا (لہٰذا وہ اس مقصد کے حصول سے پہلے انسانیت کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔)

اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ہمارے مقصدِ تخلیق کی نشان دہی کر دی ہے:

((وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ))

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔" [1]

تخلیق کائنات کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ((وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ)) "اور دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا ہے۔" [2]

اللہ تعالیٰ کے مد نظر ایک سنجیدہ مقصد ہے جسے ہم اپنی ناقص عقل کے مطابق یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ہر مخلوق کو افزائش اور ترقی کے ذریعے سے اپنے مقصد اولیٰ (خالق) تک پہنچنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ وہی ہر طاقت اور خوبی کا سرچشمہ ہے۔

ہماری ترقی کا انحصار اس کی مرضی پر چلنے میں ہے۔ یہی اس کی عبادت ہے جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں مگر ہمیں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں، میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ پیش کرتا ہوں جس میں آپ نے فرمایا: "انسان کو اللہ نے عقل سے بہتر کوئی اور نعمت نہیں دی۔" [1]

ذیل میں جناب محمد امین سی کیو کے ایک انٹرویو سے اُن سوالات کے جوابات ملاحظہ کیجیے جو ان کے سامنے اٹھائے گئے: سوال۔ قبول اسلام سے پہلے اور بعد کے احساسات بیان فرمایئے؟ جواب۔ تعمیل ارشاد سے قبل میں یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ ایک پکا پروٹسٹنٹ عیسائی ہونے کے باعث میں مسلسل مطالعے اور تحقیق سے حق کی تلاش میں لگا رہا۔ جوں جوں میری تحقیق آگے بڑھی، مجھے اپنے عقیدے میں ایسی ایسی خامیاں نظر آنے لگیں کہ میں نے "جیہووا (اللہ) کے گواہ" (Jehovah's Witnesses) [2] نامی فرقے کا مذہب اختیار کر لیا، تاہم ابھی کچھ ایسے تضادات باقی تھے جو عیسائیت کو غلط ثابت کرتے تھے۔ عیسائیت کے نظریات کے واجب العمل ہونے میں بھی بہت تنگ نظری اور کوتاہ بینی تھی، لہٰذا ان کی درستی مشکوک تھی۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان واسطہ نہیں مان سکتا تھا کیونکہ واسطہ کی ضرورت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کی تردید کرتی ہے جبکہ وہ قادر مطلق اور علیم ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ میرا عیسائیت پر ایمان ختم ہونے لگا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ تمام مسائل حل ہو گئے جو میرے لیے پریشانی کا سبب تھے۔

توحید پر ایمان سے اللہ واحد کی الوہیت اور حقیقت کے بارے میں میرے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہو گیا۔ الحمدللہ اس حتمی صداقت کا ادراک مجھے حاصل ہو چکا ہے کہ اللہ کے سوا معبودِ حقیقی کوئی نہیں، وہ خالق ہے، مخلوق سے محبت کرتا ہے اور تمام جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریکِ کار نہیں ہے۔ سوال۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟ جواب۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے مناسب رہنمائی سے محروم نہیں رکھا گیا، لہٰذا اسلام ایک مکمل اور جامع ضابطۂ حیات ہے جو تمام انسانی مساعی کا احاطہ کرتا ہے۔

لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے حوالے سے قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے:

((ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ)) "(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کی مدد سے اللہ کی طرف بلایئے اور ان کے ساتھ بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔ بے شک تمھارا اللہ اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔" [1]

انسان ایک پیچیدہ وجود ہے جسے نہ صرف بہت سی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں بلکہ نہایت لطیف جذبات واحساسات سے بھی نوازا گیا ہے جن کی بدولت اسے تہذیب اور شائستگی حاصل ہوئی۔ ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے انسان کو دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں: اول حکمت اور دوم اچھی نصیحت۔" حکمت سے ان کی مراد ان تعصبات کو سمجھنا ہے جو اسلام کے خلاف غیر مسلموں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی ذہنی استعداد اور حالات کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ دعوت کا دارومدار ان لوگوں کو سمجھنے پر ہے جنھیں ہم دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ان کے تمدن، نظریات، مسائل، توقعات اور خواہشات کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمدن کے اختلافات بہر صورت پائے جاتے ہیں اور لوگوں کے مختلف تہذیبوں کے بارے میں نقطۂ نظر کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اچھی نصیحت سے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ لوگوں کو صرف عقلی دلائل ہی سے قائل کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ لطیف انسانی جذبات کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

صرف لوگوں کے عقائد کی خامیاں نہ بتائی جائیں بلکہ ان عقائد کا پرچار کرنے اور ان پر عمل کرنے کے نقصانات بھی بتائے جائیں۔ داعی کا کام لوگوں کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کرنا بھی ہے اور انھیں موجودہ مسائل کا مناسب حل بتانا بھی ہے۔ اس کے علاوہ داعی کو غیر ضروری دلائل سے گریز بھی لازم ہے۔ گفتگو شائستہ اور باوقار ہو اور مزاج میں نرمی اور شائستگی پائی جائے۔ سوالات کے جوابات کھرے کھرے اور باوقار ہونے چاہئیں تاکہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کے لیے ایک اور اچھا طریقہ کار مقامی زبانوں اور لب ولہجہ پر عبور حاصل کرنا ہے۔ اس طرح داعی جن لوگوں سے مخاطب ہوں گے وہ ان کی بات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور دعوت زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں ہر داعی کے لیے دین کا مکمل علم ہونا ضروری ہے۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ انسان ایسی چیز کی تبلیغ نہیں کر سکتا جس کا اسے علم ہی نہ ہو۔ دعوت کی کامیابی کے دوسرے پہلو خلوص نیت اور استقامت ہیں۔ داعیوں کو اچھی مثالیں قائم کرنی چاہئیں کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ "لفظوں کی نسبت عمل کی آواز زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔"

ان باتوں کے علاوہ انسان کو دعوت کے کام پر زیادہ محنت کرنی چاہیے اور ایک فرض شناس مسلمان ہونا چاہیے۔ ہمیں جدید ذہن کے عیسائی مبلغین سے سبق سیکھ کر ان کی تبلیغی کوششوں کی روک تھام کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعمیرِ مساجد کی طرف دھیان دینا چاہیے۔ ہمیں نوجوان نسل پر بھی پوری توجہ دینی چاہیے۔ ان کے لیے ہر سطح پر اسلامی تعلیم کے ادارے بنائے جائیں۔

شفاخانے، ہسپتال، یتیم خانے، امدادی ادارے وغیرہ قائم کر کے سماجی خدمات بھی سرانجام دینی چاہئیں تاکہ معاشرے میں اسلامی ماحول قائم ہو اور اسلام کے وجود کا بھرپور احساس پیدا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے رہنما کی حیثیت سے دعوت کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں، بالخصوص جب یمن میں تبلیغی وفد بھیج کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان کی تعلیم دی گئی اور اس کے بعد دیگر اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرایا گیا۔

قرآن پاک میں شراب کی مکمل ممانعت سے قبل بتدریج شراب نوشی سے لوگوں کو پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ سے بہتر کوئی طرزِ عمل نہیں۔

سوال۔ احمد دیدات کی دعوتِ اسلام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب۔بے شک شیخ احمد دیدات کا اندازِ دعوت کسی حد تک موثر ہے۔ انھوں نے عیسائیوں کو موجودہ بائبل کی خامیوں اور ان کے نظریات کی نامعقولیت سے روشناس کرایا ہے، تاہم اس انداز سے انھوں نے اسلام کے دشمن بھی پیدا کیے ہیں جو اسلام سے مزید دور ہوجاتے ہیں اور زیادہ شدت سے اسلام کی تردید کرنے لگتے ہیں۔[1]

یہ ایک عام انسانی مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ دشمن کو مناظرے میں دلائل سے شکست دینے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے دلوں میں مخالفت اور عداوت کی آگ اور بھی زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اکثر اوقات فاتح اور مفتوح مناظرے کے بعد ایک دوسرے کے اور زیادہ دشمن اور مخالف ہوجاتے ہیں۔ میرے خیال میں دعوت کا کام قرآنِ حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ذریعے سے ہی زیادہ موثر طریقے سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ دعوت کے اس عمل کی بنیاد توحید کی تعلیم پر ہونی چاہیے جو اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں بائبل سے مدد مل سکے وہاں بھی اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ بائبل کے حوالے سے بات کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے اور یہ دھیان رکھا جائے کہ اپنی بات واضح کرنے کے لیے ہمیں بائبل سے جتنی ضرورت ہو، اتنی ہی مدد لی جائے۔ بائبل کے حوالے سے بات کرتے وقت یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ کہیں لاشعوری طور پر اس کے متن کا مستند اور من جانب اللہ ہونا ثابت نہ ہوجائے۔ مختصر یہ کہ بائبل کا حوالہ صرف اس وقت ہی دیا جائے جہاں یہ کہنا ضروری ہو کہ ”آپ کی بائبل بھی یہ کہتی ہے۔“

ایسا نہ ہو اپنے حق میں بائبل سے دلیل لی جائے مگر اسلامی نقطۂ نظر کا ثبوت اس میں نہ پایا جائے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام ایک مکمل دین ہے جس میں کسی اضافے یا ترمیم کی ضرورت نہیں۔ یہ ہر لحاظ سے مکمل ہے جیسا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں قرآن حکیم کی اس آیت کا حوالہ دیا:

((الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا))

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔“ [1]
سوال۔ افریقہ کے لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے عیسائی مشنری (مبلغ) کیا طریقے استعمال کرتے ہیں؟ جواب۔ افریقہ میں عیسائی مشنریوں کو نوآبادیاتی عیسائی حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے جو اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد کے لیے افریقہ کی آبادی کو عیسائی بنانا چاہتی ہیں۔ اس طرح ان عیسائی مبلغین کو بہت سی مراعات اور سہولتیں میسر آجاتی ہیں۔

وسیع وعریض وسائل کے علاوہ یہ عیسائی مشن مقامی آبادی پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے کئی اور طریقے بھی اپناتے ہیں۔ ان لوگوں سے رابطے میں آسانی کے لیے وہ قبائلی زندگی اور زبانوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انھوں نے بائبل کا مقامی زبانوں اور بولیوں میں ترجمہ کیا ہے۔ وہاں اپنے مشن کے مراکز میں ہر سطح کے تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں جہاں مقامی زبانوں کے علاوہ ثانوی زبان کے طور پر انگریزی، فرانسیسی یا اطالوی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

تعلیمی اداروں سے گرجے منسلک ہیں جہاں پورے جوش وخروش سے عیسائیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ لوگ طلبہ کو ایسے اساتذہ اور عیسائیت کے معلم ومبلغ بنادیتے ہیں جو فارغ التحصیل ہو کر اپنے اپنے علاقے میں تبلیغی فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ مشنریوں کی کچھ ترقی یافتہ تنظیموں نے صنعتی اور فنی تعلیم کے ادارے بھی قائم کر رکھے ہیں جہاں نوجوان افریقیوں کو زراعت، بڑھئی اور لوہار کا کام، صنعتی مشینوں سے کام لینا، مستری اور درزی کے امور اور دفتری کام وغیرہ سکھائے جاتے ہیں۔ کئی مشنری تنظیموں نے شفاخانے اور ہسپتال بھی قائم کر رکھے ہیں جہاں افریقہ میں بالعموم پائے جانے والے امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے طریقے اختیار کر کے افریقی عیسائیوں کو لوگوں کی معاشی، سیاسی اور سماجی قیادت کے قابل بنادیا گیا ہے۔

اور یہ تعلیم یافتہ افریقی عیسائی اپنے مغربی مسیحی سرپرستوں کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اب تک عیسائی مبلغین کا عام طریقہ کار بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی تبلیغی تنظیموں نے عیسائی مبلغین کو اسلام کے جامع مطالعے کی تربیت دے کر انھیں تبلیغ پر مامور کیا ہے۔ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مذہبی مذاکرے بھی کرواتے ہیں جن کا اہتمام جنیوا میں ورلڈ کونسل آف چرچز (WCC) اور ویٹی کن (Vatican) میں روم یونیورسٹی کا شعبۂ عربی واسلامیات جیسے ادارے کرتے ہیں۔ تیسرا طریقہ جو افریقہ میں بہت کامیاب ثابت ہوا ہے وہ بین الاقوامی اور علاقائی عیسائی فلاحی وامدادی اداروں کا قیام ہے۔ ان اداروں سے ملنے والی امداد کے ساتھ انجیل اور عیسائیت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

سوال۔ ایشیا، یورپ، امریکہ اور دوسرے مقامات پر اسلام کی دعوت کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جواب۔ ایشیا، یورپ اور امریکہ میں اسلام کی دعوت کے نتائج خاصے حوصلہ افزا ہیں۔ دنیا بھر میں کئی غیر مسلم بالخصوص عیسائی لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ کارخیر ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) جیسے اداروں کی محنت کا نتیجہ ہے جو دنیا بھر میں اہم مقامات پر بھرپور طریقے سے دعوت اسلام کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ امید ہے رواں صدی کے اختتام تک مسلمانوں کی تعداد خاصی بڑھ جائے گی۔ اسلام یورپ میں اب دوسرا سب سے بڑا مذہب بن چکا ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی ایک کروڑ 80 لاکھ سے زیادہ ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا مثلاً فلپائن میں قبول اسلام کا رجحان بہت حوصلہ افزا ہے۔ کئی دیہاتی باشندے اسلام کے حسن سے متاثر ہو کر ادھر آرہے ہیں جو کہ عیسائیت کے غلبے کی وجہ سے اب تک منظرِعام پر نہیں آسکا تھا۔ تھائی لینڈ اور ویت نام جیسے ایشیائی ممالک میں بھی یہی صورت حال نظر آرہی ہے۔ اسی طرح آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ جیسے انتہائی جنوبی ممالک میں بھی قبول اسلام کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز ہوگئی ہے۔

اگرچہ چین اور شمالی (وسطی) ایشیائی ریاستوں میں کمیونزم کے عروج کے زمانے میں اسلام دب کر رہ گیا تھا لیکن سوویت روس کی شکست وریخت کے بعد وہاں اسلام کا احیا تیز رفتاری سے ہو رہا ہے۔ دیگر جگہوں کے علاوہ خاص روس میں بھی مسجدیں تیزی سے بن رہی ہیں۔

اب تو جاپان اور کوریا میں بھی دعوت اسلام کا کام جاری ہے اور اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شمالی امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ اور کینیڈا میں ہزاروں حبشی نژاد امریکی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اسلام میں نسلی مساوات کی تعلیم نے ان لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا ہے۔ شدید نسلی امتیازات کا شکار دوسرے قبائل بھی اسلام کی جانب مائل ہو رہے ہیں کیونکہ اسلام انھیں انسانی وقار عطا کرتا ہے اور دوسرے درجے کے

شہری سے بڑھ کر مقام دیتا ہے۔ اسی طرح کا رجحان کچھ عرصہ سے جنوبی امریکہ میں بھی جاری ہے جہاں ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) کے دفاتر قائم ہو چکے ہیں۔ احیائے اسلام کے موجودہ رجحان کی وجہ سے ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب اسلام اپنی عظمت رفتہ حاصل کر کے اللہ کی زمین پر ہر جگہ نافذ العمل ہو گا۔[1]

[محمد امین سی کیو] (Muhammad Ameen C.Cave)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

[محمد اسد سابق لیوپولڈ ویئس(Muhammad Asad Formerly Leopold Weiss) 1900ء میں آسٹریا (بعد ازاں پولینڈ)[1] کے شہر لیوو (Livow) میں پیدا ہوئے اور 22 برس کی عمر میں آپ مشرق وسطیٰ کے دورے پر آئے۔ بعد میں آپ جرمنی کے مشہور و معروف جریدے فرینکفرٹر زائٹنگ "(Frankfurtur Zeitung)" کے نامہ نگار مقرر ہوئے۔

قبول اسلام کے بعد پروفیسر محمد اسد نے شمالی افریقہ سے لے کر مشرق میں افغانستان تک دنیائے اسلام کا دورہ کیا۔ کئی سال تک اسلام کے بغور مطالعہ کے بعد آپ اس دور کے سرکردہ مسلمان اہلِ علم میں شمار ہونے لگے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پنجاب میں اسلامی تعمیر نو (Islamic Reconstruction) کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ پاکستان کے لیے اسلامی آئین تیار کرنے والی کمیٹی کے بھی آپ رکن تھے۔ بعد میں آپ اقوام متحدہ میں پاکستان کے متبادل مندوب مقرر ہوئے۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے اہم ترین یہ ہیں: "Islam at the Crossroads" اور "Road to Mecca" معروف مسلمان عالم محمد مارماڈیوک پکتھال کی وفات کے بعد آپ "اسلامک کلچر" (Islamic Culture) نامی ماہوار رسالہ کی ادارت بھی کئی سال تک کرتے رہے۔ بعد میں آپ نے قرآن حکیم کا ایک نیا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا۔(مرتب)] 1922ء میں یورپ کے چند اہم ترین جرائد کے نامہ نگار کے طور پر میں اپنے وطن سے افریقہ اور ایشیا کے دورے پر روانہ ہوا۔ تب سے اب تک میرا تمام وقت اسلامی دنیا میں بسر ہوا۔

میں نے جن ممالک کا دورہ کیا ان میں ابتدائی طور پر میری دلچسپی معمولی سی تھی، لہٰذا میرا سفر ایک عام غیر ملکی سیاح کا سا تھا۔ میں نے ان ممالک میں اپنے سامنے ایک سماجی نظام اور ایک Weltanschauung (ایک منظم اور اصولی تصور کائنات) دیکھا جو مغربی نظام سے اصلاً مختلف تھا۔ پہلی نظر میں مجھے یہ پر سکون انسانی تصور زندگی اچھا لگا جو کہ یورپی معاشرے کے مشینی اور شور شرابے والے نظام کے بالکل برعکس تھا۔

اس رجحان اور ہمدردی کے جذبے نے آہستہ آہستہ مجھے اسلامی اور یورپی معاشروں کے موجودہ اختلافات کے بارے میں تحقیق پر آمادہ کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات میں میری دلچسپی بڑھنے لگی۔

اس وقت میری تحقیق و تفتیش کی خواہش اتنی بھرپور نہیں تھی کہ یہ مجھے اسلام کی جنت کی راہ دکھاسکتی۔ تاہم اس خواہش نے مجھے ایک نیا میدان عمل دیا کہ میں اس میں ایک ایسے انسانی معاشرے کا مشاہدہ کروں جو ترقی کے سانچے میں ڈھل رہا ہے۔ یہ معاشرہ کسی بھی شکل کے اندرونی خلفشار سے پاک ہے اور اس کی بنیاد اخوتِ انسانی کے وسیع ترین تصور پر استوار کی گئی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ صورت حال میں اس اعلیٰ نصب العین کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی جو اسلامی تعلیمات سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تمام تر فعالیت، تحریکی قوت اور ترقی، جو اسلام کا جزو لازم ہے، اس کے بجائے ان میں غفلت اور جمود دیکھنے میں آتا ہے۔ اسلام میں رحم و کرم، مستعدی، قربانی اور لگن کے جو خصائص پائے جاتے ہیں عصرِ حاضر کے مسلمانوں میں کم ہوتے ہوتے تنگ دامانی، دریادلی اور عاجزی میں ڈھل چکے ہیں۔

اسلام کی عظمتِ رفتہ اور موجودہ حالت زار کا تفاوت دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔ اس کے نتیجے میں، میں اس معاملے کو ایک ایسے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے لگا جس میں زیادہ غور و خوض اور اسلام سے تقرب شامل تھا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں نے خود کو اسلام سے الگ کرکے نہیں بلکہ خود کو اس میں شامل سمجھ کر اسلام کی موجودہ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ کوشش ایک فکری تجربہ تھی، تاہم میں اس کی مدد سے اس مسئلے کا درست حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جس کا مجھے سامنا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کی تمدنی اور سماجی تباہی کی اول و آخر وجہ ان کی اسلام کی اصل تعلیمات سے روگردانی ہے۔ دین کی اصل صورت میں اسلام ابھی زندہ اور فعال ہے اور ابھی تک یہ حقیقی زندگی کا عکاس ہے مگر پیروکاروں کے اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے یہ ایک بے جان لاش کی صورت اختیار کرچکا ہے۔

اسلامی دنیا کی اصل طاقت یہی دین اسلام تھا جو اس کی تمدنی اور تہذیبی برتری کا سبب تھا اور اب اگر یہ اسلامی دنیا اسلامی اقدار و تعلیمات کی طرف نہ لوٹی تو اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اسلامی تعلیمات کی قوت و تاثیر کے بارے میں جیسے جیسے میرا علم بڑھتا گیا اور ان پر عمل کرنے میں آسانی میری سمجھ میں آنے لگی، اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں یہ تجسّس پیدا ہوگیا کہ آخر مسلمان ایک محفوظ اور توانا زندگی کی تعمیر کے ضامن دین اسلام سے روگرداں کیوں ہوئے؟ میں نے چین کی سرحد سے لے کر صحرائے لیبیا اور باسفورس سے لے کر بحیرہ عرب کے کناروں تک مسلمان مفکرین اور دانشوروں سے بات چیت کی۔

یہ مسئلہ میرے ذہن پر اس حد تک مسلط ہوگیا کہ اسلامی دنیا میں میرے باقی تمام تر علمی کام ثانوی حیثیت اختیار کرگئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری جستجو میں اضافہ ہوتا گیا اور مسلمانوں کی بے عملی کے اسباب پر بحث شدت اختیار کرگئی۔ اگرچہ اس وقت تک میں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، پھر بھی میں مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی کے بالمقابل اسلام کے دفاع کا علم بردار بن گیا۔ اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات حاصل کرنے میں میری پیش رفت اور کامیابی ناقابلِ ادراک اور مبہم سی تھی، حتیٰ کہ 1925ء کے موسمِ خزاں میں افغانستان کے ایک پہاڑی صوبہ کے نوجوان گورنر نے ایک دن مجھے بتایا کہ آپ مسلمان ہیں اگرچہ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کے الفاظ میری روح کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ اس واقعہ کے بعد 1926ء میں یورپ واپس آنے تک میں نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کیے رکھی، پھر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام سے میری اس قدر دلچسپی کا تقاضا یہ ہے کہ میں اسلام قبول کرلوں۔

میرے قبول اسلام کی کہانی مختصراً یوں ہے کہ 1926ء سے میں اس موضوع پر غور کر تا رہا ہوں کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ وہ کون سی کشش تھی جو مجھے اسلام تک لے آئی؟ سچی بات ہے کہ میرے ان سوالات کا دوٹوک جواب مجھے نہیں مل سکا۔ کسی خاص فلسفے یا اسلام کی تعلیمات میں موجود کسی خاص عقیدے نے مجھے ادھر متوجہ نہیں کیا۔ میں اس پورے نظام سے متاثر ہوا جو اخلاق اور عملی تعلیمات کا ایک عظیم الشان، مکمل اور منضبط مجموعہ ہے جس کی پوری تشریح کوئی مفکر نہیں کر سکتا۔

میرے لیے یہ کہنا ناممکن ہے کہ اسلام کے فلاں پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اسلام ایک ماہر فن کی کاریگری کا مکمّل اور بہترین نمونہ ہے۔ اس شاندار فنی شاہکار کا ہر ہر پہلو ایک ہم آہنگ اور مربوط تصور کا نتیجہ ہے جس سے اس کی تعمیر کے حسن اور داخلی وحدت کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ساخت میں کوئی کمی بیشی نظر نہیں آتی بلکہ اس سے مکمل توازن اور ہم آہنگی کا تاثر قائم ہوتا ہے۔ غالباً مجھے اسلام کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ اس کی تعلیمات اور نظریات آپس میں مکمل طور پر منظم اور منضبط ہیں۔

اس کے علاوہ شاید کچھ اور باتیں بھی ہوں جن کا میں تجزیہ نہیں کر سکتا۔ میں نے اسلام کی خوبیوں سے مسحور ہو کر اسلام قبول کیا۔ مسحور ہونا یا محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو کئی عوامل پر مشتمل ہے، اس میں ہماری خواہشات اور احساس تنہائی کا بھی دخل ہے اور ہمارے بلند نصب العین، احساس کمتری، کمزوریوں اور توانائیوں کا بھی دخل ہے۔

یہ ہے میرے قبول اسلام کی داستان۔ اسلام ایک واضح احساس بن کر میرے دل میں اتر گیا۔ چپکے سے رات کے اندھیرے اور لاعلمی میں آکر واپس نہیں چلا گیا بلکہ ہمیشہ کے لیے میرے دل میں بس گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے بڑی عرق ریزی سے اسے سیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی تعلیمات سے ممکن حد تک آگاہی حاصل کی اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا۔

قرآن کی زبان، اس کی تاریخ اور اس پر لکھی جانے والی توضیحی اور تنقیدی کتب کا مطالعہ کیا۔

میں نے پانچ سال حجاز اور نجد میں رہ کر اسلام کے عروج اور اس کی تعلیمات کے منبع وماخذ سے جذبہ اور ولولہ حاصل کیا جہاں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر کی تھی۔ چونکہ حجاز میں مختلف ممالک سے مسلمان آتے ہیں اس لیے مجھے دور حاضر کے مختلف مذہبی اور سماجی نظریات کا مقابلہ وموازنہ کرنے کا موقع ملا۔

اس تقابلی مطالعہ سے میرا ایمان مزید پختہ ہوا اور مجھے یہ یقین کامل ہو گیا کہ مذہبی اور سماجی عوامل کے اعتبار سے اسلام ہی تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ توانا اور محرک قوت ہے اگرچہ مسلمان پسماندگی اور بے عملی میں مبتلا ہیں (مگر یہ ان کا اپنا قصور ہے، دین میں کوئی خامی نہیں۔)

جب سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں میری تمام کوششیں اسلام کے احیاء کے لیے وقف ہیں۔[1]

[محمد اسد، سابق لیوپولڈ ویَس۔ پولینڈ]

زندگی بھر ہندو رہنے کے بعد میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

عصر حاضر کے ہندو بت پرستی اور شرک کی وجہ سے روحانی پستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہر انسان کی طرح ہندو کے دل میں بھی اپنے الٰہ اور اس سے اپنے رشتے کو پہچاننے کی طلب تو موجود ہے مگر ہندو معاشرہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی صدیوں قدیم روایات کے باعث ایک اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے مناسب ماحول فراہم نہیں کرتا اور انھی مذہبی رسومات اور بت پرستی کے رواج نے تمام ہندوؤں کے طرز زندگی کو اس حد تک آلودہ کر دیا ہے کہ بھارت کا پڑھا لکھا ہندو بھی ایک اللہ کی عبادت کے سیدھے سادے اور صاف راستے سے بہت دور ہٹا ہوا ہے۔

بھارت میں مذہبی تہوار عبادت کے بجائے محض کھانے پینے اور تفریح تک محدود ہیں۔ تقریباً ہر بڑے تہوار میں لڑائی جھگڑا اور فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں۔ مذہب کے بجائے سیاسی پہلو زیادہ مد نظر رکھے جاتے ہیں۔

وقت اور روپیہ بے دریغ لٹایا جاتا ہے۔ آج کل تہواروں کا اہتمام اور نگرانی مندروں کے پنڈتوں کے بجائے سیاست دان کرتے ہیں۔ ان تہواروں میں روحانیت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا کیونکہ اللہ اور اس کی عبادت کا تو ان میں کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔

راقم کا تعلق ایک ایسے ہی ہندو معاشرے سے تھا جس میں بہت سی دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا رائج ہے۔ دولت کی دیوی لکشمی، علم کا دیوتا گنیش (Ganesh)، جسمانی قوت اور توانائی کا دیوتا ہنومان اور اس طرح کے بے شمار دیوی دیوتا ہیں۔ ہر آدمی اپنی ضرورت اور مفاد کے مطابق کسی دیوی یا دیوتا کی پوجا کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ بھارت میں تمام ہندوؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک خدا ناکافی سمجھا جاتا ہے، اسی لیے وہاں بہت سے دیوتا اور مندر ہیں جو انسانوں کو روحانی گمراہی اور انتشار میں مبتلا کیے رکھتے ہیں جس کے باعث وہ کبھی ایک مندر اور کبھی دوسرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ مندروں کے پروہت عام لوگوں کو گمراہ کر کے ان سے مال بٹورتے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

صدیوں پرانے جھوٹے تصورات اور روایات میں الجھ کر ہندوؤں نے اللہ کے سیدھے راستے کو اپنے لیے ٹیڑھا اور دشوار بنا رکھا ہے۔ یہ فرسودہ روایات مندروں کے پروہتوں اور دوسرے پیشواؤں نے قائم کر رکھی ہیں جو برہمن کہلاتے ہیں۔ انھوں نے ہندو معاشرے میں ذات پات کی لعنت کو رائج کر رکھا ہے۔ لوگوں کو بلند ذات برہمن اور نچلی ذاتوں اور اچھوتوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

اچھوت ذات کے لوگ جو گھٹیا درجے کا کام سرانجام دیتے ہیں، انھیں مندروں میں داخلے کی اجازت نہیں بلکہ انھیں مندروں سے دور رہنا پڑتا ہے۔ یوں برہمنوں کا اول و آخر مقصد ہندو معاشرے پر حکومت کرنا اور عام آدمی کا استحصال کر کے ہمیشہ برسر اقتدار رہنا ہے۔ ہندو مذہب کو سمجھنے میں ایک رکاوٹ سنسکرت زبان ہے جس میں ان کی بیشتر مذہبی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

سنسکرت زبان پر برہمنوں کی اجارہ داری ہے۔ عام آدمی کو اس زبان تک رسائی حاصل نہیں جس کی وجہ سے ہندوؤں کا دینی علم مٹھی بھر برہمنوں کی گرفت میں ہے۔ سنسکرت میں لکھی ہوئی دینی کتب کے لیے کسی ہندو کے گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ علاوہ ازیں بھارت چونکہ ایک سیکولر (لادین) ریاست

ہے، لہٰذا عوام کے لیے مذہبی ضروریات کی تکمیل سرکاری فرائض میں شامل نہیں۔ جو لوگ سنسکرت زبان اور ہندو مذہب کو جانتے ہیں وہ اللہ واحد پر ایمان کا دعویٰ تو بڑے زور وشور سے کرتے ہیں مگر عملاً مختلف بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ دین کے اس نظری فلسفے کا کیا فائدہ جو انھیں ایک الٰہ کی عبادت اور سیدھے راستے پر چلنا نہیں سکھا سکا۔ ہندوؤں کی مقدس مذہبی کتاب ''گیتا'' ہے۔

اس کے من جانب اللہ ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں مگر سب ہندو اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کتاب ایک بہت برگزیدہ شخص ''ویاس'' نے لکھی ہے، تاہم یہ کتاب چونکہ ایک انسان کی تصنیف ہے، لہٰذا اس کا قرآن حکیم سے موازنہ کیوں کر کیا جا سکتا ہے جو کہ خالص کلام الٰہی ہے؟ گیتا کے مندرجات زیادہ تر تصوراتی موضوعات پر مشتمل ہیں مثلاً انسانی روح، مراقبے وغیرہ کا طریقہ، اور کسی حد تک انسانی کردار اور روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے باتیں بھی اس میں مذکور ہیں مگر یہ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں۔ گیتا محض کتابوں کی الماریوں میں نمائش کی چیز بن کر رہ گئی ہے اور وہ بھی محض چند ہندو گھرانوں میں۔

اس کی کٹھن زبان اور مبہم موضوعات کے باعث اسے کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ اگرچہ بعض انتہا پسند ہندوؤں نے اس کی وسیع پیمانے پر نشر واشاعت کی مہم بڑے زور وشور سے چلا رکھی ہے۔ ہندو مذہب اپنی اصل شکل میں ہر ہندو گھر میں داخل نہیں ہوتا، لہٰذا ہم عام لوگوں سے اس مذہب کی ہیئت اور اس کی خوبیوں یا خامیوں سے واقفیت کی کیا توقع کر سکتے ہیں؟

ہمارے سامنے صرف بت پرستی کی شکل میں ہندومت موجود ہے جس پر عام ہندو روزمرہ کی زندگی میں عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہندو مذہب کا ایک بڑا اور اہم تصور یہ ہے کہ بوقت ضرورت ان کا معبود کسی انسان کے روپ میں زمین پر آجاتا ہے اور وہ انسان خدا کا اوتار کہلاتا ہے۔ اس تصور کی روشنی میں ہر وہ شخص جو اللہ عزوجل کی کچھ خصوصیات کا حامل ہو (نعوذ باللہ) خدا یا خدا کی تجسیم (اوتار) کہلا سکتا ہے۔ا

یسے لوگوں کا بڑا احترام کیا جاتا ہے اور ان کی دیوتا کی حیثیت سے پرستش بھی کی جاتی ہے۔ اس وقت بھارت میں ''ستیا سائیں بابا'' (Sataya Saibaba) نامی ایک ایسا شخص موجود ہے جسے ہندو کچھ ''کرامات'' کی بنا پر خدا مان کر پوجتے ہیں۔ راقم الحروف چونکہ شرک کا منکر ہے، اسی لیے اس نے ہندومت سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔ آج کا ہندو معاشرہ پتھر کے بتوں کی پوجا میں پڑ کر اللہ عزّوجل کے سیدھے راستے سے ہٹ گیا ہے اور اس کا تصور مذہب دھندلا چکا ہے۔ کئی تعلیم یافتہ ہندو اپنے مذہب پر ایمان نہیں رکھتے مگر اصل ''الٰہ'' کی تلاش اور تحقیق کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ دنیوی زندگی ہی کو مقصد تخلیق سمجھ کر سرتاپا اس میں غرق ہو چکے ہیں۔ موت کے بعد کی زندگی اور یوم حساب کا تصور ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس کافی سرمایہ اور آرام وآرائش کا سامان ہو تو وہ کھانے پینے اور سونے ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا تمام تر تعلق معاش سے ہے اور روحانیت کا اس میں ذرا بھی عمل دخل نہیں۔ امیر ہندوؤں نے جانوروں کی طرح رہنے کا فیشن اپنا لیا ہے اور اللہ عزّوجل کو بالکل بھلا دیا ہے۔

کئی عقل اور شعور والے ہندو یہ جانتے ہیں کہ انسانیت کے لیے واحد سچا دین اسلام ہے مگر ان میں اتنی ہمت نہیں کہ کھلم کھلا اس کا اقرار کر سکیں کیونکہ وہ صدیوں پرانی بت پرستی کی روایت کے پابند ہیں اور معاشرے کے خوف سے اپنے کافرانہ ماحول سے نہیں نکلنے کی جراءت نہیں کر سکتے۔ وہ اللہ عزوجل اور یوم حساب سے نہیں ڈرتے بلکہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور پورے معاشرے سے ڈرتے ہیں۔ بھارت کے ہندو معاشرے میں جرائم کی

شرح اور گناہ گاری بہت بڑھ گئی ہے کیونکہ وہ لوگ سچے دین سے بہرہ ور نہیں ہیں اور وہ اندھیرے میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور اللہ عزوجل کو مندروں میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ تو ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن وہ زندگی بھر اس کی معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ زندگی بھر گناہوں کی غلاظت اور بت پرستی میں مبتلا یا ناستک (ملحد) رہنے کے بعد میں نے 56 سال کی عمر میں اسلام قبول کرلیا ہے۔ الحمدللہ! اس ذات باری تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہمت اور توفیق عطا کی ہے۔

یہ تبدیلی قرآن حکیم کے مطالعے سے ہوئی جس نے میرے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کر کے اسلام پر میرے ایمان کو تقویت دی۔ میرے کئی ہندو دوست یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے غلطی کی مگر یہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ یوم حساب کو کرے گا کہ کون حق پر تھا اور کون گمراہ؟ اور ان تمام ہندوؤں کے بارے میں بھی وہی فیصلہ کرے گا جنھوں نے اللہ کے پیغام (قرآن حکیم) اور پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا۔[1] (ڈاکٹر محمد مصطفی- سابق ڈاکٹر مہندر سنگھ) **میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟** اگر کسی مذہب کو اختیار کرلینا ہی اس اختیار کو دوام بخش سکتا تو آج بھی میں چرچ آف انگلینڈ ہی کا رکن ہوتا مگر جوں ہی میں ہر قسم کے مذہبی اجتماعات میں شرکت کے قابل ہوا تو میرے خیالات اجتماعی کلیسا (Congregational Church) پر مرتکز ہوگئے اور 27 سال کی عمر تک میں اس چرچ سے وابستہ رہا۔

میں ہندوستان میں بھی اسی کلیسا کا پیروکار رہا جہاں یہ چرچ یونائیٹڈ بورڈ چرچ (United Board Church) کہلاتا تھا جس میں اس فرقے کے علاوہ پریسبیٹیرین (Presbyterian)[1] میتھوڈسٹ (Methodist) [2]، بپٹسٹ¤(Baptist)[3]، ویزلیان (Wesleyan) [4] اور بے شمار دوسرے فرقے بھی شامل تھے۔ ہندوستان میں قیام کے دوران میں نے عیسائیوں کے فرقوں برننگ بش مشن (Burning Bush Mission) اور سیونتھ ڈے اڈوینٹسٹس (Seventh Day Adventists) سے رابطہ کیا لیکن ان سب میں مجھے کوئی چیز غائب محسوس ہوئی یا خلوص کی کمی نظر آئی جس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور کبھی کبھی تو میں نے خود کو اپنے عقیدے سے باہر پایا۔

پھر 1929ء میں کچھ دوستوں نے مجھے رومن کیتھولک چرچ چلنے کی دعوت دی تو میں نینی تال (Naini Tal) کے مقام پر اس چرچ میں بھی حاضری دیتا رہا مگر کچھ عرصہ بعد اس سے بھی جی بھر گیا۔ بے شک رومن کیتھولک لوگوں میں بہت عقیدت پائی جاتی ہے مگر اس کلیسا کی نازیبا شان وشوکت اور تکلفات نے مجھے اس کے حلقے سے برگشتہ کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد میری ملاقات یورپ کے ایک باشندے مسٹر میتھیوز (Mr.Mathews) سے ہوئی جنھوں نے کئی سال پہلے اسلام قبول کرلیا تھا۔ انھوں نے مجھے دین اسلام کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ میں اسلام کی سادگی اور سچائی سے بہت متاثر ہوا۔ گھر واپس آنے سے پہلے مجھے قرآن کریم کے مطالعے کا شرف بھی نصیب ہوگیا جس کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا اور میں نے فوراً اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے قبول اسلام کا طریقہ مسٹر میتھیوز (Mr.Mathews) سے پہلے ہی دریافت کرلیا تھا اور برطانیہ واپس آنے کے بعد میں نے لارڈ ہیڈلے (Lord Headley)

کو خط لکھا جنھوں نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے ضروری معلومات فراہم کر دیں۔ مجموعی طور پر میرا خیال ہے میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ یہ واحد دین ہے جس میں ایمان اور سچائی کو صحیح معنوں میں اوّلیت حاصل ہے۔ آخر میں یہ کہہ دوں کہ میں دوسرے مذاہب کی چمک دمک اور نمود و نمائش کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھے لارڈ میئر (Lord Mayor) کے پر تکلف شو (مظاہرے) کی یاد دلاتے ہیں۔[1]

[ایچ جی نیوٹ] (H.G.Newitt)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

دس سال کے طویل عرصے میں شک اور مایوسی کے ویرانے میں بھٹکتا رہا اور اب مجھے خوشی ہے کہ بالآخر اسلام کی صورت میں مجھے حقیقی سکون اور ہدایت کی روشنی نصیب ہوگئی ہے۔ میں اس عظیم اسلامی اخوت کا رکن بننے پر تہِ دل سے خوش ہوں جس کی عالمگیر حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا جس میں اخوت و مساوات کا نصب العین 1400 سال سے بھی زائد عرصہ سے عملی زندگی میں موجود ہے جب کہ دوسرے مذاہب کے پیروکار صرف زبانی جمع خرچ ہی سے کام چلاتے ہیں اور اخوت و مساوات کے اصولوں پر عمل کو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کا سادہ عقیدہ توحید اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات انسانیت کی تمام اخلاقی، مادی اور روحانی ضروریات کا احاطہ کرتی ہیں اور دوسرے تمام مذاہب کے بانیوں کی تعلیمات سے افضل ہیں۔ میں ویسٹ انڈیز کے جزیرہ بارباڈوس (Barbados) میں پیدا ہوا اور ایک خاصے مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔

میں نے بائبل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جس کی بنا پر سنڈے سکول کا بہترین طالب علم شمار ہوتا تھا۔ والدین کی خواہش کے مطابق میں نے مقامی طور پر وعظ و نصیحت کی تربیت حاصل کی اور اکثر مجھے بائبل پر لیکچر دینے پڑتے تھے۔ مگر جب میری سکول کی تعلیم کا دور اختتام کے قریب پہنچا تو میں عیسائیوں کے عقائد و اعمال سے سراسر متنفر اور اپنے مذہب سے بالکل منکر ہو گیا۔

اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقرر کردہ معیار بلاشبہ اعلیٰ تھے اور مجھے اچھے بھی لگتے تھے، تاہم جس بات نے مجھے سب سے زیادہ پریشان کیا وہ رنگ دار لوگوں سے سفید فام عیسائیوں کا ذلت آمیز سلوک تھا۔

اسے دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف سفید فام لوگوں کے لیے مصلوب ہونا گوارا فرمالیا تھا یا واقعی تمام انسان ایک ہی اللہ کی مساوی مخلوق ہیں ؟ اسی شک، مایوسی اور پریشانی کے عالم میں، میں نے سکول چھوڑ کر لارڈ کیلوِن (Lord Kelvin) کے ایک بحری جہاز پر ملازمت کرلی اور دنیا کی سیر وسیاحت میں مشغول ہو گیا۔

اس طرح مجھے ان مختلف قوموں کے لوگوں اور ان کے عقائد سے دلچسپی ہو گئی جن سے دوران سفر میں میرا واسطہ پڑا۔ مجھے ہر قسم اور ہر قبیل کے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا۔ سب سے زیادہ میں بیونس ایریز (Buenos Aires) میں سویڈن کے ایک باشندے سے متاثر ہوا جو تقریباً 26 برس کا

ایک حسین نوجوان تھا۔ ایک دن ہمارے جہاز کے عملے کے کچھ لوگ جن میں مجھ سمیت تین ویسٹ انڈیز کے باشندے، ایک روسی، ایک فن لینڈ کا باشندہ، لیورپول(Liverpool) سے ایک آئرلینڈ کا باشندہ اور ایک ویلز(Wales) کا باسی شامل تھے۔

ہم گودی پر سیر کے لیے نکلے تو ایک دلکش آواز نے ہمیں مخاطب کیا: "کیا حال ہے لڑکوں کا؟" معلوم ہوا کہ یہ خوش مزاج سویڈن کا باشندہ بندر گاہ میں لنگر انداز ایک جہاز کا چیف آفیسر تھا۔ ہم اس کی شخصیت اور اس کے دلکش اندازِ گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم رک گئے اور تعارف کے بعد اس سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اس نے ہمیں اپنے جہاز پر آنے کی دعوت دی اور جب ہم جہاز پر اس کے کمرے کے قریب پہنچے تو اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "آجاؤ میرے بھائیو!" اس برادرانہ استقبال پر ہم سب حیران ہو گئے۔ عمر میں سب سے چھوٹا ہونے کے باعث میں نے انتظار کیا کہ میرے ساتھی بات شروع کریں۔ وہ سب لوگ شاید شرمیلے پن یا قدامت پسندی کی وجہ سے خاموش رہے تو میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اپنے میزبان سے کہا: "جناب مجھے جتنے سفید فام لوگوں سے واسطہ پڑا ہے آپ ان سب سے مختلف ہیں ؟" اس نے خوش مزاجی سے جواب دیا: "ہاں نوجوان! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دنیا کے سب سے بڑے رشتۂ اخوت سے منسلک ہوں۔" "وہ کون سا رشتۂ اخوت ہے ؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا: "یہ واحد رشتۂ اخوت ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو بلا امتیاز رنگ و نسل ایک ہی کنبہ قرار دیتا ہے۔ یہ وہ رشتۂ اخوت ہے جو ایک دوسرے کو سہارا دینے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تعلیمات کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔" "اچھا تو آپ ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں ؟" میں نے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا: "جی ہاں ! اور کسی دن آپ بھی اسی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے۔" میں نے پوچھا: "آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں ؟" اس نے کہا: "تمھارا خمیر ایسی مٹی سے اٹھا ہے کہ تم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لاؤ گے اور کئی سال بعد تم میری یہ باتیں یاد کرو گے۔" پھر اس نے میرے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر ان سے کہا: "آؤ جوانو! کچھ کافی لیں۔" کافی کے ساتھ کیک بھی تھے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم نے اسے بڑے پُر تپاک انداز سے الوداع کہا اور چلے آئے۔

اگلی صبح سویرے اس کا جہاز نیویارک روانہ ہو گیا اور اس کے بعد پھر وہ مجھے نظر نہیں آیا لیکن میں اس کی شخصیت کے دلکش تاثر اور اس کی دلنشین گفتگو کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ اب مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان تھا۔ دنیا بھر میں سفر کے دوران میں نے مختلف اقوام اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ کچھ سال قبل جب میں مشرق کی طرف نکلا تو مجھے دنیا کے بڑے مذاہب کو قریب سے دیکھ کر ان کے تقابلی مطالعے کا موقع ملا اور اس میں سب سے پہلی بات جس نے مجھے عیسائیت سے کنارہ کشی پر آمادہ کیا وہ عیسائیوں کے نام نہاد کلیسا کا جمود، جھوٹا وقار اور حاکمیت کا رویہ تھا۔

اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ دوسرے مذاہب کی نسبت عیسائیت میں باعمل علماء بہت کم ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں ہزاروں عیسائی پادری ایسے ہیں جو تبلیغ دین کو محض پیشہ سمجھتے ہیں اور برادرانہ محبت، عاجزی اور دوسروں کا دکھ درد سمجھنے کے جذبے سے عاری ہیں جو کہ اعلیٰ کردار کی بنیاد ہیں۔ اس بے پروائی اور غیر ہمدردانہ رویے نے لاکھوں لوگوں کو عیسائی مذہب سے بیزار کر دیا ہے کیونکہ انھیں ان کی طلب کردہ روٹی کے بجائے کھانے کو گویا پتھر ملتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کیا شان ہے کہ اس میں شاہ و گدا اللہ کے حضور شانہ بشانہ پیش ہو کر عبادت کرتے ہیں جہاں رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں۔

جن لوگوں کو حج بیت اللہ کا موقع ملا ہے یا جنھوں نے اس کے بارے میں پڑھا ہے وہ بلاشبہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ کم از کم حج تو عالمگیر اخوت کا عملی مظاہرہ ہے۔ ہر نسل کے سفید فام، سیاہ فام اور زرد فام لوگ ایک ہی رشتے میں منسلک نظر آتے ہیں اور یہ اسلام کا رشتہ ہے۔

اسلام کی وحدت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ گورے، کالے، بڑے، چھوٹے اور امیر، غریب تعصبات سے ماورا ہو کر اس دین میں محبت وشفقت اور ایمان افروز روحانی اخوت کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ ویسے بھی تمام انسانوں کو ذی شرف اور یکساں پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا میں یہ بات نہیں مانتا کہ کچھ انسانوں کو تو منتخب اور اعلیٰ بنا کر پیدا کیا گیا جبکہ باقی لوگوں کو پانی نکالنے اور لکڑیاں چیرنے کی مزدوری کے لیے بنایا گیا۔ امیر یا غریب، چھوٹا یا بڑا اور سیاہ یا سفید ہونا تو محض ایک اتفاق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ مگر انسان کی بتدریج ترقی اور ارتقا کے باوجود یہ اخلاقی کمزوری اور روحانی بے اعتنائی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر اب جبکہ میں نے تعصب اور تضادات پر مبنی اور غلط تعبیرات سے بھرپور روایات کے آہنی بندھنوں سے آزادی حاصل کرلی ہے اور اسلام کی معزز برادری کا رکن بن گیا ہوں، مجھے اپنے اس فرض کا احساس ہوا ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی شان لوگوں کے سامنے بیان کروں۔

میں اپنی طرح شک اور مایوسی میں مبتلا لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس آپ بیتی سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے مطالعے پر کچھ وقت اور توجہ صرف کریں۔ یہ آپ کو دنیا کا نیا رخ دکھائے گا جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور توحید پر ایمان اور مساوات انسانی سے رہنمائی حاصل کر کے آپ کو وہ اطمینان وسکون حاصل ہوگا جو اسلام کا خاصہ ہے۔

یہاں میں سیلون (موجودہ سری لنکا) میں اپنے مسلمان بھائیوں بالخصوص جناب اے جے اے قادر کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اسلامی عقیدے کا اعلان کرنے میں میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

میں جونہی یہاں پہنچا تو میں نے ان سے رابطہ کیا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب قادر نے میری گفتگو سے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ میں بہت سوچ سمجھ کر اور مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کر رہا ہوں، اندھیرے میں چھلانگ نہیں لگا رہا۔ انھوں نے تمام ضروری باتوں کا خیال رکھا، اس لیے مجھے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے قبول اسلام کرنے سے بے حد خوشی ہوئی۔

میں اپنے عیسائی بھائیوں سے یہ گزارش کروں گا کہ میرے اس اقدام پر مجھے حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ ذرا غور سے اسلام کا مطالعہ کریں، رواداری سے کام لیں اور دل ودماغ کو تھوڑا سا تبدیل کر کے سوچیں تو انھیں یقین ہو جائے گا کہ عیسائیت کی تبلیغ وتعلیم کے مقابلے میں اسلام کی تعلیم وتربیت بدرجہا بہتر اور عظیم الشان ہے۔[1]

[عمر پراوٹ] (Omar Proutt

ابو عطاء المنعم بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ ورعاہ وجعل الجنۃ مثواہ۔ 12 جمادی الثانی۔ 1447ھ

۔2025۔۔2دسمبر۔یوم الثلثاء

مؤلف کے دیگر تالیفات

1۔کتاب الحجامۃ پښتو ....۔ مطبوع(57)۔۔ سیرت ابراهیم خلیل الله علیه السلام

2۔حوارات المسلم عربی .... مطبوع (58) مچھلی کے پیٹ میں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام

3۔حوارات النسوۃ عربی ....۔۔۔ مطبوع(59)۔۔ تاریخ اسلام جلداول

4۔حوارات ابناء الاسلام .... غیر مطبوع۔۔۔(59) ۔۔۔تاریخ اسلام دوم

5۔حوارات بنات الاسلام عربی ....۔۔. ۔۔مطبوع ۔۔ (60) بدر سے تبوک تک اور بیعت سقیفه بنی ساعده

6۔حدیقۃ المسلم عربی .... غیر مطبوع (61) فضائل دعوت اور اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں ؟

7۔حدیقۃ النسوۃ عربی .... غیر مطبوع

8۔تذکرۃ بیاد شیخ اردو .... مطبوع

9۔اتحاد الامت پښتو ....غیر مطبوع

10۔معارف الاحوال لاصلاح عمل الاطفال پښتو . مطبوع

11۔اسان اصول فقه پښتو .... غیر مطبوع

12۔لغۃ الاطفال عربی .... غیر مطبوع

13۔میزان الصرف عربی ....۔۔ مطبوع

14۔صرف بهائی عربی .... غیر مطبوع

15۔مه غمژن کیګه .... غیر مطبوع

16۔اسلامی نغمے پښتو .... غیر مطبوع

17۔دعوت الی الله۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غیر مطبوع

18۔روضۃ الاطفال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مطبوع

19۔پښتو ترجمه اسان مونځ ---------------مطبوع

20۔ماحکم المیراث فی الاسلام -------------مطبوع

21۔اَلْمُکَالَمَۃُبَیْنَ یَدَیْکَ --------------غیر مطبوع

22۔اسانه طریقه دقرآن مجید دحفظ--------- غیر مطبوع

23۔علم القرآن -------------------غیر مطبوع

24۔اهل القرآن ورجال القرآن------------- غیر مطبوع

25۔پرسکون گھرانہ اورحقوق نسواں-------- غیر مطبوع

26۔المکالمه بین النساء ----------------غیر مطبوع

27۔ثلو یښت دعاګانی او ثلو یښت حدیثونه ------مطبوع

28۔عظمت قرآن بزبان قرآن -----------غیر مطبوع

29۔الجرح والتعدیل وظوابط التحقیق والتخریج -----غیر مطبوع

30۔اصول الحدیث فی حدیث الرسول -------غیر مطبوع

31۔توحید باری تعالیٰ سے متعلقہ شکوک وشبہات کاازالہ۔ غیر مطبوع

32۔پښتو ترجمه رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآن حکیم --غیر مطبوع

33۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد اول --غیر مطبوع

34۔پښتو ترجمه مطالعۂ قرآن حکیم جلد دویم۔ غیر مطبوع

35۔پښتو ترجمه خیرالاصول فی حدیث الرسول ----مطبوع

36۔فتنوں مؤمن کا کردار -------------غیر مطبوع

فضائل دعوت اور اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں ؟

37۔نور القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔**غیر مطبوع**

38۔فکری منصوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ **غیر مطبوع**

(39)اہل السنۃ والجماعۃ کا تصور سنت (1)

(40) جھنم کا بیان اور اللہ سے محبت کیوں اور کیسے

(41) اصول الفقہ فی علوم الفقہ

(42) مؤمن کی نماز اور طہارت کے مسائل و احکام

43)نماز کا مسنون طریقہ اور اس کے احکام و مسائل

(44) زکاۃ کے فرضیت اور فضائل و احکام

(45) حج کے فضائل و احکام حج و عمرہ

(46) روزہ کے حقیقت اور رمضان المبارک کے احکام و مسائل

(47) خواتین سے متعلق مخصوص احکام و مسائل

(48) نبی بحیثیت معلم اور بحیثیت والد

(49) نبی کی جامع سیرت اور اخلاق نبوی

(50)سیرتِ شیخین یعنی ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما

(51) سیرتِ ختنین یعنی عثمان غنی و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما

(52)سیرتِ حسنین یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما

(53) سیرتِ عظیم اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین

(54) سیرتِ امیر معاویۃ رضی اللہ عنہ

(55) سیرتِ دفاع صحابۃ رضی اللہ عنہم

(56) سیرتِ جیش اسامۃ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار

2	دیباچہ	1
3	کتاب کی تیاری میں پیش نظر باتیں:	2
5	گروہِ رسل علیہم السلام کا مشن دعوتِ دین	3
6	۲:ارشادِ ربانی:	4
7	۲: شیخ محمد رشید رضا رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:	5
8	ا: دعوتِ دین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اس بات پر دلالت کرنے والی چار آیات کریمہ درج ذیل ہیں:	6
9	ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فریضہ دعوت ادا کرنے کا حکم الٰہی:	7
10	۴:ارشادِ ربانی:	8

11	۲: فرمان باری تعالیٰ:	9
12	اس بات کی دلیل:	10
13	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کا شعار دعوت الی اللہ تعالیٰ	11
15	بہترین بات والوں کی ایک صفت دعوت الی اللہ تعالیٰ	12
16	آیت کریمہ کا شمول:	13
17	آیت کریمہ میں دعوت الی اللہ کو پہلے لانے کی حکمت:	14
18	علم وعمل والے معلّم کا عمدہ زمین کی مانند ہونا	15

16	صحیح بخاری میں عنونِ حدیث:	19

17	حکمت والے معلِّم کا قابل رشک ہونا	20
18	۲:مال خرچ کرنے اور علم سکھلانے کی ترغیب	21
19	۴:لفظ[حسد]استعمال کرنے کی حکمت:	22
20	عباد الرحمن کی متقی لوگوں کا امام بنائے جانے کی دُعا	23
21	دعوت الی اللہ تعالیٰ کی فرضیت	24
22	فرضیتِ دعوت کے دلائل:	25
23	حدیث شریف کے متعلق قلِ ابن عباس رضی اللہ عنہما:	26
24	بہترین امت ہونے کا ایک سبب دعوتِ دین	27

25	آیت کریمہ سے استدلال:	28
26	حصلِ کامیابی کی ایک شرط دعوتِ دین	29
27	حصلِ کامیابی کی ایک شرط دعوتِ دین	30
28	اعمال صالحہ پر[تواصي بالحق]اور[تواصي بالصبر]کے عطف کی حکمت:	32
29	دعوتِ دین کے شرائط کامیابی میں سے ہونے کی تاکید:	33
30	آیت کریمہ سے استدلال:	34
31	نصرتِ امت کا سبب دعوتِ دین	37
32	نصرتِ الٰہی کے وعدے کے متعلق تنبیہات:	38

33	اللہ تعالیٰ اور مخلوق کا معلّمِ خیر پر درود	40
34	ا:عابد پر عالم کی فضیلت کا سبب:	41
35	ا: فرشتوں کے روبرو ان کی تعریف کرنا:	42
36	۳: مخلوق کے درود سے مراد:	43
37	: مخلوق کے درود کی حکمت:	44
38	ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچانے والے کے لیے دعائے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	45
39	دعائے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد:	46
40	صحیح ابن حبان کی ایک اور روایت:	48

41	دعوت الی اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہونا	49
42	ہدایت کا سبب بننے والے کا عظیم ثواب	51
43	سنن ابی داؤد میں عنوان حدیث: تعلیمِ خیر کی خاطر مسجد جانے پر مکمل حج کا ثواب	53
44	اس بات کے دو دلائل:	54
45	حدیث شریف کے متعلق دو باتیں:	55
46	ایک سوال اور اس کا جواب:	56
47	امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تحریر:	61
48	نیکی کا حکم دینے والے کے لیے اجر عظیم	62

49	مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خیر سیکھنے سکھلانے والے کا مجاہد کی مانند ہونا	63
50	دونوں میں برابری کا سبب:	64
51	[دعوت کی خاطر دین سیکھنے] اور [جہاد کے لیے نکلنے] کا ہم پلہ ہونا	65
52	دعوت الی اللہ تعالیٰ کا جہاد ہونا	67
53	جہاد باللسان کی اہمیت کے متعلق حدیث:	71
54	اسلام نے میرے ضمیر کو مطمئن کر دیا	72
55	اسلام عقل اور خلوص پر مبنی دین ہے	73
56	اسلام میں سب کچھ موجود ہے	74

57	مجھے یقین ہے کہ اسلام میں سب اہم باتیں موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ عیسائیت ایک نامکمل دین ہے	75
58	اسلام ہی وہ دین ہے جس کی مجھے ہمیشہ تلاش رہی	76
59	مجھے عیسائیت سے نفرت ہے مگر میں اپنی روزی سے محروم نہیں ہونا چاہتا	77
60	اسلام ضمیر اور عقل کو مطمئن کرتا ہے	78
61	اسلام نے مجھے دعا اور نماز کا عادی بنایا اور اللہ واحد پر ایمان عطا کیا	80
62	اسلام کے اصول قابلِ عمل اور معقول ہیں	81
63	اسلام روح اور جسم دونوں کا احاطہ کرتا ہے	82
64	اسلام کے بارے میں اسلام قبول کرنے والوں کے مختصر خیالات اسلام روزمرہ کی زندگی میں انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے	83

65	اعتدال اور تقویٰ اسلام کی کلیدی خصوصیات ہیں	84

66	اسلام کی سادگی اور اس کے پیروکاروں کے خلوص نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا	85
67	مجھے اسلام میں حقیقی سکون اور ہدایت کی روشنی مل گئی	86
68	دین اسلام کی سادگی اور صداقت نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا	87
69	اسلام ہی وہ دین ہے جس کی مجھے تلاش تھی	88
70	قرآن حکیم کے بارے میں اسلام قبول کرنے والوں کے خیالات قرآنِ حکیم میں روح کی افزائش کا مکمل سامان موجود ہے	89
71	قرآنِ حکیم کی اعلیٰ ہدایات اور عبارات دیکھ کر میں حیران رہ گیا	90
72	مجھے قرآنِ کریم میں اپنے تمام مسائل کا حل، تمام ضرورتوں کی تکمیل اور تمام شبہات کا ازالہ مل گیا	91

73	قرآنِ حکیم میں کبھی بائبل کی طرح ردوبدل ہوا نہ اسے مسخ کیا گیا، اس میں وضعی متن شامل کیا گیا نہ یہ خود ساختہ ہے	92
74	قرآنِ حکیم لامتناہی دولت کا مخزن ہے	93
75	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نو مسلموں کے خیالات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مجھے اپنے تمام مسائل کا حل مل گیا	94
76	اسلام نے رسالت کا جو تصور دیا ہے، رسالت اس سے کم و بیش نہیں	95
77	میری تبدیلئ مذہب کی وجوہات	96
78	میں مسلمان کیوں ہوا؟	98
79	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	99
80	☆اسلام کا مطالعہ:	100

81	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	101
82	اسلام نے مجھے کیونکر متاثر کیا؟	103

83	☆خواتین کی مساوات کا مسئلہ:	106
84	☆حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت:	107
85	☆ عقیدہ کفّارہ:	108
86	میں مسلمان کیوں ہوا؟	112
87	امریکہ میں اسلام	113
88	اسلام پر میرا ایمان	114

89	میں مسلمان کیوں ہوا؟	120
90	اسلام سے میری وابستگی	124
91	پروفیسر آرتھر ایلیسن کو کس بات نے قبول اسلام پر آمادہ کیا؟	125
92	☆بیرونِ جسم تجربہ(OBE):	127
93	قبولِ اسلام کی کچھ وجوہات	128
94	اسلام نے میرا دل کیسے جیت لیا؟	129
95	میرے قبولِ اسلام کی وجوہات	132
96	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	138

97	میرا اسلام کا تجربہ	140
98	ایک ذی شعور انسان کا پسندیدہ دین	142
99	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	144

100	میں کیوں مسلمان ہوا؟	147
101	میں نے اسلام کا انتخاب کیسے کیا؟	149
102	میں نے احمدیت (مرزائیت) کو کیوں ترک کیا؟	150
103	اسلام مجھے کیوں پسند ہے؟	158
104	میں نے نفسیاتی نقطۂ نظر سے اسلام قبول کیا	160

105	☆ توحید پر ایمان :	162
106	☆اخوتِ انسانی پر میرا یقین:	163
107	میری نظر میں اسلام کا حسن کیا ہے؟	167
108	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	170
109	اہل مغرب اسلام کیوں قبول کرتے ہیں؟	172
110	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	174
111	☆قبولِ اسلام :	177
112	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	182

113	زندگی بھر ہندو رہنے کے بعد میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	185
114	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	188
115	مؤلف کے دیگر تالیفات	191
116	فہرست	194